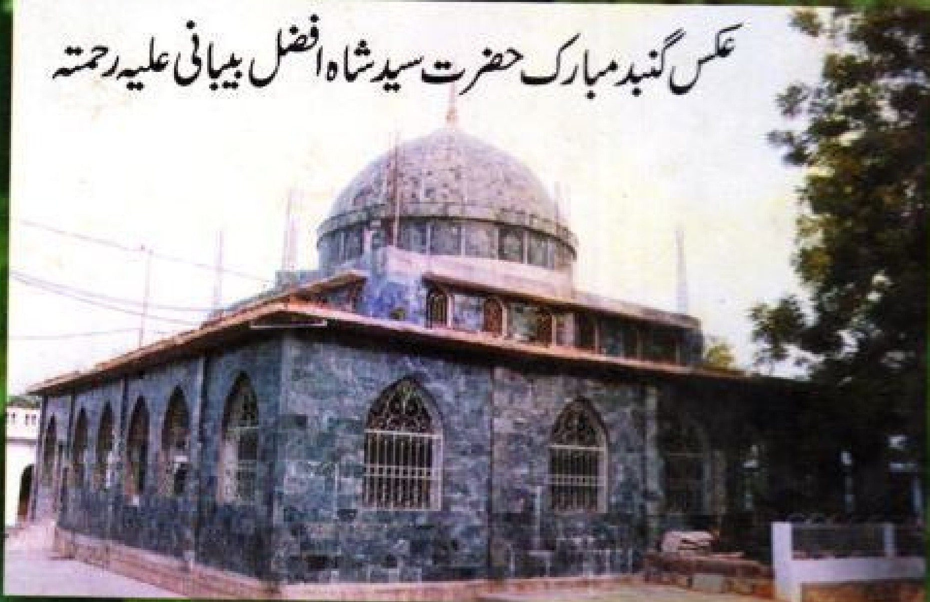
عرفانِ افضل

افضل الکرامات کی روشنی میں


عکس گنبد مبارک حضرت سید شاہ افضل بیابانی علیہ رحمتہ

مولفہ
ڈاکٹر محمد سراج الحسن پیکاںؔ

نیو عراء پبلکیشنز
وجے نگر کالونی۔ حیدرآباد۔ اے۔ پی
فون: 3345810



عرفانِ افضل

(افضل الکرامات کی روشنی میں)

ڈاکٹر سراج پیکاں

حضرت خواجہ عبدالوحید المعروف ابولبیان سبحانی شاہ بیابانی رفاعی القادری۔

contact@afzalbiabani.net

اشاعتِ اول سنہ ۲۰۰۱ء
تعداد ــ ۲۵۰۰

قیمت ــ یکصد روپے

نیو عیرا پبلیکیشن
ودیا نگر کالونی حیدرآباد، ۵۷
فون ۳۲۲۵۸۱۰

مطبوعہ :

دوشنبہ ۲۱ رجمادی الاول ۱۴۱۹ھ م ۱۴ ستمبر ۱۹۹۸ء

آخرِ شب عالمِ رؤیا میں

منبعِ برکاتِ رفاعیہ و مجمعِ کمالاتِ قادریہ حضرت سیدی سید شاہ غلام سرور بیابانی فاروق پاشا زاداللہ مراتبہم، طریقت کا روایتی لباس زیب تن فرمائے کہیں سے تشریف لا رہے ہیں۔ میں انھیں دیکھ کر اُن کے قریب پہنچ گیا اور مودبانہ یوں ہم کلام ہوا :

"پاشا ! دادا پیر قدس سرہٗ کی عظمت آفریں پاکیزہ زندگی کے
واقعات کا مسودہ مرتب ہو چکا ہے، میں چھپواؤں کہ آپ
اسے چھپوا دیں گے۔ حضرت نے قدرے تامل کے بعد ارشاد فرمایا
بھائی تم ہی نے اسے مرتب کیا ہے تم ہی اسے چھپوا لو۔"

بس حضرت کے اس ارشاد نے مجھے ہر صلے و ستائش سے بے نیاز کر دیا، میری آنکھیں مسرتِ بے پایاں سے کھل گئیں۔ عالمِ مثال کا یہ منظر ابھی اوجھل ہوا تھا کہ فجر کی اذان فردوسِ گوش ہوئی۔

میں اپنے اس کام، اس اشاعت اور اپنی اس نسبت کو صاحبِ گنبد قدوۃ العشاقِ ربانی وزیرِ غوثِ صمدانی دادا پیر سیدی آقائی مولائی سید افضل پاشاہ بیابانی قدس سرہٗ کا فیضان اور محترم سجادہ صاحب قبلہ کے اس ارشاد کو سندِ قبولیت سمجھتا ہوں تبرکاً و تیمناً ان اوراقِ گراں مایہ کو سید شاہ غلام سرور بیابانی فاروق پاشا زید مجدہم کی **نذر** کرتا ہوں کہ یہ رزِ خاص
عطائے خاص ہے

فہرست

حضرت خواجہ عبدالوحید المعروف ابولبیان سبحانی شاہ بیابانی رفاعی القادری۔



تخلیقِ کائنات سے کروڑوں برس پہلے ازل الآزال میں حق تعالیٰ سبحانہٗ نے جب اپنی حقیقت اپنے ذاتی کمالات اور اپنی بے شمار صفاتی خوبیوں کا جائزہ لینا چاہا اور اپنی فردیت کے غیر مرئی عالم (عماء) سے ظاہر ہونا چاہا تو اس کے ساتھ سوائے اس کی تنہائی و یکتائی کے کوئی اور موجود نہیں تھا بس وہی وہ تھا اور اک چھپے ہوئے خزانے کی مثل تھا۔ اپنی تمام نعمتوں، قدرتوں، خوبیوں اور دولت مخفیہ کو جو اس کے علم میں صفتِ جمال اور حقائق کونیہ کیساتھ موجود تھیں، جاننے، پہچاننے اور خود مشاہدہ کرنے کا ارادہ کیا[1]۔ اپنی ان خوبیوں کو حالتِ علمی سے وجود میں ظاہر کرنے کے لیے اپنی ذات پر بہزار رغبت توجہ فرمائی اور کمال چاہت سے بزبانِ روحِ اعظم "کن" فرمایا۔ اس کا یہ فرمان نہ مثلِ صوتِ حرف تھا اور نہ ہی مثلِ زبانِ گویا تھا، بس وہ تو اک آئینہ نور تھا جو اس کے باطن سے ظاہر ہوا اور ایسا ظاہر ہوا کہ نہ اس کی مثل کوئی تھا نہ اس جیسا کوئی ہو سکتا تھا۔

---

[1] سیدی آقائی مولائی سید شاہ غلام افضل بیابانی قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا ہے:

"قبل تخلیقِ عالم ذاتِ بحت یکہ و تنہا تھی۔ جب ذاتِ پاک اپنے جمالِ ذاتی، کمالِ صفاتی کے مشاہدے کا ارادہ کیا اور اشتیاقِ دیدار میں روحِ اعظم کو اپنی صورت پر پیدا کرکے اپنا آئینہ بنایا۔" (ضیائے بیابانی ص ۱۵۲) غالب کہتا ہے

دہر جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

محمدؐ ہوا۔ لہٰذا آپ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ممدوح ہوئے
اور حق سبحانہٗ تعالیٰ آپ کا ممدوح اور دونوں اعتبار سے آپ
ہی حامد و محمود احمد و محمد ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم "۔[1]

فی الحقیقت یہ ایک طرف حق سبحانہٗ تعالیٰ کے مقامِ فردیت اور دوسری طرف حقیقت محمدی کے مقامِ عبدیت کا انکشاف تھا، یہی سبب تھا کہ حق جل شانہٗ نے اپنی اس بے پناہ مسرت کے موقع پر خود شناسی کے ہر زاویہ سے قدر و منزلت کے اٹھارہ ہزار عالم تخلیق فرمائے اور ہر عالم کو جدا جدا منفرد خوبیوں کے ساتھ آراستہ فرما کر اپنے محبوب کے ذکر اور اس کی حقیقت کو جملہ موجودات کا آئینہ بنایا۔ سیدی عبدالکریم جیلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود سے تمام عوالم کو پیدا کیا۔ آپ کا
ہر پرزۂ تمثال حقائقِ کونیہ کی ہر حقیقت کے لیے اصل تھا۔
وہ اپنے جملہ وجود سے جملہ حقیقت رحمانیہ کے مظہر تھے "۔[2]

ان اٹھارہ ہزار عالموں میں اس کرۂ ارض کو اس کی صفتِ عجز کے سبب پسند و منتخب فرما کر اور اس کی روح کے ذرہ ذرہ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے گوندھ کر اپنے علمِ قدیم کا مجسمہ بنایا جو اس کے ارادۂ تخلیق کی بہترین تقویم اور تمام ظاہری خوبیوں اور پاکیزہ حسن سے مزین تھا۔ جب وہ ایسا ہو چکا تو حق تعالیٰ سبحانہٗ نے اپنی ارادی پھونک سے اس میں اپنی خوبیاں اور صفات و اوصاف منتقل فرما کر حیاتِ عارضی اور اس کے چہرے کو نورِ محمدی سے رونق دی۔ اس کے اس حق نمائشِ حسن کے سبب نوری ذرات اس کی طرف کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔ حق تعالیٰ نے انھیں بھی اسی کی مثل خلق فرمایا اور اس نوری مخلوق کے سامنے اس شاہکارِ تخلیق کو "آدم" خطاب فرمایا اور اس کے عز و شرف میں اضافہ کرنے اسے

---

[1] حضرت العلامہ صفدر حسین صاحبؒ۔ الاربعین الحدیث الاول صـ ۹ ، [2] انسانِ کامل مترجم صـ ۲۰۹

پاکیزگی اور تحمل کے جواہر سے آراستہ کیا۔ مراحلِ تخلیق خاکی و نوری کے دوران جو حرارت و آگ پیدا ہوئی اسی آگ سے اک اور وجود کو پیدا فرما کر اسے ابلیس نام دیا اور آگ کی صفت اس پر ظاہر فرما دی۔ ابلیس آگ کی خوبیوں کو جان کر اسے سب سے عظیم جانا اور آگ کا انداز پا کر پھولا نہ سمایا تب حق تعالیٰ نے آدم کو ہر شئے کا علم سکھایا اور خلعتِ نیابت سے سرفراز فرما کر مسجودِ ملائک کیا اور اپنی شناخت کو آسان بنانے کی خاطر جذبۂ عشق سے اس کا سینہ بھر دیا، انتہائی چاہت کے اظہار کی یادگار کے بطور جنت کے باغات کی سیر کو اس کے لیے پسند فرمایا اس میں لگے درختوں کے میووں اور پھلوں کو کھانے کا کامل اختیار دیکر مصلحتِ تخلیقِ فرد کی بریں کے سبب شجرِ ممنوعہ کی نشاندہی کی اور اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی اگرچہ

"درخت کی قربت فی نفسہٖ ممنوع نہ تھی اصل ممانعت اکل (پھل کھانے کی)
کی تھی مگر اکل سے روکنے کی خاطر قربت سے بھی روک دیا گیا کیوں کہ قربت
اکل کا باعث ہو سکتی تھی "۔[1] (تفسیر منہاج القرآن صـ ۴۴)

جنت میں رہتے ہوئے آدمؑ کو ان کی اک جنبشِ ابرو پر ان کی خواہش کی ہر شئے فراہم ہو جایا کرتی تھی لیکن کبھی بھولے سے بھی اس شجرِ ممنوعہ کے پھل کو کھانے کی نہ کبھی رغبت ہوئی نہ کبھی اس کی چاہ خواہش ہوئی۔ ایک مرتبہ نامحسوس طریقے سے بلا ارادہ وہ اسی شجر کے سائے میں محوِ خواب ہو گئے تو عالمِ نیند میں کوئی ان کا ہمشکل انھیں نظر آیا۔ جونہی اسے چھونے اور اس کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا آنکھ کھل گئی۔ بیدار ہو کر حالتِ محویت میں وہ جنت کی ایک ایک شئے کو گھورنے لگے لیکن خواب کا وہ ہمشکل انھیں نظر نہ آیا۔ اسی خواہش کو لیے وہ جو پھر محوِ خواب ہو گئے تو حق تعالیٰ نے انھیں کے پہلو سے ان کا وہ ہمشکل پیدا فرما کر ان کی خواہش پوری فرما دی۔ آدم کے لیے یہ ایک بیش قیمت جنت کا تحفہ تھا جسے پا کر آدمؑ جنت میں حریصانہ رہنے لگے اور اسے ایک لمحے کے لیے بھی خود سے جدا نہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ انتہائی چاہت کے سبب حق تعالیٰ نے ان کے اس محبوب کو لمحہ بھر کیلئے روپوش کر دیا تو آدمؑ بیقرار ہو گئے اور مضطربانہ اسے متوجہ کرنے کے لیے بیساختگی میں اسے "حوا" پکار اٹھے۔ ان کے اس طرح خطاب پر ان کا یہ ہمنفس متعجبانہ شانِ دلبری سے لجاتے سامنے آیا تو اس کا یہ انداز دیکھ کر آدمؑ سے رہا نہ گیا۔ انھیں ان کی اس بے مہری و استحقاقِ نفس کے عوض حق تعالیٰ نے لازماً

اپنے حبیبِ مکرم باعثِ تخلیقِ عوالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم دیا۔ پروفیسر طاہر قادری نے لکھا ہے :

"حضرت آدمؑ کو حضرت حواؑ سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے
کے وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا حکم دیا گیا اور
اسی کو اس عقد میں وسیلہ بنا لیا گیا۔" [1]

جنت کی نشاط انگیز آزادانہ تفریح اور سامانِ عیش کی فراوانی دونوں کو حاصل تھی۔ آدم و حواؑ جو اس شان سے رونق افروز بزمِ خلدِ بریں ہوئے تو ابلیس حسد سے جل گیا۔ فرشتوں کے لیے جہاں اس صدفِ دُرِ نایاب یعنی حضرتِ آدمؑ کو اک نظر دیکھ لینا باعثِ خیر و برکت تھا وہیں ابلیس کے لیے یہ منظر اک خونچکاں نظارہ سے کم نہ تھا۔ آدم و حواؑ کی برکت انگیزیاں جنت کے ماحول کو روز افزوں رونقِ تازہ دینے لگیں تو ابلیس نے ہدایتِ حق پر دوبارہ غور کیا اور اس کی کچھ اس طرح ان کے سامنے تاویل کی :

"تم کو تمہارے رب نے اس درخت سے منع نہیں کیا مگر اس وجہ
سے کہ تم دونوں فرشتے بن جاؤ گے۔" [2]

فی الحقیقت جنت میں اس پھل جیسی خوشبو، رنگ روپ اور حق تعالیٰ کا دکھلایا ہوا کوئی اور ایسا درخت موجود ہی نہیں تھا جس کی کچھ ایسی اہمیت ہوتی، جس کے لیے حق تعالیٰ سبحانہٗ کو ایسی ہدایت کرنی پڑتی۔ ابلیس نے آدم کے سامنے ممانعت کے سبب کا منطقی پہلو ڈھونڈ نکالا تھا، کہنے لگا: "اگر تم اس درخت کا پھل کھا لو گے تو فرشتوں کی طرح ہمیشہ جنت میں رہنے کے حقدار بن جاؤ گے" آدمؑ نے فرشتوں کو جنت میں اس شجرِ ممنوعہ کے پاس آتے جاتے دیکھا تھا، یقین آ گیا، ثمر ممنوعہ کی رونق و شادابی اور اس کی زبردست قوتِ کشش انہیں درخت تک کھینچ لے گئی، نادیدہ کھانے کی شیدائی طبیعت نے بالآخر انہیں عدولِ حکمی کی خطا کا مرتکب کرا کے چھوڑا۔ آدمؑ اپنے

1. تفسیر منہاج القرآن صفحہ ۳۸۲
2. انسانِ کامل حصہ دوم مترجمہ فضلِ میراں صاحب صفحہ ۲۲۹

علم اور ابلیس کی دلیل پر اعتماد کر کے اپنی حد سے آگے نکل گئے۔ سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"اس درخت کا پھل کھانے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی عقل
کا تعلق خالص اپنے رب کے ساتھ تھا کہ اپنے مصالحِ نفس سے بالکل
غافل و بےخبر تھے، مگر پھل کھا کر صورتِ حال پلٹ گئی اور عقل کا تعلق
اپنی ذات کے مفاد میں اور نفس کے مصالح کے ساتھ ہو گیا۔" [1]

ان کے ہر ارادے کے ساتھ ان کے نفس نے انہیں اس بات کے لیے دھوکے میں ڈالے رکھا کہ اس ثمر خوش رنگ سے لذت یابی کے بغیر کمالِ ملکی کا حصول ممکن ہی نہیں ہے۔ دب دب کر ابھرنے والا یہ ولولہ بالآخر اس نخلِ ثمردار کو دیکھنے، چھونے اور اس کے پھل کو کھانے کا سبب بن ہی گیا

"جسے حق تعالیٰ نے ظلمتِ طبیعت کے قائم مقام رکھا تھا، اس کے کھانے
سے منع کرنا اسی وجہ سے تھا کہ وہ نافرمانی کرے گا تو طبیعتوں کی تاریکیوں
کے گھر میں اترنے کا مستحق ہو جائے گا۔ پس اس نے اپنے ذاتی علم پر
اعتماد کیا اور بوجہ اس کھانے کی محبت کے اخبارِ الٰہی پر نہ رہا۔" [2]

آدم علیہ السلام کو جب اپنی اس غفلت اور بھول کا علم ہوا تو انھوں نے خود کو اپنے ضمیر کے سامنے شرمندہ اور عالین فرشتوں کی نظر میں گرا ہوا محسوس کیا۔ جنت کا نورانی ماحول یک لخت تنگ و تاریک ہو گیا۔ التجاء، آہ و زاری، طلبِ عفو کی مہلت بھی انہیں نہ مل سکی فوراً جنت سے اخراج کا حکم جاری ہو گیا۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق اور جنت میں ان کے داخلے کا مقصد قربتِ حق تھا۔ شجرِ ممنوعہ سے دوری کا حکم اسی غرض سے وابستہ تھا کہ آدمؑ اس کا پھل نہ کھائیں جو قربِ حق اور یادِ الٰہی سے غافل کر دینے والا ہے۔ ابلیس کے بہکاوے اور حواؑ کی ترغیب نے عدولِ حکمی کا جو مرتکب کرایا آدمؑ جنت میں رہنے کے حق سے محروم کر دیے گئے۔

1. تبریز ترجمہ ابریز حصہ دوم مترجمہ عاشق الٰہی میرٹھیؒ صفحہ
2. انسانِ کامل مترجمہ فضلِ میراں صاحب حصہ دوم صفحہ ۲۳۸

عالمِ علوی سے عالمِ سفلی کی طرف منتقل ہوتے ہوئے مایوسی، بے بسی اور شرمندگی آدم علیہ السلام کے دامن سے بندھی رہی۔ جنت میں وہ تو صرف آدھا دن ہی رہ سکے تھے کہ یہ گل کھلا اور بس

"اسی وقت غیرتِ حق حملہ آور ہوئی کہ اے آدم کیا تجھے نفسانی خواہشات اور حیوانات کی طرح چرنے چگنے کے لیے پیدا کیا تھا۔ "اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ" (کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں۔) اب تو اس بات کا ڈر ہے کہ ابھی تو تجھے آدھا دن بہشت میں رہنے دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے بھول گیا اور ہمارے غیر میں مشغول ہو گیا اور ہمارے غیر سے الفت پیدا کر لی اور بے فرمانی کر کے ممنوعہ درخت کا پھل کھایا، اگر میں تجھے سالہا دن (جنت میں) رہنے دوں تو شاید مجھے بالکل ہی بھول جائے۔"[1]

جنت سے اخراج کا حکم اجرا ہو گیا۔ آدمؑ و حواؑ جنت سے سر جھکائے متاعِ آبرو سمیٹ کر ندامت سے چلے۔ انھیں ایسی حالت میں جنت سے نکلتے دیکھ کر ابلیس جنت کے دروازے پر کھڑا اپنی کامیابی پر مسکراتا ہوا اپنے بازو تھپتھپا رہا تھا۔ اسے اس طرح کھڑا دیکھ کر آدمؑ اس مکار کو مخاطب کرنے جونہی پلٹے ان کی نظر جنت کے دروازے پر لکھی عبارت پر اٹھ گئی وہ حیرت و استعجاب میں وہیں کھڑے لوحِ خلدِ بریں دیکھتے رہے انھیں حیرت زدہ دیکھ کر فرشتوں نے بتایا ع

یہ اُن کا نام ہے جن کا یہ گھر ہے

خطاکاروں کی خطائیں اس نام کا وسیلہ لینے پر معاف کر دی جاتی ہیں، آدمؑ کو یاد آیا کہ یہی نام انھوں نے عرشِ عظیم کی پیشانی پر بھی لکھا ہوا دیکھا تھا بس وہ اس نام کی عظمت کو دل میں اترتا ہوا محسوس کرنے لگے۔ امام صاوی نے تفسیر حاشیہ جلالین میں لکھا ہے:

[1] مرصاد العباد مترجمہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد الرازیؒ۔ صفحہ ۶۵

اِنَّمَا هُوَ لِيَظْهَرَ قَدْرُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاٰدَمَ مِنْ اَوَّلِ قَدَمٍ اِذْ لَوْلَاهُ مَا تَمَتَّعَ بِزَوْجَتِهِ فَهُوَ الْوَاسِطَةُ لِكُلِّ وَاسِطَةٍ حَتّٰى اٰدَمَ"۔

یہ حکم اس لیے تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت پہلے ہی قدم پر حضرت آدم پر آشکار ہو جائے اور وہ جان لیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو انھیں نعمتِ زوجیت بھی نہ ملتی کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر واسطہ کے لیے حقیقی واسطہ ہیں۔ حتیٰ کہ آدم علیہ السلام کا بھی ہے۔[1]

جنت سے نکلتے ہی آدم و حواؑ دونوں ہی زمین کے جدا جدا مقامات پر آئے گئے۔ جیسے ہی انھوں نے زمین پر قدم رکھا ہر شئے کو خوف و ڈر کے سبب وحشتناک دیکھا، انھیں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا، ہر شئے کاٹ کھانے دوڑتی نظر آتی تھی، اندھیرا ہر طرف حدِ نظر تک نظر آتا تھا۔ نہ کوئی ہمدم نہ کوئی ہمزباں، جس طرف چلتے تنہائی ہی ساتھ ہوتی سرکار غوثِ پاکؒ فرماتے ہیں۔

"آپ زمین پر آئے تو زمین سے ڈر محسوس ہوا اور ایسی بلائیں دیکھیں جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ ان بلاؤں کا آپ پر بوجھ پڑا۔"[2]

بھوک پیاس، بے خوابی و اضطراب، تنہائی، آہ و زاری و مہجوری ان کے ہمراہ رکاب رہی اس پر طرفہ بلائے عشق بھی ان کے سینے سے لگی چلی آئی اسی کا بار سب سے زیادہ ان کے سر پر پڑا تھا۔ وہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ہجرت کے لیے مجبور کیے جاتے رہے جنت سے نکلنے کا غم شاید اتنا شدید نہ تھا، جتنا ریاضِ خلد کے تحفے سے محرومی اور گمشدگی سے تھا۔ زمین پر وہ ہر جگہ اپنی اس متاعِ عزیز کو مضطرب الحال تلاش کرتے پھرتے رہا کیے لیکن کہیں بھی

[1] بحوالہ تفسیر منہاج القرآن صفحہ ۳۸۲ [2] غنیۃ الطالبین مترجمہ بان سرحدی صفحہ ۶۳۷

انھیں اس کا پتہ نہ مل سکا مفتی احمد یار خاںؒ لکھتے ہیں ۔

"جنت کا فراق، حضرت حوا کی جدائی تو رونے کا بہانہ تھا
درحقیقت اپنی محبت میں ان کو رلانا تھا" ۱

چونکہ آدم کو محبتِ مجازی (حوا کی محبت[۲]) میں مبتلا کر کے ہی حق تعالیٰ اپنی محبت کا خوگر بنا سکتا تھا اس لیے حوا کو آدم سے جدا کر کے انھیں تڑپا تا رہا یہی وجہ تھی کہ دونوں جدا جدا زمین پر اتارے گئے تھے تاکہ وہ تڑپنے والا دل پیدا کر لیں، تین سو برس تک آدم حوا کے لیے تڑپتے رہے ایک ہزار سال تک روتے رہے تب عرفانِ محبت کے ذوق آشنا ہوئے اور چالیس برس معتکف بکوہِ اسم روحِ خلد بریں رہے تب اس کے سبب ان کی مصیبت ٹلی شیخ التفسیر مفتی احمد یار خاںؒ فرماتے ہیں ۔

"جب آدم علیہ السلام کی پریشانی انتہا کو پہنچ گئی تو ایک دن ان کو
یاد آیا کہ "میں نے اپنی پیدائش کے وقت عرشِ اعظم پر لکھا دیکھا تھا
لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ۔ ابنِ منذر کی روایت میں یہ
کلمات ہیں ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ بِجَاہِ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَ
کَرَامَتِہٖ عَلَیْکَ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ خَطِیْئَتِیْ" ۳

صبر و آزمائش، ندا و ندامت کا یہ محبوب دور وسیلۂ ختم المرسلین کے حصول و قبول پر اختتام پذیر ہو گیا ۔ خطا معاف ہوئی، جس مقام پر انھیں پروانۂ عفو و درگزر مل گیا اسے آدم علیہ السلام نے اپنی نگاہ میں رکھا وہیں سجدہ شکر ادا فرما کر اٹھے ہی تھے کہ شانِ محبوبیت لیے حوا بھی آ گئیں ۔ قبولیت اعتراف کا یہ منظر اور عرفات کے میدان کا یہ سرور انگیز و کیف آگیں نظارہ ہمیشہ کیلئے یادگار ہو گیا ۔ یہیں بہ طفیل

---

۱ تفسیر نعیمی جلد اول ص ۲۹۹

۲ مولانا عبدالقدیر صدیقی نے لکھا ہے : "منبع الوجود، حقیقت عشق، محبتِ ذاتی مرد میں محبت بن کر جلوہ گر ہے اور عورت میں محبوب بن کر نمودار ہے ۔" نصوص الحکم فص محمدیہ ص ۴۳۲ ۳ تفسیر نعیمی جلد ۱ ص ۲۹۷

سرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم، آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ فی الارض کے دائمی شرف سے اور صفی اللہ کے عظیم المرتبت خطاب سے سرفراز فرمایا گیا ۔ یوں دو سو سال تک محبتِ الٰہی کے قابل آپ کے قلب کی تربیت ہوتی رہی ۔ پروفیسر طاہر القادری نے لکھا ہے ۔

"حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا نے ندامتہً چالیس روز تک
کھانا پینا بند رکھا، سو سال تک ایک دوسرے سے قربت نہ کی
اور دو سو سال تک روتے رہے" ۱

مفتی احمد یار خاں کا بیان ہے :

"قلبِ آدم علیہ السلام کو جب توبہ کے صابن سے صاف کر دیا گیا
اور آنکھوں کے پانی سے اس کو خوب دھویا تب رحمتِ الٰہی کی
بارش ان پر ہوئی، ان کو اپنا قرب عطا فرمایا، تفسیر روح البیان نے
اس جگہ فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قلب میں محبتِ الٰہی
کا تخم بویا گیا" ۲

آدم علیہ السلام نے یہ جو پاکیزہ نفسی پائی تھی یہ فیضانِ نورِ محمدی کا اثر تھا جو ان کی جبینِ قدسی سے جھلکنے لگا تھا ۔ فرشتوں نے اس سے پہلے ایسی نورانی کیفیت کبھی آدم کے چہرے پر نہیں دیکھی تھی ۔ آدمؑ کو اب نہ زمین سے خوف ہوتا تھا اور نہ ہی کسی بلا کے فراہم ہونے کا ڈر تھا ۔ جب تک یہ نور آدم کے جسم و جاں سے لگا رہا ہر شے آدم کے زیرِ فرمان رہی تا آں کہ یہ نور آدم علیہ السلام کے کسی اولوالعزم و صالح فرزند کی پیشانی پر منتقل ہو گیا اور آدمؑ تنہا اُن تمام برکتوں کا فیض حاصل کرتے رہے ۔ یہ نور اپنے اپنے موقعوں پر عظیم المرتبت و منتخب نبیوں، رسولوں اور صالح و پاکیزہ نفوس کے قلب منیب سے منتقل ہوتا ہوا ارضِ ام القریٰ کو رونقِ دوام اور مکے کی سرزمین کو تقدس کی شان عطا کرتا ہوا ام الانبیاء سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

---

۱ تفسیر منہاج القرآن ص ۴۵ ۲ تفسیر نعیمی ص ۲۹۹ ج ۱

کے پیکرِ قدسی کی زینت بن گیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے:

من نبی الی نبی حتی اخرجتک نبیا الخ (آپ ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منتقل ہوتے رہے اور آخر میں اللہ کے حبیب بن کر آئے۔[۱])

آدم علیہ السلام مجمعِ کمالات و منبعِ اوصاف و اخلاق و امانت دارِ نورِ محمدی تو تھے ہی اظہارِ ندامت پر اب جو عفو و بخشش کی سند مل گئی تھی، شانِ حقانیت کا مظہر بن گئے۔ انھیں عجز و انکساری کے صلے میں بطورِ انعام تا قیامِ قیامت ایسے خصوصی شرف اور دوامی فضیلت، بزرگی و برگزیدگی سے مشرف فرمایا گیا کہ شرف و امتیاز سے کسی اور کو کوئی حصہ نہ ملا۔ آپ کی اولاد کو حکم ہوا کہ اس شرف و بزرگی سے اگر اپنے لیے برکتِ دائمی مقصود ہو تو ارادے کے اخلاص سے اس کے گھر کے گرد اگرد طواف کی مشقت سے اظہارِ ندامت کرے۔

آدم علیہ السلام کے زمین پر اُتر آنے کے برسوں بعد جس مبارک دن اس نورِ مجسم نے مکہ کی سرزمین کو اپنے قدموں سے متبرک بنا دیا اور جب اس کی برکتیں وسعت پذیر ہونے لگیں تو حق تعالیٰ جلِ شانہ نے اس نورِ مجسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ظہور کے پہلے ہی دن سے ساری کائنات کا اختیار دے کر ایک ایسا عظیم توافق پذیر بدنِ جلیل عطا فرمایا کہ بیک وقت ہر جگہ اس کی جلوہ گری کو اس نورِ مجسم کی مرضی کے تابع رکھا اور اس کے دیدار کو اس کی امتِ اجابت کے مقبولین کی راحت کا ذریعہ بنایا۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی نے لکھا ہے:

"ہر مومن مسلمان کے مرنے کے بعد حضور اسی طرح دنیا بھر میں بیک وقت سب کی قبر میں پہنچتے ہیں اور سرکار کی دیدار کی کے اسی شوق میں عاشق ہمیشہ موت کی آرزو کرتے رہتے ہیں۔"[۲]

سیدی محمد بن علوی المالکی الحسنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

۱۔ ۲۔ مراۃ المناجیح ص ۹۰

"اللہ جل شانہ نے حضور سرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کا بدنِ شریف اس طرح بنایا کہ نہ اس سے قبل ایسا بدن ظہور پذیر ہوا اور نہ ہی آپ کے بعد آپ کی ذاتِ اقدس کی مانند کوئی شخص جنم لے گا۔"[۱]

سیدی عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی قدس سرہٗ نے لکھا ہے:

"جب خدائے تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کمال سے پیدا فرمایا اور اسے اپنے جلال و جمال کا مظہر بنایا تو ہر اس حقیقت کو جو اُس کے اسماء و صفات کے حقائق کی حقیقت سے تھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا کر دیا۔"[۲]

آدم علیہ السلام کے بعد دنیا میں اولوالعزم پیغمبر تشریف لاتے رہے اور اس نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مژدۂ جانفزا اپنی امتوں کو سناتے رہے۔ اٹھارہ ہزار عالموں میں ہر ایک اس نورِ مجسم کی آمد، اس کے اوصاف و کمالات کے ذکر سے خود کو مفتخر کرتا رہا۔ ہر ایک قوم دعویدار کہ آپ انھیں میں مبعوث ہوں گے لیکن یہ عز و شرف سوائے قومِ عرب کے کسی کے حصے میں نہ آیا۔ حق تعالیٰ نے دنیا کے سب سے زیادہ فصیح اللسان، جامع الکمالات، اکرم الخلق ع "منزہ عن شریک فی محاسنہ" (قصیدہ بردہ) ہستی کو دنیا کی سب سے زیادہ گمراہ، سب سے زیادہ جاہل، سب سے زیادہ متکبر اور سب سے زیادہ تاریکی میں پڑی قوم میں پیدا فرمایا اور "نبی اُمّی" کے جامع تر خطاب سے سرفراز فرما کر ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

عرب، دنیا کی وہ قوم تھی، جن کے اوصاف خواہ مثبت ہوں کہ منفی، ساری دنیا میں کوئی اُن کا مدِ مقابل و ہمسر نہ تھا۔ نشۂ زباندانی جو کبھی سر چڑھ کے بولنے لگتا تو یہ قوم اپنے سوائے ساری دنیا کو بے زبان، زرمو نہا سمجھنے لگتی۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جزیرہ نمائے عرب میں تشریف لانے کے بعد یہ خود ایسی گونگی ہو گئی کہ لکنتِ زبان نے کچھ بولنے نہ دیا۔ نزولِ قرآن

۱۔ انسانِ کامل مترجمہ سید احمد بخاری صاحب ص ۱۷، ۱۸ ۲۔ انسانِ کامل مترجمہ فضل میراں صاحب حصہ دوم ص ۲۳۷

کے بعد تو ان کا سارا نشۂ زبان دانی یک لخت ہرن ہو گیا۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے لکھا ہے:

"ان کو اپنی فصاحت اور قادر الکلامی پر اس قدر غرور تھا کہ وہ ساری
دنیا کو اپنے آگے گونگا جانتے تھے۔" ۱ (تاریخ اسلام حصہ اول ص۸)

کائنات کے روز اول ہی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کا آوازہ بلا فصل بلند ہوتا رہا۔ جب بھی دنیا میں حق کا پیغام آتا تو پہلے نوید گل رسالت کی برکت انگیز مہک سے سارا عالم معطر کیا جاتا کہ سعید نگاہیں اس نورِ مجسم کی تشریف آوری کے انتظار میں پلکیں موندے بغیر تو برگزیدہ نفوس و پاکیزہ روحیں اس شمع رسالت پر مثل پروانہ شب دیدہ نچھاور ہونے تیار رہیں۔ وانہ' کتب آسمانی سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کے کسی حصے میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا گیا جس نے حضور اکرم ؐ کے دنیا میں تشریف لانے کی خبر نہ دی ہو۔ آپ کی بعثت سے قبل یثرب میں بسے یہودیوں اور عربوں میں جب بھی جھگڑا ہوتا اور اس قومی عصبیت کے خون خرابے میں اکثر عرب ہی ان پر غالب آتے تو وقتی طور پر مایوس یہودی ان عربوں سے کہنے لگتے:

"تم آج ہم پر جبر کر رہے ہو کل تم دیکھ لو گے کہ جب وہ نبی آخر الزماں ہم میں پیدا ہو گا
تب ہم ان کی مدد سے تم پر غالب آئیں گے اور اس شکست کا تم سے بدلہ لیں گے"

بالآخر جب وہ ساعت سعید آگئی، زمینِ حجاز آپ کے قدموں سے لگ کر مقدس اور یہاں کا ذرہ ذرہ آپ کے نعلین پاک کو چھو کر عرش سے آنکھیں ملانے لگا تو یہی یہودی جو کل تک آپ کے گن گاتے تھے، عرب کے معزز قبیلے قریش میں آپ کے پیدا ہو جانے پر آپ کے دشمن ہو گئے انھیں اس خیال نے اغوا کر لیا کہ وہ ہستی جسے صرف اور صرف امر الٰہی عزوجل کے سبب یہودی قوم میں پیدا ہونا تھا وہ کیوں کر ان جاہل اور اُجڈ قوم میں پیدا ہو سکتی تھی، باوجود دلائل و شواہد، آثار و قرائن کے وہ آپ کی نبوت کو ماننے تیار نہ ہوئے، اسی قومی عصبیت نے انھیں ذلیل و رسوا کر دیا اور ذلت دوامًا ان کا مقدر بن گئی۔ حق تعالےٰ نے قیامت تک اس نورِ مجسم کی تعظیم و تکریم کے لیے تمام موجودات اور سارے عوالم، کہکشاں، شمس و قمر، سیارگانِ بے حد و حصر کو زمین کے اطراف مشغول بطواف رکھا۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔

دنیا میں آپ کے تشریف لانے سے قبل اور بعد ہر زمانے میں آپ کے نائب اور آپ کے نام لیوا

آپ کی چادرِ عظمت اوڑھے، سطوت و امتیازی شان سے جلوہ افروز ہوتے رہے اگرچہ انبیائے و اولیائے سابقین میں ہر ایک آرزومند کہ اے کاش اُسے آپ کے امتی ہونے کا شرف بھی حاصل ہو جاتا کہ وہ اس شرف و فضیلت کے سبب آپ کا پسندیدہ و منتخب شدہ فرد ہوتا۔ آج بھی آپ کے یہ منتخب و پسندیدہ حضرات منکسر النفس، کار برآریِ ضعیفاں و مشکل کشائے آشفتہ حالاں ہیں۔ شہنشاہِ کونین کے یہ نائبین فی الحقیقت دین و دنیا کے فرماں روا، حاکم و بادشاہ ہیں۔ انہی کی مرضی و احکام سے کاروبارِ عالم کی رونق ہے۔ مظلوم کی حمایت، محتاجوں کی دستگیری، مایوس العلاج بیماروں کی مسیحائی اِن کے دستِ قدرت کا ادنیٰ سا کام ہے۔ مخلوقِ خدا سے مہر و محبت ان کی فطرت کا لازمہ ہے۔ یہ فائق الآفاق ہستیاں جس کسی کو اپنے دربار میں بلا لیں انھیں اپنے لطف و کرم سے نہال و مالا مال کر دیں اور در پہ آئے ہوؤں کو اپنے خوانِ کرم سے بہ عز و شرف وہ سب کچھ عطا کر دیں جو ان کا حصہ ہے۔ وہ افراد جو ان کی دین و عطا ان کے چشمۂ فیضان سے اپنے مقدر کا حصہ پانے بِن بلائے ہی ان کے در پر آ جائیں وہ بھی ان مدعوئین کے طفیل میں ان کے پس خوردہ سے حصہ پائیں۔ اسی امید پر کہ ہاتھ باندھے ہوئے در پر کھڑے، در در کے ٹھکرائے ہوئے مجھ سے بے بضاعت، مفلس و مفلوک الحال، بے حیثیت و قلاش زیاں کی جھولی میں کچھ نہ کچھ تو بچا کچا پڑ ہی جائے گا، یہ ناتواں سرنگوں ہے۔ نصیبا جاگتا رہے تو قرب سنگِ درِ مقبولانِ داتائے دوجہاں بڑے نصیب کی بات ہے۔

قدوۃ العشاقِ ربانی، وزیرِ غوثِ صمدانی، آقائی مولائی، سیدی و سندی سید افضل بادشاہ بیابانی قدس سرہ العزیز کی ذاتِ قدسی صفات کیا بلحاظِ علم و فضل، شرف و امتیاز اور کیا بلحاظِ حلم و دانش فقیہانہ انداز، فقید المثال تھی۔ آپ کے مناقب و آثار، آپ کی حیاتِ طیبہ کے جلیل القدر اخبار اصفیائے زمانہ کے سینوں میں ہر توں انوار و برکات پھیلائے محفوظ و مصئون ہے۔

معرفتِ الٰہی، قربتِ حضرتِ باری کے نازک ترین فرق سے ناواقف ذہن "اولیائے کرام کی شبانہ روز عبادتوں، زماں و مکاں کی قید سے بے نیاز ان کی ریاضتوں کو اپنے بندھے ٹکے

اوقات سے تقابل کر کے اپنی کوتاہ ذہنی کے سبب متبادر نہ ہونے والی ان برگزیدہ نفوس کی بلا فصل طویل عبادتوں کو ناممکن اور ان کی محیر العقول باتوں کو پڑھ سن کر عقیدتمندانہ اظہارِ خیال کا نام دینے لگا ہے۔ اس بے باک دیدہ دل مجہول خیال آرائی کی اصلاح کرنے سلسلۂ عالیہ بیابانیہ رفاعیہ کے بزرگوں کے حالات و واقعاتِ زندگی، ان کے فضل و کمال کو تحقیق و تدقیق سے دوبارہ مرتب و منضبط کرنے کی میری ادنیٰ کوشش اور اس سلسلے کا پہلا کام ہے۔

پینتیس ۳۵ سال قبل یہ فدوی، حیدرآباد کے محلہ ملے پلی میں بغرض حصولِ اعلیٰ تعلیم مقیم تھا۔ طالب علمی کے اس دور کی فرصت، غنیمت تھی۔ روزانہ بعد مغرب حضرت پیر و مرشد قبلہ شاہ محمد المشفق بیابانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں میری حاضری رہا کرتی۔ آپ کی قیام گاہ "منظرِ عرفان" موقوعہ محلہ مرادنگر، اہلِ سلسلہ کے لیے حصولِ برکات و فیضانِ معرفتِ علمی کا مرکز تھی۔ حضرت قبلہؒ نے عرصۂ دو سال تک ذکر و اذکار کے رفاعی اشغالِ باطنی اور تربیتِ قلبی کے ساتھ روحانی منازل بھی طے کرائے اور اپنی خصوصی توجہ سے آمدن نامہ اور نصوص الحکم کے کچھ اسباق پڑھائے اور ان کے مطالعہ کو عادت بنا لینے کی ہدایت فرمائی۔ کبھی دس بجے شب اور کبھی ساری ساری رات درس و تدریس کی نذر ہو جاتی اور یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ تصوف سے متعلق مختلف مسائل کا احاطہ کر کے تبادلۂ خیالات بھی ہوتے رہتے۔ سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ کے حالات اور آپ کا تذکرہ لازماً روزانہ ہوا کرتا۔ حصولِ فیضان کے لیے "افضل الکرامات" اور "ضیاے بیابانی" کا نسخہ جو ہمیشہ میرے ساتھ رہتا تھا اس کے ہر عنوان پر سیر حاصل گفتگو ہوتی، اس کے لیے پہلے سے میں اپنے اضافۂ معلومات کے لیے سوالات کی اک فہرست مرتب کر کے رکھ لیتا اور ان پر اشارات لکھ لیتا۔ سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ کی مقدس زندگی کے وہ واقعات جو پہلے کبھی کسی سے میں نے سنے نہ تھے فردکیا گوش ہوئے جنھیں سن کر دل ہجوم جذباتِ عقیدت سے بے اختیار اور روح دیر تک وجد کناں رہتی۔ ان لاقیمت موتیوں کو صدفِ دل میں چھپائے اور افضل الکرامات کے صفحات کے ہر عنوان کے حاشیہ پر سجائے اور کچھ اپنی پاک و صاف بیاض کی لکیروں پر نوکِ قلم سے پھیلائے رات دیر گئے اپنی قیام گاہ واپس آجاتا اور انھیں جدا جدا جگہوں سے بحفاظت تمام نکال کر اوراقِ تازہ کو عطر بیز کر کے سطر

سطر پرو لیتا۔ اس طرح ڈھائی سال وقتِ املا رہنے کے نتیجے میں سرکار قاضی پیٹھ سیدی آقائی مولائی سید افضل بادشاہ بیابانی قدس سرہٗ کی حیاتِ قدسی کے روشن ابواب کا اک عظیم ذخیرہ محفوظ ہو گیا۔

سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ کے یہ تمام ذرائع فی الحقیقت آقائی مولائی سرورِ اقطاب سید شاہ غلام سرور بیابانی قدس سرہٗ کی ذاتِ قدسی صفات کے مرہونِ منت ہیں۔ یہ تمام ذخیرہ حضرت اقدس گنجینۂ اسرارِ معانی آقائی مولائی سیدی و سندی سید شاہ غلام افضل بیابانی قدس سرہٗ نے بنفسِ نفیس اپنے والدِ محترم حضرت سرورِ اقطاب سے سماعت فرما تھے اور موقع بموقع آپ نے اپنے خلیفۂ خاص میرے پیر و مرشد قبلہ حضرت شاہ محمد مشفق بیابانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان فرمائے تھے، عرصہ دراز تک حضرت قبلہؒ نے اس دولتِ گراں بار کو اپنے مریدین کے حوصلے و طلب کے مطابق عطا بھی فرمایا لیکن کسی نے بھی اسے بزبانِ قلم محفوظ کرنے کی سعی نہ فرمائی۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ یہ دولتِ عظیمہ میرے حصے میں آئی، حضرت قبلہؒ نے میرے اشتیاق آفریں عقیدتمندانہ طلب کو ملاحظہ فرما کر اسے بہ تمام و کمال مجھے املا کرایا۔ یہ تمام حالات دراصل آقائی مولائی سیدی و سندی سید شاہ غلام افضل بیابانی قدس سرہٗ ہی کے مرتب کردہ ہیں آپ کا ارشاد ہے:

"ہمارے خاندانی حالات لوگوں کو معلوم نہیں جو کچھ سنتا گیا ہوں
انھیں قلمبند کرتا گیا ہوں، انھیں محفوظ رکھا ہوں۔" [1]

زیرِ نظر یہ شیرازہ بند صفحات اگرچہ سرتاسر افضل الکرامات اور ضمناً کہیں ضیاے بیابانی و دیگر وقائع سے مرتب ہوئے ہیں لیکن فی الحقیقت یہ آقائی سیدی سید شاہ غلام افضل بیابانی قدس سرہٗ کے ان مرتب کردہ حالات سے جن سے میرے پیر و مرشد قبلہؒ نے خوب استفادہ کیا تھا، مدون ہوئے ہیں۔ افضل الکرامات کی اشاعتِ ثانی کے ساٹھ سال بعد اس کی توضیح و تشریح کا قرعۂ فال اس ناچیز کے نام نکلا۔ یہ محض ان کریم آقا کی توجہ اور ان کی چاہت و فیضان کا نتیجہ ہے کہ میرا ناپختہ قلم بیابانی ان کا منت کش و ممنون نکلا۔ افضل الکرامات کی اشاعت کے فوری بعد دادا پیر ثانی سیدی آقائی مولائی سید شاہ غلام افضل بیابانی قدس سرہٗ نے اسے

---

[1] ضیاے بیابانی ص ۱۴۱

ملاحظہ فرمایا اور ان فراہم کردہ معلومات کو ناکافی و نامکمل قرار دے کر ارشاد فرمایا تھا:

"گھر کا معاملہ ہے اسے گھر والے ہی خوب جانتے ہیں بھلا غیر کیا جانے!"

اگرچہ موجودہ شکل میں فضل الکرامات میں دی گئی اتنی معلومات بھی بڑی وقیع اور اہم ہیں، معتقدین و وابستگانِ سلسلہ کے لیے یہ مطبوعہ مستند مواد بھی نعمتِ غیر مترقبہ سے کسی طرح کم نہ تھا کہ اسے سیدی آقائی سرورِ اقطاب سید شاہ غلام سرور بیابانی قدس سرہٗ کے ملاحظہ کا شرف حاصل تھا بس مریدین و متوسلین نے اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیا اور اس کی خوب پذیرائی کی جس کی وہ یقیناً مستحق تھی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے بڑی اچھی بات کہی ہے:

"اپنے اپنے مشائخ کے فضائل و درجات کا اس طرح بیان کرنا بھی جائز
ہے جس سے اہلِ نسبت کے دلوں میں اپنے مشائخ کے لیے محبت میں اضافہ
ہو اور تعلق میں مزید پختگی نصیب ہو۔"[۲]

خانوادۂ بیابانیہ کے تمام جلیل القدر بزرگوں کا مزاجِ قدسی ہمیشہ ہی سے نام و نمود، شہرت و شہود سے بے نیاز رہا، کسی بزرگ نے کہا ہے:

"کسی دل میں دو خوف یکجا نہیں رہ سکتے یا تو حق رہے گا یا باطل"
جس دل میں حق کا خوف رہے گا وہ تو جذبۂ اطاعت سے سرشار
ہی رہے گا" ——— تو پھر نام و نمود کس کیلئے۔

پھر دل کے سوائے آثارِ حق کا ادراک کسی اور سے کہاں ممکن ہے جسے ادراکِ حق حاصل ہو گیا اس نے معرکۂ حیات سر کر لیا۔ اس کتاب مجمع کمالات کی توضیح و تشریح کے وقت اکثر یہی خوف قلم و قرطاس پر بھی چھایا رہا، میرے قلب نے عظمتِ استدلال کے موقعوں پر ہزار مرتبہ استخارہ کیا تب کہیں دو سطریں قلم کو عطا کیں مجھے ہمیشہ اس خوف نے اغوا کئے رکھا کہ مجھ سا نااہل "عرفانِ افضل" کی حقیقی سبج دھج کے اظہار سے

---

[۱] ملفوظاتِ کشفی بیابانیؒ [۲] تفسیر منہاج القرآن ص ۲۰۱

کس طرح عہدہ برآ ہو سکے گا۔ یہ سارا مواد اور یہ ذخیرۂ الفاظ جسے میرے قلم نے انتہائی احتیاط سے انتخاب کیا ہے اسے میں سر تا سر صاحب گنبد وزیر غوثِ صمدانی سید افضل بادشاہ بیابانی قدس سرہٗ کا روحانی تصرف اور فیضانِ خصوصی سمجھتا ہوں کہ صفحہ بہ صفحہ میری تحریر کے ایک ایک لفظ کی نگرانی خود آپ ہی کی ذاتِ گرامی نے فرمائی اور خصائل و شمائل کے شایانِ شان الفاظ کے میرے انتخاب کے موقع پر میرے قلم کو لغزشوں سے بچائے رکھا۔

سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ، قطبِ وقت، امام الاولیاء اور فرماں روائے اقلیم ہند تھے، اگرچہ آپ کا دائرۂ فیضان و کرم، ملک و بیرونِ ملکِ ہند دور دور تک پھیلا ہوا تھا لیکن حیاتِ ظاہری کے لمحۂ آخر تک بھی آپ نے قاضی پیٹھ شریف سے باہر قدم نہ رکھا، یہیں مسکن گزیں رہے اور یہیں سے ہر کوہ و کاہ اور مملکتِ ہند کے گوشہ گوشہ پر نظر رکھی۔

انگریز، جو سارے ہندوستان میں تہذیبی، تمدنی، معاشی، اخلاقی و معاشرتی اور مذہبی بگاڑ کے ہر طرح ذمہ دار تھے، ہموطنانِ ہند کی تہذیب اور اسلام کے لیے اک بڑا خطرہ بن چکے تھے۔ سیاسی افلاس اور دینی شعور کی فلاکت زدگی کے اس عام اضطراب آمیز دور میں آپ ہی کی ذاتِ قدسی برصغیرِ ہند کے ہر خشک و تر اور ہر کس و ناکس پر سایہ فگن رہی۔ سیدی مرتضیٰ نادری نے لکھا ہے:

"ہندوستان میں مغلوں کے زوال کے بعد ملک میں سخت
انتشاری کیفیت پیدا ہوئی، تمدنی، معاشی ڈھانچے کو
شدید صدمہ پہنچا۔ غریب اور پچھڑے ہوئے طبقے کے لوگ
سب سے زیادہ مشکلات کا شکار تھے، آپ ان مشکلات کا
کا سامنا کرنے کے لیے سینہ سپر ہو گئے تھے۔"[۱]

---

[۱] مجلہ بیابانیہ اکتوبر ۱۹۸۸ء ص ۲۰

سطوت و شوکت رفاعیہ دیکھنا ہو یا عظمت و جلالتِ شانِ قادریہ دیکھنا ہو تو دربارِ بیابانی میں حاضری و حضوری کی ایک ساعت برسوں کی تگ و دو سے بے نیاز کر دے گی۔ سیدی آقائی و مولائی سیدنا بادشاہ بیابانی دونوں ہی عظمتوں کا مجمع تھے۔ علم و عمل کے کسی شعبے کو لیجیے اور سلفِ صالحین کے باوقار کارناموں سے ان کا مقابلہ کیجیے ہر جگہ آپ کا کمال حق تعالےٰ کے مقصدِ تخلیق کے شایانِ شان نظر آئے گا۔ ایسے میں اپنی خوش نصیبی کیوں نہ سمجھوں کہ حق تعالےٰ نے سرکار قاضی بیٹھ قدس سرہ کے مقاماتِ عالیہ و مراتبِ روحانیہ تمام و کمال مجھ پر کھول دیے اور میرے فہم و ادراک کو اظہار کا سلیقہ عطا فرما کر اس ذخیرۂ معانی کو الفاظ کی یاوری بخشی۔ میں حق تعالےٰ کے اس کرمِ بے پایاں کا ہزار دو ہزار سال سجدہ ریز رہ کر بھی شکر گزاری کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

حق تو یہ ہے کہ سرکار قاضی بیٹھ قدس سرہٗ کی ذاتِ قدسی کے سبب آپ کے تمام متوسلین کو وہ سندِ عفو و کرم ملی کہ اگر اس کا یقین و انکشاف آپ کے زمانۂ حیاتِ ظاہری میں سب پر ہو جاتا تو سارا اقلیمِ ھند آپ کی حلقہ بگوشی کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی سعی کرتا ارشاد ہوا:

"میرا ناپاک جسم جنت کے قابل نہیں ہے اگر حق تعالیٰ اپنی سرفرازی سے جنت میں بھجوائے گا تو میں پہلے اپنے مریدوں کو (جنت میں) بھجوا کر بعد میں جاؤں گا۔" ۱؎

الحمد للہ

اسی سے اس کتاب کا افتتاح ہوتا ہے ▲

۱؎ افضل الکرامات ص ۱۳۱

مقدمہ

مغلیہ خاندان کے نامور و عظیم فرزند محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کی جمعہ ۳ مارچ ۱۷۰۷ء کو رحلت کے ساتھ ہی ہندوستان کی عظیم و مہتم بالشان مغلیہ سلطنت کا سورج غروب ہونے لگا۔ ہمایوں سے اورنگ زیب عالمگیر تک سبھی مغل فرماں رواؤں نے برصغیر ہند کو ایک غیر متزلزل، مسضبوط اور ناقابلِ تسخیر وسیع و عریض مملکت بنانے میں اپنا خون پسینہ ایک کر کے متحدہ ہندوستان کی جو شکل دنیا کے نقشے پر بنائی وہ اُن کا ناقابلِ فراموش عظیم کارنامہ تھا۔ وہ جو یہاں فاتحانہ سپاہی بن کر آئے تھے، یہاں کی پیار بھری فضا، یہاں کے سرسبز و شاداب کھیت، صاف و شفاف بہتی ہوئی ندیاں، کوئل کی کوک پپیہے کی ہوک ان کے قلوب گرما گئی۔ یہ مغل سپاہی دلوں کا سرور اور آنکھوں کا نور بن کر مادرِ ہند کی تیلیوں میں رہے۔ یہ جو یہاں کے حکمراں بن گئے تو اِن کے دربار ہر فرد کے لیے کھلے تھے، ہر شخص اپنی فریاد لے کر کسی بھی وقت ان تک پہنچ سکتا تھا۔ یہ انصاف پسند فرماں روا جب ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو رہے تو ہر ایک کو گلے سے لگا لیا اور اپنی اولاد سے زیادہ چاہا۔ یہاں کی تہذیب و ثقافت کی نہ صرف سرپرستی کی بلکہ یہاں کے تہواروں، روایتی رسم و رواج اور رنگا رنگ میلوں میں شریک ہو کر رعایا کا دل موہ لیا۔ ان کے زمانے میں کشمیر سے کنیا کماری، بنگال و بہار سے کابل و قندھار تک پھیلی ہوئی رنگا رنگ تہذیب کو مرکزیت حاصل ہو گئی تھی، بلاشبہ ایک عظیم اور مکمل ہندوستان کا ایسا نقشہ ساری دنیا کے سامنے پیش کرنے کا سہرا اورنگ زیب کے سر بندھا ہے۔ جس جگمگاتی سرحدوں سے اس متقی و پرہیزگار بادشاہ نے ملک کا قریہ قریہ جوڑ کر اسے متحد کیا تھا، اسی بے دلی و بے جگری سے اس کے آرام طلب نکمے جانشینوں نے اس کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ ۱۷۱۹ء میں محمد شاہ رنگیلے کی تخت نشینی کے وقت تک سارا ملک تاراج اور بدامنی، انتشار و خلفشار

کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ مغل امرا کی آپسی رقابت، نسلی امتیاز سے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں سبقت ان کی خود غرضی، شتر گربگی اور موقع پرستی نے دربارِ دلی کو دو الگ الگ نسلی گٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ عوام کے دلوں سے حکومت کا اعتماد اور پڑوسی سلطنتوں سے مغل بادشاہوں کا جاہ و جلال، رعب و دبدبہ ختم ہو چکا تھا۔ مفاد پرستی اور نسلی برتری کا نشہ ہر ایک کے سر چڑھ کر بول رہا تھا بقول ڈاکٹر محمد عمر

"ایک گروہ دوسرے کے خون کا پیاسا تھا، اس عناد و نفاق کے مسموم اثرات سارے ملک کی سیاسی فضا کو متاثر کر رہے تھے۔" [1]

سلطانِ دلی کے بہی خواہوں میں، وزیر الممالک نواب میر قمر الدین علی خاں نظام الملک آصفجاہ اول، تنہا جاں نثار و وفادار تھے لیکن ان کے ہم رتبہ امرا کی فتنہ پردازیاں، ان کے خلاف طوفان بن کر اٹھ رہی تھیں۔ یہ مخالف امرا، وزیر الممالک کے خلاف سازشوں کا جال بچھاے بادشاہ پر اپنی گرفت مضبوط کرتے جا رہے تھے اور نکمے بادشاہ کی عیش و تفریح کے کسی موقع کو ضائع نہ ہونے دیتے تھے اور اسے اس خوش فہمی میں مبتلا رکھتے کہ وہ ایک ناقابلِ تسخیر مملکت کا فرماں روا ہے۔ ڈاکٹر محمد عمر کا بیان ہے،

"گجرات و مالوہ میں مرہٹوں کی یورش کی خبر دربارِ معلی تک پہنچتی تو محمد شاہ کو دار السلطنت کے نواحی باغوں اور سیرگاہوں میں سیر و تفریح کے لیے شکارگاہوں میں شکار کھیلنے کی غرض سے بھیج دیا جاتا کیوں کہ عیش پسند بادشاہ، بزدل امرا، مرہٹوں سے آمنے سامنے مقابلہ کرنے میں پہلو تہی کیا کرتے تھے اور آپسی جھگڑوں میں اپنے جنگی وسائل ضائع کرتے تھے۔" [2]

اُدھر، انگریز، دہلی سے دور سات سمندر پار گھات لگائے مثلِ گرگِ باراں دیدہ، دلی کو لقمۂ تر کی طرح ہڑپنے کا موقع ڈھونڈھ رہے تھے۔ اِدھر مرہٹے، روہیلے، جاٹ اور سکھ، سلطنتِ مغلیہ

---

[1] اٹھارویں صدی میں ہندوستانی معاشرت ص ۲۷ [2] ایضاً ص ۹۵

کی اینٹ سے اینٹ بجانے تیار کھڑے تھے بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی:

"دلی کی حیثیت بقول شاہ ولی اللہ "لعبِ صبیان" کی سی ہو گئی تھی۔ دکن سے جو طوفان اٹھا وہ لال قلعہ سے ٹکراتا تھا۔ پنجاب سے جو آندھی اٹھتی تھی اس کے زلزلے دلی میں محسوس ہوتے تھے، امرا کی شاطرانہ چالوں کی بساط قلعۂ معلے میں بچھی تھی۔" [1]

مورخوں نے لکھا ہے کہ دلی کے ناقابلِ بیان حالات سے دل برداشتہ ہو کر شاہ عبد الرحیم قدس سرہٗ نے نظام الملک آصفجاہ کو ایک درد بھرا خط لکھا اور ان سے خواہش کی کہ وہ ان مفسدانِ حکومت کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے تنہا میدانِ جنگ میں کود پڑیں۔ اگرچہ نظام الملک نے ان آستین کے سانپوں کو زیر تو کر لیا لیکن فوج پر انھیں کلیتاً قابو حاصل نہ ہو سکا کیوں کہ فوج کا بڑا حصہ ایرانی النسل امرا کے زیرِ اثر بے بس و مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ ان حالات میں ایک اکیلا جس کی عمر

"۶۹ سال سے زیادہ ہو چکی تھی، اب اس کے قویٰ میں اتنی طاقت باقی نہیں تھی کہ وہ اپنے مخالفین کو بزورِ شمشیر دبا سکتا اور اس بے بسی، دل برداشتگی، مایوسی اور پریشانی کے عالم میں اپنے دشمنوں سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے اس نے نادر شاہ کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔" [2]

اور بہت غور و خوض اور پوری سوچ بچار کے بعد اسی ذہنی فیصلے کی تعمیل میں کمربستہ ہو گیا۔ اس کے سامنے بجز اس سخت فیصلے کے کوئی دوسرا راستہ بھی نہ تھا۔ جب وہ اس صحیح راستے پر گامزن ہو چکے تو سرحد پر اس کا استقبال کرنے آصفجاہ خود گئے اور نادر شاہ کو پورے اعزاز و اکرام تزک و احتشام سے اسے ساتھ لیے دلی آئے۔ امرائے دربارِ دہلی، غیر متوقع نادر شاہ کے اس طرح اچانک دلی آجانے سے

---

[1] اوراقِ مصور ص ۱۰۸ [2] ڈاکٹر محمد عمر اٹھارھویں صدی میں ہندوستانی معاشرت ص ۲۹

بوکھلا گئے وہ فوری طور پر یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ نادر شاہ کس مقصد سے دلی آیا ہے، لیکن جب بعد میں انھیں معلوم ہوگیا کہ شاہ عبدالرحیمؒ نے نظام الملک آصفجاہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ نادر شاہ کو مع فوج دلی بلوالیا اب وہ جبکہ اپنی فوج سمیت دلی پہنچ ہی چکا تھا تو ان امرا کے دلوں میں کھچڑی پکنے لگی، وہ نظام الملک کو نیچا دکھانے اور انھیں سیاسی بساط پر مات دینے کیلئے دلی کے کوچہ و بازار میں خون کی ہولی کھیلنے کا منصوبہ بنایا اور ایک رات موقع پاکر نادر شاہ کے سپاہیوں کے قتل کی افواہ مشہور کردی۔ اپنے سپاہیوں کے قتل کی خبر جیسے ہی نادر شاہ نے سنی چراغ پا ہوگیا اور ۱۱ مارچ ۱۷۳۹ء کی صبح ننگی تلوار لیے سنہری مسجد کی سیڑھیوں پر جا بیٹھا اور قتلِ عام کا حکم اپنے سپہ سالار کو دے دیا۔ ایرانی سپاہی تین روز تک دلی کو خوب لوٹتے اور اس کے در و دیوار، کوچہ و بازار کو بے گناہ عوام کے خون سے رنگتے رہے۔ جب دلی اچھی طرح برباد اور اس کے گلی کوچے سنسان ہوگئے تو نادر شاہ مالِ غنیمت لے کر ایران لوٹ گیا۔ اس دلخراش واقعہ سے مغلیہ سلطنت کا رہا سہا وقار بھی جاتا رہا، کل تک جو سر جھکائے رہتا تھا آج وہ سر اٹھانے لگا تھا۔ سکھ، روہیلے، جاٹ اور مرہٹے اس موقع کو غنیمت اور حالات کو اپنے موافق پاکر بھوکے گدھ کی طرح دلی پر جھپٹ پڑے ڈاکٹر محمد عمر نے لکھا ہے:

"ملک کے باغی، سیاسی طاقتوں کو ابھرنے کا سنہری موقع ملا۔
جاٹ، سکھ وغیرہ کی نظریں دلی پر جمی ہوئی تھیں، مرہٹوں نے
بنگال و بہار میں لوٹ مار غارت گری شروع کردی، پنجاب میں
سکھوں نے حالات کو بد سے بدتر کردیا تھا۔" [1]

یہ، تاریخِ ہند کا عجیب اور کبھی نہ بھلایا جانے والا دلخراش باب ہے۔ دلی کی قسمت ہی ایسی تھی کہ یہ جو ایک دفعہ بستی تو سینکڑوں بار اجڑ جاتی، مسلمان بادشاہوں کے یہاں فاتحانہ داخلے سے قبل جو کچھ اس بدنصیب پر گزری تھی، جس قدر خون آشام شب و روز اس نے دیکھے تھے وہ

---

[1] اٹھارھویں صدی میں ہندوستانی معاشرت ص ۲۹

کسی اور کے دکھائے نہیں تھے خود اس کے عاقبت نااندیش فرزندوں کی نااہلی کا نتیجہ تھے نظام الملک نے نادر شاہ کو دلی اس لیے نہیں بلوایا تھا کہ غریب عوام کا خون بہائے اُن کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ان امرا کی بداعمالیوں کے سبب جو کچھ دربارِ دلی پر گزر رہی ہے اور سلطنتِ مغلیہ پر باغیوں کے حملوں کے سبب غریب عوام کا جینا دوبھر ہوگیا تھا اک قوی حکمراں کے زیرِ سایہ انھیں چین کی سانس ملے لیکن پانسہ الٹا پڑ گیا نظام الملک بےبسی سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے لیکن وہ مجبور تھے کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ جب صورتحال حد درجے بگڑ گئی تو مجبوراً اورنگ آباد کی طرف لوٹ گئے اور حالتِ اضطراری میں اسے اپنا پایۂ تخت بنا کر دکن میں اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا پروفیسر محمود علی کا بیان ہے:

"نواب نظام الملک نے اول تو سلطنتِ مغلیہ کی بقا، اس کی اصلاح،
اور استحکام کے لیے ممکنہ کوشش کی لیکن جب اس میں کامیابی کی کوئی
صورت نظر نہ آئی تو انھوں نے حریفوں کو شکست دے کر سلطنتِ
آصفیہ کی بنا ڈالی۔" [1]

نظام الملک آصفجاہ کا اتباع کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے ملک کی دوسری ریاستوں کے صوبہ داروں نے بھی سلطنتِ مغلیہ سے انحراف کر کے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔ اورنگزیب عالمگیرؒ کی عظیم تر سلطنت کو اس طرح پارہ پارہ کرنے کا اس کے دشمنوں کا خواب بالآخر اپنی تعبیر پا ہی گیا۔ ملک میں نئی نئی ریاستیں وجود میں آنے لگیں اگرچہ ان نئی ریاستوں کے فرماں رواؤں میں مغل بادشاہوں جیسی شجاعت اور رعایا پروری کے جوہر تو موجود نہ تھے لیکن ان کی یہ ریاستیں مغلیہ تہذیب کی نمائندہ اور ان کی ثقافتی روایات و اقدار کی پوری طرح پاسدار تھیں۔ یہاں بھی جذبۂ خیر سگالی، رواداری، اتحاد و اتفاق کے وہی مناظر نظر آتے تھے جو مغلیہ سلطنت کی خصوصیت سمجھے جاتے تھے۔ البتہ فرق تھا تو اتنا کہ اب اس تہذیبی جوش و خروش، وقار و عظمت کے مناظر کسی دربارِ تختِ شاہی

---

[1] ماہنامہ سب رس مرقع دکن نمبر جنوری ۱۹۳۹ء ص ۸۱

حضرت خواجہ عبدالوحید المعروف ابولبیان سبحانی شاہ بیابانی رفاعی القادری۔

کی بجائے صوفیائے کرام کے آستانوں کی زیب و زینت تھے اور

"فکری اعتبار سے اس تہذیب کی اساس احترامِ انسانیت اور مذہبی رواداری پر تھی، صوفیا نے اِن تصورات کے پھیلانے میں بڑی جد و جہد کی۔ شیخ نظام الدین اولیا کی خانقاہ میں ایک مسلمان ایک ہندو کے ساتھ آتا ہے اور یہ کہہ کر تعارف کراتا ہے "ایں برادرِ من است (یہ میرا بھائی ہے)"۔ [1]

دکن میں آصفجاہی مملکت تو بعینہٖ سلطنتِ مغلیہ کی آئینہ دار تھی بلکہ اگر اسے سلطنتِ مغلیہ کا کوتاہ قد نقش (Miniature) کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ یہاں وہی رکھ رکھاؤ، وہی وضعداری، وہی کھان پان، وہی ریت و روایات بلکہ ہر شعبہ زندگی میں قلعہ معلّٰی کی سج دھج صاف نظر آتی تھی۔ سلاطینِ آصفیہ تا دمِ آخر اس بابرکت تہذیب کے تنہا علم بردار رہے۔ ہرمز کاؤس جی نے لکھا ہے:

"آصفجاہی فرماں روا اہلِ سنت والجماعت مسلمان تھے لیکن ان کی رعایا میں غیر مسلم بہت زیادہ تھے اور مسلمان بہت کم تعداد میں تھے چونکہ آصفجاہی فرماں روا دکن میں مغلوں کے جانشین تھے انھوں نے مغلوں کی رواداری کو اپنا فریضہ سمجھا اور حکومت اسی نہج پر کی کہ انقلاباتِ زمانہ کے سیلاب آنے تک اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ کون کس مذہب اور کس قوم اور فرقے کا ہے"۔ [2]

یہ حقیقت ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سارے ہندوستان میں مملکتِ آصفیہ کا

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی، اوراقِ مصور صفحہ ۶۸ ۔ [2] شہر حیدرآباد صفحہ ۱۱۸

اس کے قیام کے روزِ اول سے غدر ۱۸۵۷ء تک نہ کوئی ان کا ہمسر و ہم پایہ تھا اور نہ ہی قوت و کس بل میں ان کا حریف و مدِ مقابل، وہ آپ اپنی مثال تھے۔ ان کا دربار ہمیشہ عالموں، ماہرِ فن باکمال شخصیتوں سے بھرا پڑا رہتا آصفجاہ اول کے زمانے ہی سے ایران، توران، عرب و عجم کے مشاہیر و ممتاز علماء، صوفیا اور فقہائے کرام کی اک بڑی تعداد یہاں آکر قیام پذیر رہی، سید مراد علی طالع نے لکھا ہے:

"حضرت غفراں مکاں کی قدر دانی کا شہرہ سن کر عرب، ماورالنہر خراساں و عراق، ہندوستان و سندھ کے سادات، علماء و مشائخین کے گروہ دکن میں جمع ہو گئے اور حسبِ حوصلہ و لیاقت دربارِ آصفی سے سرفراز ہوئے"۔ [1]

۱۷۴۷ء میں آصفجاہ اول کے انتقال کے بعد ان کے جانشین اسی خصوصی شان سے رونق افروزِ تختِ شاہی رہے اور اسی عزت و تکریم سے سادات و مشائخینِ کرام کی خدمت کی اور ان کے دینی و اصلاحی کاموں کی دل کھول کر سرپرستی کی۔ آصفجاہ اول کے یہ جانشین فی الحقیقت صوفی منش، علم دوست اور رعایا پرور فرماں روا تھے۔ آصفجاہ اول کے انتقال اور سیاسی مصلحت کے تحت اورنگ آباد سے اپنا پایہ تخت ان باوقار جانشینوں نے حیدرآباد منتقل کیا اور اپنے مورثِ اعلیٰ کی شرافت و سخاوت کو قائم رکھا۔ ان کے جود و سخا علمی قدردانی کا شہرہ سن کر دور دور ممالک سے ہزاروں بندگانِ خدا کھنچ کھنچ کر یہیں چلے آئے جس سے جو ہو سکتا تھا اس نے وہ کر دکھایا۔ ہر ایک کو اس کے حوصلے و لیاقت کے مطابق سرپرستی حاصل ہونے لگی۔ علماء و فضلا نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا تو مشائخین و فقہا نے دین کے فہم کو عام کیا۔ یوں گھر گھر تعلیم و تلقین کے چرچے عام ہوئے ان سلاطین سے جس قدر ہو سکا انھوں نے کیا اور جو ان سے نہ ہو سکا اسے ان خرقہ پوش اصحابِ کرام نے کر دکھایا۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان نے لکھا ہے:

[1] نظام الملک آصفجاہ اول صفحہ ۲۷

"آصفجاہی حکمران علماء کی سرپرستی فرماتے تھے۔ بالعموم مسجد اور خانقاہوں میں چھوٹی چھوٹی درس گاہیں ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھیں جن کے لیے بڑے بڑے وقف تھے تاکہ ان کے اخراجات کی پابجائی ہو سکے۔ بعض علماء ذاتی طور پر علم کی نشر و اشاعت کے لیے مدرسے قائم کر رکھے تھے۔ چنانچہ اورنگ آباد میں مولوی میر قمر الدین کا مدرسہ اور شیخ الاسلام کا مدرسہ مشہور تھے، جہاں علم کے جویا اپنی پیاس بجھاتے۔ اسی طرح حیدرآباد میں مولوی قطبِ عالم کا مدرسہ اور مولوی نور اعلیٰ کا مدرسہ شہرت رکھتے تھے۔"[1]

بیجاپور سے سیدی سید شاہ میران بخاری قدس سرہٗ اپنے چند مریدوں کے ساتھ یہاں تشریف لائے اور حیات بخشی بیگم کی تعمیر کردہ مسجدِ قطب شاہی یوسف چوک شاہ گنج میں قیام فرمایا۔ اسی مسجد کے صحن سے قرب و جوار میں رہنے والے ہر عمر کے افراد کی تربیتِ دینی کے کام کا آغاز فرمایا۔ اسی طرح ساری عمر اشاعتِ دین و علومِ اسلامی کی تعلیم میں بسر فرمائی، بجز اس خیر العمل کے مدت العمر کوئی دوسرا شغل نہ رکھا۔ ہزاروں ہزار طلبہ آپ کا دامنِ فیض تھامے مسجد ہی میں اقامت گزیں رہتے۔ آپ کا یہ علمی فیضان ہر طرح سے اسی صحنِ مسجد میں تا دمِ آخر جاری رہا۔ آپ کے زہد و اتقا، استقلالِ فکر و نظر، فضل و کمال و فہم دین کا شہرہ دور دور تک پہنچا تو آصفجاہ نے نہایت عزت و تکریم سے بلا کر منصبِ قضاۃ پیشکش کیا۔ یوں تعلقاتِ سلطنت کے سبب مزید عز و شرف اور شہرتِ عظیمہ جو حاصل ہوئی تو دور دراز کے طلبا اور مختلف ملکوں کے علماء بھی آپ سے مسائلِ فقہ میں سند و فتویٰ لینے لگے۔ اُدھر قضاۃ کے کاموں کی نگرانی اور ادھر درس و تدریس کی مشغولیت عدیم الفرصتی کا سبب بن گئی۔ اکثر جب آپ مسجد سے نکلتے یا گھر سے دفترِ قضاۃ تشریف لے جاتے تو طلبا پالکی سے لگے چلتے اور آپ کا فیضانِ علمی جاری رہتا۔

ـــــــــــــــــــ

[1] تاریخِ دکن حالیہ مطبوعہ ۱۹۵۴ء صـ ۲۵۷

حضرت قطب الاقطاب سیدی سید شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"آپ پالکی پر سوار ہو جاتے تو طلبا اور مریدین اس پالکی کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلتے۔ عالمِ وقت اور فاضل متبحر تھے۔ جب حیدرآباد آئے تو افتاء بلدہ کی خدمت آپ کے تفویض کی گئی۔"[1]

عالمِ پیری کے آنے تک بھی آپ کے حافظۂ مستقیم کا جواب نہ تھا۔ کوئی کتاب ہو، اگر ایک مرتبہ جو اسے دیکھ لیتے تو صفحات و سطروں تک کا حوالہ دیکر اس کی اہمیت ظاہر فرماتے۔ تذکرہ نگاروں نے آپ کی حیاتِ قدسی کا یہ نادر الوقوع واقعہ بیان کیا ہے کہ آپ جب بیجاپور سے حیدرآباد تشریف لائے تو شعبان المعظم کی چند راتیں رہ گئی تھیں، رمضان المبارک کی آمد کا غلغلہ ہر طرف سے بلند ہونے لگا تھا۔ آپ نے جو آمدِ رمضان کا مژدہ سنا آپ کی عالمانہ طبیعت بے چین ہو گئی۔ آپ حافظِ قرآن نہ تھے اس بابرکت مہینے کی سعید ساعتوں میں سماعتِ قرآن کی سعادت سے نماز گزاروں کو مستفید کرنے کا خیال دماغ پر چھایا رہا۔ ہر طرف حافظِ قرآن کی تلاش میں واقف کار آدمی دوڑائے، کامیابی نہ ہوئی تو مضطرباً اٹھے نمازِ عشاء ادا فرما کر دعائے شرحِ صدر فرمائی، صبح جلد بیدار ہوئے تہجد پڑھا، فجر کی نماز کا سلام پھیر کر قرآن مجید کو آنکھوں سے لگایا، مغرب سے قبل پورہ ایک پارہ حفظ فرما کر اٹھے۔ رمضان المبارک کے چاند پر نظر پڑتے ہی حق تعالیٰ کا شکر ادا فرما کر پورے اطمینان و حضوریِ قلب سے مصلے پر کھڑے ہوئے اور تراویح میں پارۂ اول کی تلاوت کر کے سماعتِ قرآن کی تڑپ رکھنے والی سعید روحوں کو اس نعمت و سعادت سے مشرف کر کے اپنا گرویدہ بنائے رکھا۔ سیدی آقائی سید شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"اس ماہ میں آپ ہر روز ایک پارہ حفظ فرماتے اور اسی شب مسجدِ مذکورہ میں تراویح میں وہ پارہ سنا دیتے، الغرض آپ ایک مہینے

ـــــــــــــــــــ

[1] مشکوٰۃ النبوہ۔ مترجمہ سید وحید قادری جلد ۶۔ صـ ۲۴۷

میں سارا کلام اللہ حفظ فرمالیا اور ساتھ ہی ساتھ تراویح بھی ختم فرمائی۔"[۱]

آپ کے وصال کے بعد آپ کے لائق و قابلِ فخر صاحبزادے حضرت سیدی قطبِ عالم بخاریؒ آپ کی جگہ آپ کے جانشین ہوئے۔ اگرچہ آپ اپنے والدِ محترم کے زمانۂ حیات ہی میں عالمگیر بادشاہ کے فرمان سے بحیثیت مفتیٔ شہر حیدرآباد افتاء کا کام انجام دے چکے تھے، اپنے والدِ محترم سے تمام علومِ عقلیہ و نقلیہ بکمالِ تحقیق اخذ فرماکر اک عالم کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ اب جو مسندِ درس و قضاۃ پر جلوہ افروز ہوئے تو پورے حزم و احتیاط سے بموجبِ احکامِ کتاب و سنت حقوق العباد کے انصاف طلب فیصلے بحسن و خوبی انجام دیئے۔ حضرت سیدی آقائی سید شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"حضرت قطبِ عالم بخاری، سیدی میراں بخاری کے صاحبزادے تھے
آپ شہرِ حیدرآباد میں یوسف چوک میں سکونت پذیر تھے۔ علمائے
وقت میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ علمِ بلاغت و فصاحت میں آپ
بے نظیر تھے۔ افتاء حیدرآباد کی خدمت پر فائز تھے۔ نواب آصفجاہ
آپ کی توقیر کرتے تھے کیوں کہ آپ عالمگیر بادشاہ کے عہدِ سلطنت
میں بھی شہر حیدرآباد کے مفتی رہ چکے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ آپ اپنے والدِ
بزرگوار کی وفات کے بعد ان کی مسندِ مشیخت پر متمکن ہوئے۔"[۲]

میر منور علی صاحب لکھتے ہیں:

"سید قطبِ عالم بخاری عالم متبحر اور ساداتِ بخارا سے تھے، آپ
کے والد سید میراں بخاری ساکن بیجاپور اور مشائخِ اعظم تھے۔ آپ
مفتی بلدہ حیدرآباد تھے۔"[۳]

جس زمانے میں آصفجاہ نے وقار و عظمت کی اس مسند پر آپ کو بٹھایا تھا اسی زمانے میں اور انہی ایام میں

---

[۱] مشکوٰۃ النبوۃ مترجمہ جلد ۶ ص ۲۴۸ [۲] ایضاً جلد ہفتم ص ۱۴۴ [۳] ضیائے بیابانی ص ۷۶

حضرت سیدی و مولائی سید شاہ امین بیابانی قدس سرہٗ اورنگ آباد میں اپنے والدِ محترم کی جگہ مسند نشین ہو کر نورِ ہدایت پھیلا رہے تھے۔ علم و فضل کا شرف جو آپ کو حاصل تھا کسی اور کے حصے میں نہ آیا تھا۔ دکن میں سیدی آقائی سید شاہ اشرف بیابانی قدس سرہٗ کی تشریف آوری کے بعد سلسلۂ عالیہ رفاعیہ کی عظمت لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئی تھی اور اس کی خصوصی شان کا اظہار ہر طرف سے ہونے لگا تھا۔

سیدی سید شاہ امین بیابانی قدس سرہٗ نے علاوہ ذکر و اذکار، مشاغلِ قدسیہ روحانیہ کے تصنیف و تالیف سے بھی علاقہ رکھا تھا، علم التفسیر، حدیث و فقہ میں عالمانہ شان سے فائز المرام تھے علماء و طلباء کی اک بڑی تعداد آپ سے استفادہ کرنے ہمیشہ موجود رہتی۔ اکثر آپ عشاء کے بعد درس دیا کرتے اور تہجد کے وقت تک پہلو نہ بدلتے اسی طرح بلا فصل سلسلۂ تعلیم جاری رہتا تھا۔ والدِ محترم سلطان الواصلین سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ خرقۂ خلافت پہنایا تھا، تصوف میں حضرت شیخ احمد شطاری قدس سرہٗ سے سندلی تھی اور بیعت فرماکر علومِ معرفت کی سیادت کا سہرا سر سے لگایا تھا۔ مولوی عبدالجبار خاں ملکاپوری نے لکھا ہے:

"اپنے والدِ محترم سے فیض کمال حاصل کرنے کے علاوہ حضرت
شیخن احمد شطاری قدس سرہٗ سے بھی اکتسابِ فیض فرمایا، مرید بھی
ہوئے اور خلافت بھی پائی۔"[۱]

میر منور علی صاحب کا بیان ہے:

"آپ زیادہ تر اورنگ آباد میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ یہاں
علماء و فضلا کی صحبت میں علمِ حقائق پر اکثر گفتگو رہتی۔ آپ کا
طرزِ بیان (عمدہ) اور تفہیم نہایت موثر ہوا کرتی تھی۔ خاص خاص حضرات
بعد مغرب آکر نصوص، مثنوی شریف اور دیوانِ حافظ وغیرہ کا درس لیا کرتے۔"[۲]

---

[۱] تذکرہ اولیائے دکن ص لعہ [۲] ضیائے بیابانی ص ۶۷

حضرت سید شاہ امین بیابانی قدس سرہٗ نے اورنگ آباد میں درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا پیارا شغل بھی جاری رکھا تھا۔ مریدین و متوسلین کی تربیت علمی کے لیے چند مفید مطلب کتابیں بھی تصنیف فرمائی تھیں۔ صاحبِ تذکرہ اولیاے دکن نے چند کتابوں کے نام تحریر فرمائے ہیں انہیں شرح مرآۃ العارفین، معدن الجواہر، تحفۃ الصالحین، شرح فقہ اکبر، شرح نام حق اور رسالۂ وجودیہ قابل ذکر ہیں۔ آپ کی یہ تصانیف، آپ کی عالمانہ بصیرت کی آئنہ دار ہیں۔ ان قابل قدر تصانیف کے موضوعات ذاتِ حق تعالیٰ و معرفتِ الٰہی ہیں کہیں ان میں صفاتِ باری عز اسمہٗ پر سیر حاصل مواد فراہم کیا ہے تو کہیں توحید و رسالت کی باریکیوں کا لطف دکھایا ہے۔ اورنگ آباد

ناندیڑ اور انبڑ کے مضافات میں آپ کے مریدوں کی بڑی تعداد موجود تھی، علاوہ ان مریدانِ باصفا کے تشنگانِ علم و عرفان، طالبانِ حق و ہدایت اور مستفیضین کی اک جماعت آپکے چشمۂ علم و فضل سے اپنی پیاس بجھانے تیار رہتی۔ وصال سے عرصہ دراز قبل اپنے تینوں فرزندگان حضرت سیدی سید شاہ افضل بیابانی (راجمندری) حضرت سیدی سید شاہ مفضل بیابانی (انبڑ) حضرت سیدی سید شاہ فاضل بیابانی قدس اسرارہم کو خلافت عطا فرماکر علومِ ظاہری و باطنی سے پوری طرح آراستہ فرمایا اور اپنے دستِ قدسی سے خرقۂ سیادت پہنایا۔ اپنے بڑے صاحبزادے حضرت سیدی افضل بیابانی کو اپنا جانشین بناکر اپنی حیات ہی میں اپنی جگہ مسندِ افادہ پر بٹھایا۔ میر منور علی صاحب نے حضرت سیدی سید شاہ افضل بیابانی قدس سرہٗ کا یہ ارشاد اپنی تصنیف میں یوں نقل کیا ہے:

"ہم تینوں بھائیوں نے اپنے والدِ بزرگوار کے ہاتھوں خرقۂ خلافت پہنا"۔[۱]

حضرت سیدی سید شاہ افضل بیابانی قدس سرہٗ، تصنیف و تالیف کے علاوہ شاعری کا مذاق سلیم بھی رکھتے تھے اکثر تصوف کے تھکا دینے والے مضامین کو دلچسپ بنانے کیلئے خود اپنے ہی کلام سے مناسبتِ مضمون شعر لکھ کر موضوع کی افادیت بڑھا دیتے۔ آپ کی علمی عظمت جب نواب راجمندری کے

۱؎ ضیائے بیابانی ص۵۰

دل میں گھر کر گئی تو ان کا آپ سے عقیدت و گرویدگی بڑھ گئی کہ دوری گوارہ نہوئی، جب اشتیاق آفریں طلب حد سے تجاوز کر گئی تو حاضرِ خدمت ہوکر نیاز مندانہ اصرار سے آپ کو راجمندری چلنے اور وہیں اقامت گزیں ہو جانے پر رضامند کر لیا۔ میر بشیر الدین علیشاہؒ نے لکھا ہے:

"چونکہ نواب راجمندری، حضرت سید شاہ افضل بیابانی قدس سرہٗ کے عقیدتمند اور گرویدہ تھے، بڑی منت سماجت سے آپ کو اپنے ہمراہ راجمندری لے گئے"۔[۱]

جس دن سیدی سید شاہ افضل بیابانی قدس سرہٗ نے راجمندری کے لیے رختِ سفر باندھا، سیدی سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ نے علم و عرفان کا شوق دل میں پیدا ہوتے دیکھ کر اور اخیِ مکرم سے حصولِ علم میں مزید رہنمائی سے محروم رہنے کا خیال آتے ہی، سفرِ حیدرآباد کی اجازت چاہی آپ نے اپنے سفرِ حیدرآباد کا ذکر یوں فرمایا:

"والدِ ماجد کے انتقال کے سبب اخیِ معظم و مکرم نے راجمندری کا ارادہ کیا اور میں بھی برادرِ محترم کے ساتھ حیدرآباد گیا اور برادرِ معظم کو رخصت کرنے کے بعد حیدرآباد میں مقیم اور تعلیم میں سرگرم مشغول رہا"۔[۲]

حیدرآباد پہنچ کر آپ نے مدرسۂ قطب عالم کو پسند فرمایا اور اپنی علمی سرگرمیوں کا آغاز کیا اگرچہ مولوی نور العلی ارؒ کا مدرسہ بھی اس خطہ کی یادگار تھا لیکن حصولِ معرفت کیلئے قطب عالم بخاری قدس سرہٗ سے بہتر کوئی اور نہ تھا۔ میر منور علی شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"اس زمانے میں حضرت قطب عالم بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت و قابلیت اور درس و تدریس کی شہرت تھی آپ نے بھی قطب عالم صاحب

۱؎ شجرۂ خاندانِ بیابانی ص۱۳ ۲؎ گنج گنج ترجمہ سید احمد اللہ حسینی صاحب ص ۱۳۶

بخاری کے قربِ جوار میں رہ کر اپنی تعلیم جاری کر دی "۔[1]

حضرت سیدی سید شاہ افضل بیابانی قدس سرہٗ نے اپنے برادرِ خورد سیدی سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ کو حیدرآباد میں چھوڑتے وقت پیش آئندہ سعادت کا مژدہ سنا کر حضرت قطبِ عالم بخاری قدس سرہٗ کی مسجد میں قیام فرمانے کی تائید کی تھی لہٰذا

"آپ جب اندرِ بلدہ سے تشریف لائے تو بلدہ میں حضرت قطبِ عالم بخاری قدس سرہٗ کی مسجد میں قیام گزیں ہوئے "۔[2]

سیدی قطبِ عالم بخاری قدس سرہٗ کمالاتِ صوری و معنوی، ضمیرِ روشن کے ساتھ دل کے غنی بھی تھے قاضیِ بلدہ ہونے کے سبب ہر کوئی آپ کا احترام کرتا تھا۔ یکتائے عصر، خلیق و شفیق بزرگ تھے۔ بلدہ و اطرافِ بلدہ مشائخ زادوں کے علاوہ علمائے عصر کی ایک بڑی تعداد آپ سے مستفیض ہوتی رہتی۔ اضلاع و مضافات سے آئے طالب علموں کی کفالت فرماتے اور ان کی ضرورتوں کے خود متکفل ہوتے۔

سیدی سید شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ کا بیان ہے:

"آپ کے تین سو شاگرد تھے۔ آپ اخلاق و مروت و تواضع میں بے نظیر تھے اکثر مشائخ زادوں کو بھی درسِ علم بکمالِ محبت دیا کرتے۔ ایک عالم آپ کی ذاتِ اقدس سے فیضیاب ہوا"۔[3]

آصفجاہ آپ کے تبحرِ علمی کے نہ صرف قائل بلکہ مدح خواں تھے، اکابرِ وقت آپ کا دامنِ فیضان تھامے چلتے۔ علوم القرآن، و حدیث میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ہر غوطہ زنِ قلزمِ علم اور نوآموز زندگی کے عمر بھر اپنی بساط و ہمت کے مطابق اس دریائے ناپیدا کنار کی شناوری کی اور اپنی قسمت کے موتی نکالے۔

سیدی سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"بہت سارے علمانے آپ سے تحصیلِ علم کی ابتدا کی۔ آپ علمِ حقائق

---

۱ افضل الکرامات ص ۲۰ ۲ مشکوٰۃ النبوۃ جلد ۷ مترجمہ ص ۱۴۴ ۳ پنج گنج مترجمہ ص ۱۵۶

اور تصوف کے عالم تھے۔ اکثر مشائخ زادگانِ بلدہ حیدرآباد نے آپ سے فصوص، لمعات اور مکتوباتِ یحییٰ منیری قدس سرہٗ کی سند حاصل کی "۔[1]

سیدی سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ نے بکمال دل سوزی و با ذوق و شوق فقہ و سیرت، فصوص و لمعات میں تحصیلِ علم کی اور تھوڑے ہی دنوں میں اپنی خداداد ذہانت و ذکاوتِ علمی سے حضرت قدس سرہٗ کا دل موہ لیا۔ درجۂ نصاب کی تکمیل کے بعد حضرت قطبِ عالم بخاری قدس سرہٗ کی دوررس نگاہ آپ کی علمی عظمت اور آپ کے عالی حسب و نسب پر جو پڑی، اپنی یگانۂ روزگار اور سعادتمند پوتی سیدہ امۃ الخیر فاطمہ بنتِ حافظ میراں بخاری قدس سرہٗ کو آپ سے منسوب کرنے کا خیال دامن گیر ہوا۔ سیدی درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں:

"آپ کا رشد و صلاح و اتقا ہمیشہ قطبِ عالم موصوف کے پیشِ نظر رہتا تھا موصوف، صدر مفتی بلدہ اور متولیِ مسجد تھے، بلحاظِ شرافتِ خاندانی و لیاقتِ علمی موصوف کا ارادہ حضرت سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ سے اپنی نبیری مسماۃ شہزادی بی صاحبہ کو منسوب کرنے کا ہوا"۔[2]

میر شبیر اللہ علیشاہ صاحبؒ کا بیان ہے:

"آپ کے عادات، اخلاقی حالات، خاندانی کیفیات سے حضرت قطبِ عالم بخاریؒ خوب واقف ہو چکے تھے اس لیے آپ نے اپنی نبیری شہزادی بی صاحبہ کے عقد کا پیام دیا"۔[3]

خود آپ نے اپنا یہ واقعہ اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

"اسی زمانے میں حضرت قطبِ عالم بخاری مفتی بلدہ حیدرآباد کی پوتی شہزادی بی بی کی نسبت مجھ سے ہوئی، اخی محترم سے اجازت کے بعد رسمِ مناکحت ادا ہوئی "۔[4]

---

۱ پنج گنج مترجمہ سید احمد الحسینی صاحبؒ ص ۱۵۶ ۲ افضل الکرامات ص ۲۰ ۳ شجرۂ خاندانِ بیابانی ص ۱۳
۴ پنج گنج " " ص ۱۳۶

حضرت سیدہ امۃ الخیر فاطمہ عرف شہزادی بی بی صاحبہ، حضرت قطب عالم بخاری قدس سرہٗ کی اکلوتی و واحد وارثہ تھیں اس لیے حضرت قدس سرہٗ نے اس خصوصی شرف، قرابت و عزیزداری کے بعد نہایت تکریم و شفقت و محبت سے پوتر داماد کو گھر لا کر کلماتِ خیر مقدم ادا فرمائے۔ سیدی درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں:

"حضرت قطب عالم بخاریؒ نے داماد کو اپنے گھر میں رکھ لیا اس لیے
کہ سوائے ان صاحبزادی صاحبہ کے جن کی آپ سے شادی کر دی
تھی آپ کا کوئی وارث نہ تھا۔" ۱؎

سیدی سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ ہمیشہ متوکلانہ زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ آپ کی شرافتِ قدسی نے سسرال میں اس طرح کی گزر بسر کو گوارہ نہ فرمایا۔ ایک دن موقع پا کر خاندانِ قطب عالم کی شہزادی کے ذریعہ اپنے دلی اضطراب کو خسرِ محترم کی جناب میں پیش فرمایا، لطفِ الٰہی سے اظہارِ مدعا کے دوسرے ہی دن، آصفجاہ نے حضرتِ قطب عالم قدس سرہٗ سے صوبۂ ورنگل کی قضاۃ کے عہدہ پر کسی صاحبِ شرف دینی شخصیت کے انتخاب کی خواہش کی۔ حضرت قطب عالم بخاری قدس سرہٗ نے اس موقع کو غنیمت جان کر اپنے ان پوتر داماد حضرت سیدی سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ کا نام گرامی پیش فرمایا۔ آصفجاہ حضرت فاضل بیابانی قدس سرہٗ کی علمی عظمت سے خوب واقف تھے فوری منصبِ قضاۃ ورنگل پر مامور فرمایا۔ قطب عالم بخاری قدس سرہٗ جو اس بابِ حکومت کے قاضی القضاۃ تھے، فرمانِ شاہی مہر و منظوری کے بعد چار مواضعات کی جاگیرداری مع سندِ جاگیر، شرطِ خدمتِ قضات تحریر فرما کر اجراء فرمائے۔ مولوی بشیر الدین علیشاہؒ کا بیان ہے:

"کچھ عرصہ بعد حضرت قطب عالم بخاری صاحبؒ نے اپنے پوتر داماد پر
قضات ورنگل مع تہ مواضعات جاگیر منتقل کر دی آپ مع اہل و عیال

۱؎ افضل الکرامات ص ۲۱

جاگیر منتقل ہو گئے۔" ۱؎

سیدی درویش محی الدین قادری کا بیان ہے:

"خدمتِ قضاۃ ورنگل مع تین مواضعات جاگیر مشروط الخدمت
ان داماد کے نام منتقل کر دی۔" ۲؎

آپ نے اپنا یہ واقعہ اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

"چند دن بعد مفتی بلدہ، قضاۃ ورنگل مع چار قصبات جاگیر مشروط الخدمت
اجرا کر کے مجھے ورنگل روانہ کیا۔" ۳؎

سیدی سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ، اعزاز و منصبِ قضاۃ کی نعمت حاصل فرما کر جاگیر کے اسناد مہر زدہ ۱۱۳۰ھ اپنے خسرِ محترم حضرت قطب عالم بخاری قدس سرہٗ سے حاصل فرما کر دوسرے دن بہ ارادۂ سفرِ ورنگل، راہیِ راجمندری ہوئے اور اخیِ مکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر انھیں پیش فرمایا ارشاد ہوا:

"(چندے) برادرِ محترم کی خدمت میں رہا۔ اس کے بعد تبلیغی سفر پر
روانہ ہوا قصبات، دیہات و تعلقات میں تبلیغ کرتے ہوئے
ایک مدت کے بعد قاضی پیٹھ پہنچا۔" ۴؎

آپ حیدرآباد کو خیرباد کہہ کر براہ راجمندری ورنگل تشریف لائے اور یادگیر پلی میں قیام فرمایا بعد میں اسی موضع سے دو کلومیٹر بجانب شمال ایک خس پوش مکان بنا کر قضاۃ و اصلاحِ قلوب کے کاموں کا آغاز فرمایا۔ آپ کے یہاں خلوت گزیں ہو جانے کے اثر سے اکثر معتقدین و متوسلین اچھی خاصی تعداد میں آپ کا قرب حاصل کرنے چلی آئی اور آپ کی اجازت سے کر قیام پذیر ہو گئی۔ یہاں آپ کے متوسلین کے آکر رہ جانے کے باعث لوگ اس سارے علاقے کو قاضی پیٹھ کہنے لگے حضرت فاضل بیابانی قدس سرہٗ نے ساری عمر درس و تدریس

۱؎ شجرۂ خاندانِ بیابانی ص ۱ ۲؎ افضل الکرامات ص ۲۱ ۳؎ پنج گنج مترجمہ ص ۱۳۶ ۴؎ فیلۂ بیابانی ص ۸۷

ذکر واذکار میں بسر فرمائی، سرکار غوث پاک سے نسبتِ قویہ کے باعث صلوٰۃ الاسرار پر مداومت رکھی تھی۔ کثرتِ شب بیداری، یادِ الٰہی و محبتِ باری میں گریہ وزاری کے سبب بینائی جاتی رہی تو مع منصب دار پہلے قضاۃ کے کام اپنے ذی علم و لائق فرزند سیدی سید شاہ غلام حسین بیابانی قدس سرہٗ کے تفویض فرماکر گوشہ نشینی اختیار فرمائی تھی، اب انھیں اپنی جگہ مسند نشین فرماکر متوسلین، معتقدین و عوام کی خدمت اور ان کا ہر حال میں خیال رکھنے کی تاکید فرماکر مشغول بہ ذکر و شکر ہوگئے۔ حیاتِ قدسی کے آخری سال گو قویٰ پوری طرح مضمحل ہوچکے تھے لیکن ہوش برجا تھے، اپنے دونوں صاحبزادوں کو دولتِ معنوی سے سرفراز فرماکر ذکر ارّہ کھینچا اور واصل بحق ہوگئے۔ میر منور علی صاحب لکھتے ہیں:

"طویل مدت گزارنے کے بعد بعمر ۹۷ سال ۱۲۱۱ھ میں آپکا
وصال ہوگیا۔" [1]

قاضی پیٹھ کی سرزمین پر آپکے وجود سے جو انوارات پھیل چکے تھے اُن سے ہر فرد نے برکت حاصل کی۔ آپکے وصال کے بعد اس خطۂ ارضی پر سب سے پہلا مزار آپ ہی کا بنا۔ آپ کی اس آخری آرام گاہ سے چند خصوصی شبوں میں انوارات و کیفیات کا ظہور ہوتا ہے، اپنے عقب میں آپنے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی یادگار چھوڑے۔ حضرت سیدی سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ کے فرزند اول حضرت سید شاہ غلام حسین بیابانی قدس سرہٗ چونکہ علم و فضل میں یگانہ تھے اور ہمیشہ اپنے احوال چھپائے رکھتے تھے اس لیے حضرت فاضل بیابانی قدس سرہٗ نے اپنے ان صاحبزادے صاحب ہی کو قضاۃ و افتاء کی ذمہ داری سپرد فرمائی جبکہ آپکے دوسرے صاحبزادے سیدی سید شاہ عبدالقادر بیابانی قدس جذبِ باطنی کے سبب والدِ محترم کے حین حیات ہی سے ریاضت و عبادات کی طرف مائل رہے اور تقاضائے باطنی خلائق سے دوری اختیار فرمائی تھی۔ اکثر گوشہ گیر رہا کرتے اور تجلیاتِ الٰہی سے مغلوب الحال ہوجاتے۔ آپ حق گو تھے اس باب میں کسی سے رُو رعایت نہ رکھتے تھے جو بات بھی ہوتی برملا کہہ دیتے۔ انھیں اطوارِ قدسیہ کے سبب حاسدین ہمیشہ درپئے

[1] ضیائے بیابانی ص ۸۵

آزار رہا کرتے تھے۔ ایک دن موقع پاکر یہ دنیا پسند موقع پرست حاسد آپکو مع فرزندان شہید کردیا۔ حسد و عناد کی اس آگ سے آپ کی ایک صاحبزادی صاحبہ جو خادمہ کے سینے سے لگی رہی تھیں بچ گئیں۔ اس وفادار خادمہ نے واقعہ کا علم ہوتے ہی اس درِ یتیم کو اپنی گدڑی میں چھپائے بدباطنوں کے دستِ جفا و جور سے اتنی دور نکل گئی کہ عرصہ دراز تک بھی انھیں اس کا سراغ نہ مل سکا۔

سیدی سید شاہ غلام حسین بیابانی قدس سرہٗ جس دن مسندِ افادہ پر رونق افروز ہوئے تھے انھیں ایام میں حضرت آقائی مولائی سیدی سید شاہ موسیٰ قادری قدس سرہٗ کی ہمشیرہ آپکے حبالۂ عقد میں آئیں جن کے بطنِ قدسی سے سیدی سید شاہ غلام حسین بیابانی قدس سرہٗ کے صاحبزادے آقائی و مولائی سید شاہ غلام محی الدین بیابانی قدس سرہٗ رونق افروزِ عالمِ امکاں ہوئے۔

حضرت سیدی سید شاہ غلام حسین بیابانی قدس سرہٗ جلیل القدر و صاحبِ حال بزرگ تھے کبھی جذب و استغراق بھی رہتا اور کبھی عارفانہ و عالمانہ رنگ میں ڈوبے رہتے۔ جذب و تحیر کی حالت میں کسی کو جراتِ خطاب نہ ہوتی۔ متوسلین و مریدین کے اصرار پر پیش آئندہ حالات کی خبر دیتے، ایکمرتبہ آپنے فرمایا "میرا نبیرہ (سید افضل بیابانی قدس سرہٗ) عظمت و وقار کی مسند پر متمکن ہوگا وہ ہمارے خاندان کے لیے سرمایۂ افتخار ہوگا" سب کو حکم ہے کہ اپنے اسرار و مقامات کا اظہار نہ کریں۔ اپنے وصال سے ایک دن قبل موضع رلے پرتی پہنچے اور وہاں لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

"ہم یہاں مرنے آئے ہیں کفن بھی ساتھ لائے ہیں، تم لوگ
ہمارے لیے جگہ کا انتظام کردیں اور ہماری موت کی اطلاع
قاضی پیٹھ کردیں۔" [1]

آپ کا مزار پُرانوار عیدگاہ رلے پرتی کے چبوترے پر مرجعِ خلائق ہے۔ آپکے وصال کے بعد سیدی آقائی مولائی سید شاہ غلام محی الدین بیابانی قدس سرہٗ مسندِ قضاۃ و افتاء پر فائز ہوئے اور ک

[1] افضل الکرامات ص ۲۴

عالم کو اپنے فیضِ روحانی سے مستفیض فرمایا۔ آپ میں اپنے اسلاف کی بہت سی خوبیاں جمع تھیں۔ متوکلانہ گزر بسر رکھی تھی، فتوحات سے جو کچھ زرِ نقد ہاتھ آتا فوری فقراء و مساکین میں تقسیم فرما دیتے۔ آپ کا صبر و تحمل، حلم و بردباری، جود و سخا بے مثال تھا۔ علم و عمل دونوں میں یکتا و فردِ فرید تھے، سنتِ صحابہ سے کبھی انحراف نہ فرمایا۔ ابتدائی تعلیم والدِ محترم سے پائی تھی اور اعلیٰ تعلیم کی تکمیل علمائے عصر سے کی تھی، اقلیمِ ہند کے علماء و فقہا سے مراسم تھے۔ آپ سے استفادۂ علمی کے لیے اکثر مشائخ زادے آپکے مہمان ہوتے۔ آپ کا طور طریق شائستہ تھا۔ رفاعیہ مسلک کے عظیم المرتبت رہنما تھے، دکن میں ضرباتِ رفاعیہ کو جو فروغ حاصل ہوا وہ آپ ہی کی ذاتِ قدسی کا رہینِ منت ہے۔ آپکے تصرفات و کرامات کا شہرہ عام تھا۔ درویش محی الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"آپ ایک عالمِ متبحر اور سالکانہ مشرب رکھتے تھے اور صاحبِ کرامات تھے"۔[1]

والدِ محترم کے زمانۂ حیاتِ ظاہری میں اپنی عموزادی ولیۂ عصر و عفیفۂ دھر اکلوتی صاحبزادی حضرۃ سیدہ بی بی قاسم اماں قدس سرہا بنتِ حضرت سیدی سید شاہ عبدالقادر بیابانی شہید قدس سرہٗ سے عقدِ نکاح فرمایا۔ یہ وہی صاحبزادی صاحبہ اور آپ کی چچازادی ہیں جو بچپن میں خادمہ کی حاضر دماغی اور ہوشیاری کے سبب دشمنوں کی دسترس سے بچ کر روپوش ہوگئی تھیں۔ فدوی اس واقعہ کو حضرۃ قدس سرہا کی کرامت جانتا ہے کہ آپ خادمہ کی گود میں موجود رہ کر دشمنوں کو نظر نہ آتی تھیں اگرچہ دشمنوں نے تلاش و جستجو کو اپنی زندگی کا حاصل بنالیا تھا اور اس کا کوئی شعبہ ترک نہ کیا تھا۔

سیدی سید شاہ غلام محی الدین بیابانی قدس سرہٗ کا زمانۂ حیاتِ ظاہری کچھ زیادہ طویل نہ تھا۔ دارِ فانی کی طویل راتیں ذکر و یادِ الٰہی میں بسر فرمائیں، منشاءِ ایزدی کی تکمیل فرما کر بزمِ حضرتِ باری میں جلوہ گری کی۔ اپنے عقب میں آپنے چار فرزند اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔ سید درویش محی الدین قادری کا بیان ہے: "آپکے چار فرزند تھے، دو صاحبزادیاں تھیں صغیر سنی میں دو صاحبزادے اور جوانی میں ایک رحلت کر گئے آخری صاحبزادے ہمارے حضرت قدس سرہٗ ہیں"۔[2]

۱. بحقل الکرامات ص ۳۹ ۔ ۲. ایضاً ص ۲۵

اٹھارھویں صدی عیسوی میں
دکن کے سیاسی حالات

مملکتِ آصفیہ کے قیام کے روزِ اول ہی سے آصفجاہی سلاطین کو ہمیشہ کسی نہ کسی دشمن سے سابقہ پڑتا ہی رہا۔ کبھی مرہٹوں سے نبرد آزمائی تھی تو کبھی صوبہ داران مملکت کی ریشہ دوانیوں سے سامنا تھا۔ کبھی حیدر پر انگریزوں سے ٹکراتی تو کبھی فرانسیسیوں کی ہوسِ ملک گیری سے کیفیتِ انتشار، ایسے وقت اس مملکت کا کوئی حلیف تھا جو اس کے کام آئے اور نہ کوئی دوست تھا جو اس کی مدد کرتا۔

عروس البلاد حیدرآباد کے تختِ شاہی پر ۱۸۰۳ء میں نواب آصفجاہ سوم سکندر جاہ کے رونق افروز ہوتے ہی انگریز اپنے سابقہ تمام مخلصانہ وعدوں، رضاکارانہ فلاحی کاموں اور وفادارانہ معاہدوں کا ذکر کرکے نئے فرماں رواں سے دکن سے مملکت کی ترقی کے سبز باغ دکھا کر کچھ عیارانہ معاہدے کیئے۔ بدقسمتی سے انہی دنوں صدر المہام میر ابوالقاسم المخاطب میر عالم کی اچانک رحلت سے انگریزوں کی فتنہ پردازی کا نصیبا جاگا۔ ایسے مکار قوم نے اپنی دور اندیشی، حکمتِ عملی اور سیاسی بصیرت سے اپنے مقصد کے صحیح آدمی کی تلاش شروع کردی جو بعہدہ صدر المہام کے لائق ہو۔ انھیں ایسے آدمی کیلئے زیادہ دوڑ دھوپ کرنی نہ پڑی جلد ہی اس اہم رتبہ کے لائق فرد انھیں مل گیا۔ انگریزوں نے آصفجاہ کے دربار میں بجمال اخلاص و عقیدت سیاسی بصیرت سے محروم شخص چندولال کو پیش کرکے ہر طرح اپنی مدد کا یقین دلایا۔ آصفجاہ نے چندولال کو بعہدہ صدر المہام فائز فرماکر بظاہر انگریزوں کو اپنا ہم نوا بنالیا تھا لیکن وہ شخصاً اس اقدام سے مطمئن نہیں تھے۔ چندولال، اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوتے ہی انگریزوں کا آلۂ کار بن گیا اور اپنی غلط اور عاقبت نااندیش روش سے مملکت کو مقروض اور آصفجاہ کو اسقدر بے بس کر دیا کہ مجبوراً انھیں انگریزوں سے کچھ نئے معاہدے کرنے پڑے۔ مملکتِ آصفیہ کو کمزور کرنے کی انگریزوں کی چال کامیاب ہوگئی۔ چندولال کے ذریعہ انگریزوں نے آصفجاہ سے ایک طویل

الحاقی معاہدے پر دستخط کرنے پڑے۔ جس کی رو سے انگریزوں کو اپنی فوجیں حیدرآباد میں رکھنا آسان ہوگیا جس کا تمام خرچ آصفجاہ کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ ریاست کی حفاظت کی مصنوعی ذمہ داری کے سبب ریاست مزید معاشی بحران اور مالی مشکلات کا شکار ہوگئی۔ چالاک انگریزوں نے آصفجاہ سوم کی اس سیاسی مجبوری کا خوب فائدہ اٹھایا اور بڑی دیدہ دلیری سے حکومت کے کاموں میں بھی دخل اندازی شروع کر دی۔ یہ وہی انگریز تھے جو آصفجاہ اول کے زمانے میں کرناٹک کے صوبیدار کی ناانصافی کا مقدمہ لے کر فریادی

بنے دربارِ آصفیہ میں سرنگوں حاضر ہوئے تھے اور آج ناموافق حالات کے سبب

یہ فریادی شاہِ دکن کے جاگیردار بن گئے تھے"۔[1]

تاریخی محاکمہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آصفجاہ سوم اپنے پیش رو فرماں رواؤں کی طرح ان روحانی تاجداروں سے وابستہ ہو رہتے تو شاید انھیں ایسے دن دیکھنے نہ پڑتے اگرچہ مملکتِ آصفیہ کے قیام سے بہت پہلے اس سرزمین پر حق تعالیٰ کے محبوب بندے اپنی قلندرانہ شان سے رہتے آرہے تھے۔ ان عظیم شخصیتوں کے وجود نے باوجود آصفجاہ سوم کی ان سے بے رخی کے، اس مملکت کی بقا کو طوالت کی طمانیت عطا کر رکھی تھی۔ آصفجاہ سے ان روحانی تاجداروں کی مدد کے حصول میں کوتاہی جو ہوگئی، انگریزوں کو اپنے قدم جمانے کا حوصلہ مل گیا، مرہٹوں کو بھی اپنا سر اٹھانے کا موقع مل گیا ان کی فتنہ پردازیاں گل کھلانے لگیں۔ اگرچہ یہ حضرات القدس کبھی معمولی سپاہی اور کبھی معمولی پیشہ ور کی حیثیت سے مملکت کی کسی بڑی آفت اور مصیبت کو ٹالنے سینہ سپر رہتے تو کبھی کسی گوشۂ گمنامی میں پڑے دعاؤں اور اپنے باطن کی قوت سے آتی ہوئی مشکلات کو دور کرتے رہتے تھے۔ ان برگزیدہ نفوس پر کبھی عالمِ بے خبری کا ایک ایسا وقت بھی چھایا رہتا جس میں وہ محوِ انوارات و تجلیاتِ الٰہی کے سبب مشغول بحال رہتے اور علائق سے دور گوشۂ تنہائی میں مست مئے الست پڑے رہتے۔ ایسے ہی وقت ان کی عدم توجہی و خود فراموشی کے سبب جب انسانیت کی سانسیں رک رک کر چلنے لگتیں تو انھیں بحکم خداوندی تیر و تلوار سے میدانِ کارزار گرم کرنا پڑتا۔

---

[1] عبدالصمد سراج الدین مرحوم "سیاست" حیدرآباد ص ۳

مان حضرات القدس کو بہ حیثیت مصلحت کوشی کے سبب حالات کو بنانے اور خود کو مخلوق سے چھپائے رکھنا پڑتا تھا۔ اقلیمِ ہند اور بالخصوص دکن کی اس تیرہ و تار نصف صدی پر محیط مصیبت و آزمائش کی گھڑیوں میں سبع آفتابِ رفاعیہ کے سطح مرتفع دکن پر طلوع ہو کر ضیا باری و جلوہ ریزی کرتے یہاں کے ذرہ ذرہ کو توانائی و تابناکی ملتی رہی لیکن عملِ خیر کی کمی اس سارے خطے کو رحمتِ حق سے محروم کر گئی۔ اسی دوران انگریزوں کو اپنے مفسدانہ عزائم کے روبہ عمل لانے کا موقع فراہم ہوگیا۔

ورنگل، مغلیہ سلطنت کے زوال اور ریاستِ حیدرآباد کے قیام کے وقت سے تلنگانہ کا تہذیبی مرکز تھا! اگرچہ اس کی ایسی شناخت باقی نہیں رہ سکی تھی کیوں کہ کچھ عرصہ قبل ہی سے یہاں عساکرِ اسلامی کے آتے جاتے رہنے کے سبب علما و اصفیا کی ایک بڑی تعداد یہاں مقیم اور احتسابِ عمل کے لیے متعین تھی سلاطینِ دہلی نے جب اس علاقے کو فتح کر کے اپنی عمل داری میں رکھا تو اس شہر میں باکمال اصحاب تلاش کر کر کے بھیجے۔ ان بزرگوں اور صاحبانِ علم برگزیدہ شخصیتوں کے یہاں اقامت گزیں ہو جانے کے بعد یہاں کے گلی کوچے دیار و بازار صدائے حق سے گونج اٹھے اور گھر گھر کلمۂ حق و کلامِ نبوت کی برکت انگیزیوں کے چرچے عام ہوگئے لیکن فسق و فجور کی گرم بازاری، انگریزوں کی سفاکی اور ان کا تعصب دینی رنگ لانے لگا تو طاغوتی قوتیں اپنا اثر دکھانے لگیں جب بے راہ رو افراد کی ایک جماعت فتنہ و فساد پھیلانے اٹھ کھڑی ہوئی تو سعید روحیں بے چین اور پاکیزہ قلوب مضطرب ہوگئے۔ بارگاہِ الٰہی میں ان دردمند اصحاب نے ان برگزیدہ نفوس کے وسیلے سے رفاعی عظمتوں کے شمسِ بازغہ کے مطلعِ ہند پر جلوہ گر ہونے کی دعا مانگی جس کے طلوع ہونے پر حق و باطل عیاں ہونے والا تھا۔ ان کی دعا قبول ہوگئی اور جبینِ کوہ و بیاباں، افقِ زرنگارِ دکن سے وہ آفتابِ فضل و کمال طلوع ہوگیا جس کی شعاعیں قاضی پیٹھ کی خاک کو منشورِ ضیا بنا کر سارے اقلیمِ ہند کو منور کر گئیں۔

ولادتِ سعید

شہنشاہِ مجذوبین، سلطان العاشقین، مظہرِ اوصافِ نامتناہی، مصدرِ الطافِ الٰہی سیدی آقائی مولائی سید شاہ افضل بیابانی قدس سرہٗ العزیز جن کی ولادت کا آوازہ برسوں پہلے ملتان وقندھار دکن کے بیابان و کہسار، رفاعی خانقاہوں کے در و دیوار سے گونج چکا تھا آج سے پورے دو سو برس قبل سنہ ۱۲۱۰ھ م سنہ ۱۷۹۵ء میں بمقام قاضی پیٹھ، رونق افروزِ عالم ہوئے۔ سید درویش محی الدین قادریؒ لکھتے ہیں:

"آپ کا تولد سنہ ۱۲۱۰ھ میں ہوا، آپ قاضی پیٹھ موضع میں پیدا ہوئے"[۱]

آپ، سیدی آقائی مولائی سید شاہ غلام محی الدین بیابانی قدس سرہٗ کے نورِ نظر اور فرزندِ آخر ہیں۔ اللہ رب العزت نے اقلیمِ ہند کی قطبیت اور دنیائے معرفت کی بادشاہت کا تاجِ نگیں آپ کے سرِ اقدس کی زینت بنایا اور سرزمینِ دکن کو آپ کی عملداری کے لیے پسند فرمایا۔ حیاتِ ظاہری میں آپ کی فرماں روائی و دادِ جہاں بانی اس وقت تک قائم و جاری رہی تا آں کہ ہندوستان کی آزادی کا بگل نہ بج گیا۔ آپ کے والدِ محترم نے آپ کا اسمِ گرامی "افضل بیابانی" رکھا اور اس مسرت میں مٹھائیاں تقسیم فرمائیں۔ اور تحدیثِ نعمت کے بطور اپنے والدِ محترم سیدی آقائی سید شاہ غلام حسین بیابانی قدس سرہٗ کی پیشین گوئی کا ذکر فرماکر آپ کے مامور من اللہ اور نائبِ غوث الوریٰ ہونے کا انکشاف فرمایا۔ ملفوظاتِ حضرت شاہ محمد کشفی بیابانیؒ میں آپ کے گیارہ خطابات کا ذکر ہے۔ ان خطابات کو بوقتِ خلافت، خلفائے سلسلہ کو آپ کا وِرد کرنے کی اجازت دی جاتی ہے پھر خلافت سے سرفراز فرمایا جاتا ہے۔ بزرگوں و مریدانِ باصفا نے

۱۔ افضل الکرامات صفحہ ۲۶

آپ کے ان گیارہ خطابات کو بوقتِ مصیبت و مشکل قبولیتِ دعا کا وسیلہ تسلیم کیا ہے۔

خطابات

الٰہی بحرمتِ معشوقک الذی سلطانِ میدانِ ریاضت سیدی شاہ افضل بیابانی
الٰہی بحرمتِ معشوقک الذی تاجِ راسِ اہل الولایت سیدی شاہ افضل بیابانی
الٰہی بحرمتِ معشوقک الذی مفتیٔ علومِ طریقت سیدی شاہ افضل بیابانی
الٰہی بحرمتِ معشوقک الذی واقفِ اسرارِ معرفت سیدی شاہ افضل بیابانی
الٰہی بحرمتِ معشوقک الذی قطب الدائرۃ الفقرا السالکین سیدی شاہ افضل بیابانی
الٰہی بحرمتِ معشوقک الذی سلطان المتجردین سیدی شاہ افضل بیابانی
الٰہی بحرمتِ معشوقک الذی کاشفِ اسرارِ حقانی سیدی شاہ افضل بیابانی
الٰہی بحرمتِ معشوقک الذی جمالِ النفس رحمانی سیدی شاہ افضل بیابانی
الٰہی بحرمتِ معشوقک الذی مہبطِ انوارِ یزدانی سیدی شاہ افضل بیابانی
الٰہی بحرمتِ معشوقک الذی منبعِ فیضانِ روحانی سیدی شاہ افضل بیابانی
الٰہی بحرمتِ معشوقک الذی قدوۃ العشاقِ ربانی نائب و وزیرِ غوثِ صمدانی سیدی شاہ افضل بیابانی الرفاعی۔ اللّٰھم انی اسئلک ان تقضی حاجتی بحرمتِ معشوقک الذی تبہ تشرف یازدہ خطابہ من حضرتک و ان ترزقنی ایماناً حقیقتاً، کاملاً و آماناً و عافیۃً فی عقوباتِ الدنیا والآخرۃ

اللّٰھم زدنا نورنا زد سرورنا زد حضورنا زد معرفتنا زد ذوقنا و زد شوقنا و زد مشفقتنا و زد محبتنا الیک فیک و بک و کرمک یا اکرم الاکرمین وارحمنا جمیعاً برحمتک یا ارحم الراحمین ط

حضرت خواجہ عبدالوحید المعروف ابولبیان سبحانی شاہ بیابانی رفاعی القادری۔

سلسلۂ نسب

آپ کا سلسلۂ نسب والدین محترم کی طرف سے اٹھارہ درمیانی واسطوں سے تاج الواصلین، برہان العاشقین محی الحق والدین سیدی آقائی مولائی سید احمد کبیر الرفاعی معشوق اللہ الحسنی الحسینی الموسوی رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ شجرۂ قدسی یہ ہے۔

مولائے کائنات امام الاولیاء شیر خدا امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، سبط رسول خدا السید الامام الحسین رضی اللہ عنہ السید الامام زین العابدین رض السید الامام محمد باقر رض السید الامام جعفر الصادق السید موسیٰ کاظم السید ابراہیم المرتضیٰ جمال اللہ، السید موسیٰ الثانی خزائن اللہ السید ابو العباس احمد ہو یتہ اللہ۔ السید حسین ید اللہ السید ابو القاسم محمد تحفۃ اللہ السید حسن ابی عبد اللہ المهدی نور اللہ السید علی برکات مشتاق اللہ السید حازم سلیمان ولی اللہ السید ثابت سیف اللہ السید یحییٰ بحر اسرار اللہ السید ابی الحسن علی مظہر جمال اللہ آقائی مولائی سلطان الواصلین سیدی احمد کبیر الرفاعی معشوق اللہ الحسنی الحسینی الموسوی رض السیدنا اسحاق الرفاعی [1] السیدنا یعقوب الرفاعی السیدنا نجم الدین الرفاعی السید یوسف الرفاعی السیدنا شمس الدین الرفاعی السیدنا ابراہیم الرفاعی السیدنا عبد الجلیل الرفاعی السیدنا عبد الرحیم الرفاعی السیدنا عبد الرشید الرفاعی السیدنا محمد عبد الکریم الرفاعی السیدنا مخدوم سید شاہ ضیاء الدین بیابانی السیدی سید شاہ اشرف بیابانی السیدی سید شاہ عبد الملک بیابانی السیدی سید شاہ فاضل بیابانی السیدی سید شاہ محمود امین بیابانی السیدی سید شاہ فاضل بیابانی، السیدی سید شاہ غلام حسین بیابانی السیدی سید شاہ غلام محی الدین بیابانی السیدی سید شاہ افضل بیابانی

---

[1] حضرت سیدنا اسحاق رفاعی قدس سرہٗ کا ایک نام ابو الحامد حسن بھی شجروں کی زینت ہے۔ خانوادہ رفاعیہ گجرات بڑودہ کے سجادہ صاحب کے مملوکہ شجرۃ الاحمدیہ میں سیدنا اسحاق کے نام کی بجائے ابو الحامد حسن لکھا ہوا ہے۔ میر شبر الدین علیشاہ صاحب مرتبہ شجرۂ خاندانِ بیابانی میں سرکار سید احمد کبیر الرفاعی رض کی اولادِ اطہار میں جن صاحبزادگان سے سلسلۂ خلافت و نسب

شجرِ گلشنِ رفاعیہ کا گُلِ سرسبد، دولت کدۂ بیابانیہ کا دروازۂ بلند، شبستانِ سیدنا اسحاق کا روشن چراغ، نانہال و ددھیال دونوں جہتوں سے رفاعی فضیلتوں اور برکتوں کا مظہر، سلسلۂ نسب ابّاً عن جدٍّ نہایت مقدس ساداتِ کرام سے ہے۔" [1]

مولوی محمد سلطان صاحب سررشتہ دار تعلیمات نے لکھا ہے:

"آپ ساداتِ رفاعیہ سے ہیں، حضرت سید شاہ ضیاء الدین بیابانی اور حضرت سید شاہ اشرف بیابانی جن کے مزارات انبڑ شریف میں موجود اور مشہور ہیں، حضرت کے اجدادِ کرام میں ہیں۔" [2]

معلوم ہوا کہ آقائی مولائی سیدی سلطان العارفین سید احمد کبیر الرفاعی معشوق اللہ رضی اللہ عنہ، آپ کے جدِ اعلیٰ اور سیدی آقائی مولائی ابو الحامد حسن سیدنا اسحاق قدس سرہٗ مورثِ اعلیٰ ہیں۔

حُلیہ مبارک و زمانۂ طفلی

باوقار و پر عظمت کتابی چہرہ، کھلتا ہوا ملیح رنگ، ستواں ناک جس کی ایک جانب مسّہ، کشادہ و پُر نور پیشانی ذہانت و فراست کی آئینہ دار، جس سے بوقت ذکر و فکر انوارات و تجلیات کا ظہور ہوتا نظر آتا خوش منظر ابرو، روشن آنکھیں جذب و کیفیتِ باطنی کی مظہر، گھنے ریشمی سیاہ بال شمیم آرائے طریقت،

---

[1] درویش محی الدین قادری فضل الکریم صد ۳ [2] وقائع ورنگل ص ۵۵

سلسلہ حاشیہ صفحہ ۵۰

جاری ہونے کا ذکر ہے وہیں ان صاحبزادگان کا ذکر بھی ملتا ہے جن سے نہ سلسلۂ نسب چلا ہے اور نہ ہی خلافت جاری ہوئی۔ شجرۂ خاندانِ بیابانی کے صفحہ ۳ اور ۴ پر لکھا ہے:

"اولاد میں شیخ العالم الحبیب سید صالح قطب الدین، نجم الحق والدین سید ابراہیم نقیب، نور الحق والدین سید علی سکران قطب عالم ابو سباع معدن الاسرار اللہ، سید اسمٰعیل مجذوب، سیدنا اسحاق، یہ صاحبِ اولاد اور صاحبِ سلسلہ ہوئے

ریشِ مبارک پاسدارِ شریعت، رخسارِ مبارک تقدس و اتقا کا آئینہ، بدنِ شریف سبک و نازک گویا کتابِ معرفت قد متوسط جس سے شانِ اسد اللہی آشکار، بچپن ہی سے آثارِ بزرگی و برگزیدگی آپ کی ایک ایک ادا سے جھلکتے دکھائی دیتے، عظمتِ بزرگی تمام و کمال آپ کے چہرے سے ظاہر تھی۔ زمانۂ رضاعت سے پاؤں پاؤں چلنے اور سنِ شعور کی عمر تک خلوتِ قدس کے مسند نشیں، بے حد شرمیلے، کریم النفس، حلیم الطبع، نرم دل اور رقیق القلب تھے۔ میر بشیر الدین علیشاہ صاحب نے لکھا ہے:

"آپ ابتدا ہی سے طہارت و تقویٰ کے پابند تھے۔" [1]

سعادت مندی و شائستگی کے باعث اکابر و اصاغر کا لطفِ خصوصی ہمیشہ آپ کو آغوشِ محبت میں لیے رہتا۔ والدِ محترم کے ساتھ جب کبھی آپ برگزیدۂ آفاق نفوسِ قدسیہ کی محفلوں میں رونق افروز ہوتے تو ادبِ محفل فراموش نہ فرماتے۔ ہمیشہ ان اصفیائے زمانہ سے ان کے عادات و اطوار و پاکیزہ خیالات کسب کرنے کی سعی فرماتے۔ سیر و سفر کے موقعوں پر آپ کے ہم عمر ساتھیوں کو آپ سے النیت کے سبب جدائی گوارہ نہ ہوتی۔ اکثر بلا ارادہ ہی آپ سے عجیب و غریب کیفیات کا ظہور ہوتا تو آپ کے یہ ہم نفس انھیں حیرت و استعجاب سے ملاحظہ فرماتے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بیان فرماتی ہیں۔

"آپ کی کیفیت بچپن ہی سے غیر معمولی نظر آتی تھی۔ صفحۂ پیشانی نورانی سے آثارِ کشف و کرامات ظاہر و باہر تھے۔" [2]

---

[1] شجرۂ خاندان بیابانی ص ۱۷ [2] افضل الکرامات ص ۳۸

(ما باقی حاشیہ ص ۵۱) سید عبد الحسن، سید یوسف، ان کو نہ سلسلۂ اولاد نہ سلسلۂ خلافت، سید حسین سید موسیٰ اور حضرت سید محمود قدس اسرارہم صغیر سنی ہی میں واصل بحق ہو گئے۔ دو صاحبزادیاں سیدہ فاطمہ اور سیدہ خدیجہ نتیجہ اخذ ہوا کہ جس شجرۂ شریف میں ابو الحامد حسن لکھا ہوا ہے وہاں سیدنا احاق درج نہیں ہے اور جہاں سیدنا اسحاق شجرۂ قدس مع زیبِ قرطاس ہے وہاں سیدنا ابو الحامد حسن نہیں لکھا گیا ہے انھیں کوئی نام عرف ہے جسے کہیں لکھا اور کہیں نہیں لکھا گیا۔ اسی طرح شجرۂ الاحدیہ میں جن صاحبزادی صاحبہ کا نام سیدہ خدیجہ ہے شجرۂ خاندانِ بیابانیہ میں انہی کا نام سیدہ زینب ہے۔ واللہ اعلم ۱۲

مولوی محمد سلطان صاحب سر رشتہ دار تعلیمات نے لکھا ہے:

"حضرت کے کرامات بچپن ہی سے ظاہر تھے۔" [1]

آپ کے ایامِ طفلی کے ناقابلِ فراموش اور حیران کر دینے والے واقعات کا حصر و شمار مشکل ہے۔ آپ تنہا ہوں یا اپنے ہم سنوں کے ساتھ ہوں ایسے واقعات تواتر سے ظہور پذیر ہوتے رہتے جس نے جو کچھ دیکھا من و عن بیان کر دیا لیکن آپ ایسے ہر واقعہ سے بے نیاز رہتے بلکہ کبھی خود آپ کو بھی اس کا تحسس ہوتا۔ اور بے علمی میں محیر العقول باتیں سرزد ہوتی رہتیں اور آپ اس سے لاعلم رہتے۔ آپ کی نہایت چھوٹی عمر کا ایک واقعہ جس سے آپ کے علوئے مرتبت اور علٰی و ارفع شان کا ثبوت فراہم ہوتا ہے جسے آپ کی والدہ معظمہ نے اپنے حافظۂ قدسی میں محفوظ فرما لیا تھا یوں بیان فرمایا:

"ایک بار میں اپنے خالہ زاد (بھائی) مولوی سید مرتضیٰ حسین صاحب کے مکان واقع قطبی گوڑہ حیدرآباد مقیم تھی۔ صحنِ مکان میں دوسرے بچوں کے ساتھ آپ کھیل رہے تھے، بچے باولیاں بنا رہے تھے، آپ نے بھی ایک باولی بنائی، قدرتِ الٰہی کہ آپ کی باولی سے پانی نکل آیا اور وہ پانی سے بھر گئی تھی۔" [2]

حق تو یہ ہے کہ اللہ کا دوست دنیا میں (روزِ اول تا روزِ آخر) اللہ کے ساتھ رہتا ہے اللہ ہی کیلئے رہتا ہے اور اللہ ہی سے رہتا ہے اس لیے اس کا کوئی کام، کوئی مقام اور اس کا قیام حق تعالےٰ کے ارادے سے جدا نہیں رہتا۔ باولی بنانا بچوں کا کھیل تھا سبھی بچوں نے باولی بنائی، آپ نے سب کی باولیاں بنی ہوئی دیکھ لیں اور سب سے جدا آپ نے بھی ایک باولی بنائی، سب نے کھیل والی باولی بنائی اور آپ نے سچ اور حقیقی صورت والی باولی جس میں پانی بھی ہو، بنانے کا ارادہ فرما کر اپنی ننھی سی انگلیوں سے زمین کرید کر مٹی نکالی پھر اس باولی کی گہرائی کو اپنی شہادت دینے والی انگلی سے مٹی جو ہٹائی قدرتِ الٰہی کا تماشہ دکھا دیا۔ "باولی میں پانی نکل آیا اور وہ پانی سے بھر گئی"۔ آپ نے بے نیازانہ مسکراتے ہوئے

---

[1] وقائع دکن ص ۵۵ [2] افضل الکرامات ص ۴۰ [3] ایضاً

اپنے ساتھیوں کو معصومیت سے بھری پیاری زبان میں مخاطب کیا:

"(ہم نے بھی بنا دی بنائی ہے، دیکھ لیں") اسے دیکھ کر دوسرے بچے ششدر رہ گئے، ماموں صاحب نے فرمایا: "یہ بچہ بفضلہٖ تعالیٰ اللہ کا ولی ہوگا" [1]

اس واقعہ کے شاہد و گواہ بزرگوں اور دوستوں نے یہ بات گرہ میں باندھ رکھی کہ سن شعور کو پہنچنے کے بعد آپ کو چشمۂ پر آب سے، پہاڑوں سے، میدانوں اور تالابوں سے انسیت سی ہوگئی تھی۔ جب بھی آپ ان مقامات سے ہو کر گزرتے یا قریب ہوتے تو گھنٹوں ان مقامات کو دیکھ کر آپ پر محویت طاری ہو جاتی۔ سلوک کی تینوں منزلیں اسی لیے ہمت بلند کا تقاضہ کرتی ہیں۔ اس کی ایک منزل مٹی سے اَٹ کر طے کی جاتی ہے، دوسری تہ آب ڈوب کر اور تیسری منزل فضائے بسیط میں خود کو روپوش کر کے سَر کی جاتی ہے۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ نے آپ کے بچپن شریف کا ایک واقعہ لکھا ہے۔

"بچپن ہی سے آپ کو تیرنے اور گھوڑے کی سواری کا شوق تھا، ایک وقت آپ ہزارکھم کے مندر کی باولی میں بچوں کے ساتھ تیر رہے تھے، جب تل کی مٹی لانے کے لئے گہرائی میں آپ نے غوطہ لگایا تو کچھ دیر تک نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ساتھی بچے پریشان ہو گئے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد آپ سطح آب پر آگئے" [2]

---

[1] افضل الکرامات صـ ۳۹ ، ٭ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن شریف کا ایک واقعہ ہے کہ آپ کے چچا حضرت ابو طالب رضؓ، آپ کو اپنے ہمراہ لیے ذی المجاز کے میلے میں تشریف لے گئے راستے میں حضرت ابو طالب رضؓ کو شدت کی پیاس لگی حضرت ابو طالب رضؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: "بھتیجے مجھے بہت پیاس لگی ہے" ابو طالبؓ کہتے ہیں "وہ یہ سن کر اپنی سواری سے اترے اور مجھ سے کہنے لگے "چچا جان! کیا پیاس لگی ہے" میں نے کہا "ہاں" انھوں نے اپنی ایڑی زمین پر ماری، اچانک میں نے دیکھا کہ وہاں سے عمدہ پانی پھوٹ پڑا ہے پھر انھوں نے مجھ سے پانی پینے کیلئے کہا" سیرت حلبیہ مترجم ج ا صـ ۴۰۸

[2] افضل الکرامات صـ ۳۳ ۔

ابتدائی تعلیم

آپ جب ۴ سال ۴ ماہ اور ۴ دن کے ہوگئے تو آپ کے والدِ محترم حضرت سید شاہ غلام محی الدین بیابانی قدس سرہٗ نے سنتِ صالحین کے مطابق رسمِ تسمیہ خوانی انجام دی اور ابتدائی تعلیم کا آغاز فرمایا۔ بارہ سال کی عمر ہونے تک والدِ معظم نے آپ کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ نہایت دل سوزی سے جاری رکھا، ذکر و اذکار کے لمحے ہوں کہ خلوتِ خاص کی تعلیم کے اوقات، ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے سیدی درویش محی الدین قادریؒ لکھتے ہیں:

"تعلیم کا آغاز آپ کے والدِ بزرگوار حضرت سید شاہ غلام محی الدین بیابانی رحمۃ اللہ علیہ نے خود کیا، بسم اللہ بھی آپ ہی نے پڑھائی اور ابتدائی تعلیم دی" [1]

آپ ۷ سال کی عمر ہی سے والدِ محترم کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے خود کو ذکر و اذکار اوقاتِ پنجگانہ کی لذت کا کچھ ایسا خوگر کرایا تھا کہ ساری عمر کسی بھی موقع پر آپ نے اسے ترک نہ فرمایا۔ بارہ سال کا سن ہوتے ہی والدِ ماجد قدس سرہٗ نے نعمتِ بیعت و خلافت سے سرفراز فرما کر فیوضاتِ ظاہری و باطنی کے دریا بہا دیئے۔ میر منور علی صاحب نے لکھا ہے:

"آپ کا شجرۂ طریق ثابت کر رہا ہے کہ آپ نے اپنے والدِ ماجد حضرت سید شاہ غلام محی الدین بیابانی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت پائی ہے" [2]

قاضی پیٹھ شریف کی عرفانی گلیوں، سنسان پہاڑوں اور پاکیزہ فضاؤں میں آپ پروان چڑھے تو فہم و فراست، ذکاوت و فطانت نے اصرار کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا کلام سینۂ طاہر میں محفوظ فرمائیں۔ ذہانتِ خداداد و طبعِ قدسی کی امداد سے آپ نے خود شناسی کے بارھویں سال قرآنِ کریم حفظ فرما لیا۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ کا بیان ہے:

"حضرت قدس سرہٗ نے بارہ سال کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کر لیا" [3]

---

[1] افضل الکرامات صـ ۳۹ [2] ضیائے بیابانی صـ ۹۱ [3] افضل الکرامات صـ ۴۶

قرآن مجید حفظ فرمالینے کے بعد، مبادیاتِ دین، فقہ و فرائض اور علمِ مجلسی کی ضروری تعلیم و تربیت والدِ محترم ہی سے حاصل فرمائی اور بقدرِ ضرورت علمِ صرف و نحو، شعر و ادب سے بھی شغف رکھا۔ آپ کے ذوقِ زباندانی و شوقِ تحصیلِ علم و غیر معمولی ذہانت سے ہر کوئی متاثر تھا، والدِ محترم چاہتے تھے کہ آپ علومِ دین میں ماہرانہ کمال سے فائز المرام ہوں، کیوں کہ قصبات و انفار کی مصروفیت زرعی امور کی نگرانی اور متوسلین و مریدین کی تعلیم و تربیت اس بات کی متقاضی تھی کہ آپ سرِ مو اس میں فرق نہ آنے دیں مجبوراً ورنگل کے باکمال و صاحبِ علم و فضل اشخاص کی فہرست سے بمشورۂ احباب

"حضرت فقیر اللہ شاہ کا انتخاب بحیثیت استاد ہوا"۔ ۱؎

۱؎ افضل الکرامات ص۴۰

فقیر اللہ شاہ صاحب

سلسلۂ قادریہ کے بانسبت و صاحبِ دل بزرگ تھے علم و فضل میں شاید ہی کوئی ان کا ہمسر ہوگا۔ وہ ہر لحاظ سے اپنی مثال خود تھے، دور دور تک ان کے زہد و اتقا کے چرچے تھے۔ ورنگل کے سنگ بستہ قلعۂ ارضی سے باہر بجانب جنوب مستقلاً اپنی اقامت رکھی تھی اور وہیں درس و تدریس کا نہایت اہم فریضہ انجام دیتے تھے۔ آپ کے وجود سے اس سارے علاقے کو ایک امتیازی شان حاصل تھی، علماء و اصفیائے زمانہ کی محفلوں میں تکریم سے بٹھائے جاتے تھے۔ آپ کی اس درس گاہ میں ایک مجذوب صفت درویش شاہ مست قلندر کا کچھ ہی دنوں سے آنا جانا شروع ہو چکا تھا ہر روز آپ کے مدرسہ میں آتے اور کچھ دیر بیٹھ کر کسی نامعلوم مقام کی طرف نکل جاتے جیسے کسی کی آمد کا انتظار ہو، کچھ ہی دنوں سے مقامی لوگ انھیں کبھی پہاڑی پر تو کبھی قلعہ کی فصیل اور کبھی دامنِ قلعہ کسی دیوار کے سائے میں بیٹھا ہوا پاتے، کوئی نہیں جانتا تھا کہ کون ہیں کیا کرتے ہیں لیکن مدرسہ کے مقررہ اوقات پر روزانہ حاضر رہتے اور ان مختلف مقامات پر بھی موجود پائے جاتے۔ سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ جس دن فقیر اللہ شاہ صاحب کی درس گاہ میں بغرضِ تحصیلِ علم بٹھائے گئے اسی دن شاہ مست قلندر نے خیر مقدمی کلمات مجذوبانہ زبان میں ادا کر کے آپ کا استقبال کیا اور قریب پہنچ کر نہایت محبت آمیز لہجہ میں اظہارِ مسرت کیا۔ آپ نے بھی شاہ مست قلندر صاحب کی تواضع و انکساری کے ساتھ پذیرائی کی اور دعائیں لیں

فقیر اللہ شاہ صاحب کے مکتب کی تعلیم کا آغاز، ورنگل کی تاریخی اہمیت

علاء الدین خلجی نے سنہ ۱۳۰۹ء میں قلعہ ورنگل کو اپنے بااعتماد سپہ سالار ملک کافور کی سرکردگی میں لشکرِ جرار بھیج کر فتح کرلیا تو ورنگل کے راجا پرتاب رودر نے مصلحت اور دور اندیشی سے

"تین سو ہاتھی، سات سو گھوڑے اور بے شمار دولت زر و جواہر
وغیرہ ملک نائب کی خدمت میں پیش کیے اور ہر سال خرچ ادا کرنے

سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ کے مدرسہ میں داخلہ لینے کے پہلے ہی دن سے شاہ مست قلندر صاحب مدرسہ میں زیادہ دیر تک ٹھہرے رہنے لگے، جذب و مستی کے عالم میں مدرسہ کی دیوار سے ٹیک لگائے پڑے رہتے اور تا ختمِ درس کبھی کہیں باہر تشریف نہیں لے جاتے۔ جب سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ مدرسہ سے گھر واپس ہونے کے لیے نکلتے تب شاہ مست قلندر صاحب بھی اپنی جگہ سے اٹھتے اور کسی سنسان و ویران مقام کی سمت نکل جاتے، شاہ صاحب کے اس طرح مدرسہ کے اوقات میں آنا اور ٹھہرے رہنا کسی مصلحت کے تابع نظر آتا تھا کہ وہ یہاں کسی اہم کام پر مامور ہیں۔ ایک دن حضرت فقیر اللہ شاہ صاحب کہیں مدعو تھے ان کی عدم موجودگی میں، جس کا شاہ مست قلندر صاحب کو شاید پہلے سے علم تھا یہ عقدہ کھلا، شاہ مست قلندر صاحب نے سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ سے کچھ اسراری گفتگو فرمائی، ارشاد ہوا:

"مست قلندر ورنگل کے قلعے سے ہمارے استاد صاحب کے پاس آیا کرتے تھے۔ جب کبھی وہ آتے ان کی خاطر تواضع ہوتی اور کھانے پینے کا انتظام ہوتا رہتا۔ ایک روز استاد صاحب کسی دعوت میں مدعو تھے، مجھ سے فرمایا کہ اگر فقیر صاحب آئیں تو ان کی تواضع کرنا اپنے ہاتھ سے کھلانا، پانی پلانا، ان کے دعوت میں جانے کے کچھ دیر بعد قلندر صاحب آگئے میں نے استاد صاحب کے منشا کے مطابق ان کی تواضع کی اور انھیں اپنے ہاتھ سے کھلایا پلایا۔ شاہ صاحب خوش ہو گئے اور کچھ باتیں بتائیں۔" (افضل الکرامات ص۴۱)

کا وعدہ کر کے صلح کرلی"۔ ؎

علمائے اسلامی کے یہاں آتے جاتے رہنے کے سبب علماء کی کثیر تعداد یہاں فروکش ہوگئی۔ ان اصفیائے زمانہ کی کثرت نے اس شہر کی اہمیت اور دینی علوم کے لیئے اس کی سرزمین نے ہر باکمال کو متوجہ کردیا۔ مقامی لوگ بھی اسلامی تعلیمات، علما کی رواداری اور لشکر اسلامی کی انصاف پسندی سے متاثر ہو کر جوق درجوق شجر اسلام کے سایے میں چین و اطمینان کے حصول کیلئے پہنچ رہے تھے۔

؎ تاریخ فرشتہ ص۳۸۷

(حاشیہ ص۵۸) سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ اپنے اس کام سے فارغ ہوئے تو شاہ مست قلندر صاحب بھی بحکم الٰہی اس امانت کو سپرد فرما کر فقر اللہ شاہ صاحب کے مدرسہ سے ہمیشہ کے لیے وداع لے لی۔ فقر اللہ شاہ پر جب قلندر صاحب کے ترک سکونت و دواماً رخصت کا انکشاف ہوا تو مضطرب ہوگئے۔ قلندر صاحب کو منت سماجت سے روکنے کی ممکنہ سعی کی لیکن قلندر صاحب نے کہا:

"اب ہمارا وقت آگیا ہے، ہم مرجائیں گے اور آپ کو وصیت کرجاتے
ہیں کہ ہماری نعش کو غسل و کفن نہ دیا جائے اور نہ اس کو دفن کیا
جائے بلکہ پیر میں رسی باندھ کر قلعہ کے اطراف گشت کرایا جائے
اور کوڑے پر ڈال دیا جائے۔" (افضل الکرامات ص۴۱)

واقعۂ ارتحال کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا تھا من و عن ظہور پذیر ہوا۔ شاہ مست قلندر صاحب کے قلعہ ورنگل سے انتقال کرجانے کی خبر دور دور علاقوں تک پہنچ چکی تو معتقدین جنازے میں شرکت کے ارادے سے گھروں سے نکل پڑے لیکن بمقام رنگیا پور عجیب صورتحال پیش آگئی، شاہ مست قلندر صاحب نے یہاں اپنی جلوہ گری سے سب کو حیرت زدہ کردیا۔ لوگوں نے قلندر صاحب کو جیتا جاگتا پا کر ان کے انتقال کی خبر کو یکسر غلط ٹھہرایا لیکن جب شاہ مست قلندر صاحب نے انھیں اس طرح مخاطب کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ

"ہم نے ورنگل سے انتقال کیا ہے۔ تم (لوگ) فقر اللہ شاہ صاحب کو ہمارا
عشق اور شاہ افضل بیابانی کو دعا کہنا۔" (افضل الکرامات ص۴۳)

[فر]زندانِ توحید کے دینی مسائل اور عام اسلامی علوم کی اشاعت کے لیے ان نیک نفس بادشاہوں [نے م]لک کے اہم اور قابلِ لحاظ آبادی والے شہروں میں مستقلاً علما کے قیام کی ضرورت محسوس کی تاکہ [وق]تاً فوقتاً عوام کو اصول و فرائض اور تعلیمات اسلامی سے بہرہ ور کیا جاسکے۔ جنوبی ہندوستان میں [ا]س وقت حیدرآباد اور اورنگ آباد کے بعد ورنگل کو دینی و علمی خصوصی شرف حاصل تھا۔ خدا رسیدہ

(بقیہ حاشیہ ص۵۸) اتنا سننا تھا کہ سب کی زبانیں گنگ ہوگئیں اور آنکھیں حیرت و استعجاب سے [کھل]ی رہ گئیں۔ حق تعالیٰ کے کام اور اس کی قدرتِ کاملہ سے کیا بعید ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں کو [ا]پنی نشانیوں کے لیے چن لے اور انھیں جہاں چاہے اپنی مرضی سے رہنے کی اجازت دے۔ اس سے [انکا]ر نہیں کیا جاسکتا کہ شاہ مست قلندر صاحب ورنگل سے انتقال کرچکے تھے، ان کی میت معتقدین [کی ا]ک مناسب تعداد کی موجودگی میں محفوظ تھی چونکہ رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ تاریکی کے سبب [ت]دفین کا مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے صلاح ٹھہری کہ صبح تڑکے میت اٹھائی جائیگی۔ کچھ لوگ [گھر] میں میت کے قریب حفاظت کے خیال سے ٹھہر گئے اور جو ٹھہر نہ سکتے تھے وہ اپنے گھر واپس [چلے گ]ئے۔ ان سب کے جانے اور رات کا کچھ اور حصہ گزرنے کے بعد میت کے محافظین کو حیرت انگیز صورتحال کا سامنا کرنا پڑا:

"شاہ صاحب کے جسم کے اعضاء جدا ہوگئے اور یکے بعد دیگرے
غائب ہوگئے۔" (افضل الکرامات ص۴۳)

[ح]ق تعالیٰ کی محبت میں فنا ہوجانے کا یہ عجیب و غریب مظاہرہ تھا۔ فنائیت و شہادتِ ذات کی یہ [کم]ال اولیٰ مثال تھی، جسے نہ غسل تھا، نہ کفن نہ دعا تھی نہ دفن۔ حق تو یہ ہے کہ شاہ مست قلندر، مردانِ [غ]یب سے تھے۔ اُدھر سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ کو مژدہ مقامِ "شہنشاہِ مجذوبین" کی خبر سنانے آئے تھے۔ پیام [پہنچ]ا دیا تو دوسرے مقام کو منتقل ہوگئے سیدی درویش محی الدین قادریؒ نے لکھا ہے:

بزرگوں اور علمائے کرام کی اک بڑی تعداد حق پسند افراد کی دینی و اخلاقی اصلاح کے لیے موجود تھی سلاطین نے تو ورنگل کو اپنی خداداد سلطنت کا اہم شہر قرار دے کر اسے با کمال افراد کی کثرت سے بھر دیا تھا۔ ان برگزیدہ ہستیوں میں حضرت فقر اللہ شاہ صاحبؒ بھی فضل و کمال سے ممیز تھے اور درس و تدریس کا نہایت عالی شغل جاری رکھ کر اس شہر کے عز و شرف میں اضافہ کر دیا تھا۔ آقائی مولائی سیدی سید شاہ غلام محی الدین بیابانی قدس سرہٗ کے یہاں آپ کی اکثر حاضری رہا کرتی بلکہ دوستانہ مراسم قائم تھے۔ فقر اللہ شاہ صاحبؒ ہر ہفتہ نیاز مندانہ قاضی پیٹھ تشریف لاتے اور بلا تعینِ وقت بعض متصوفانہ مسائل اور شیخ اکبر کی فصوص الحکم پر اس بعض ادق علمی نکات پر تبادلہ خیالات فرمایا کرتے ایسی ہی ایک عرفانی نشست کے اختتام پر سیدی شاہ غلام محی الدین بیابانی قدس سرہٗ نے قضات و افتا کی اپنی مصروفیت کا اظہار کر کے اپنے نور نظر سیدی شاہ افضل بیابانی قدس سرہٗ کی تعلیم کا ذکر کیا۔ اتنا سننا تھا بہ ہزار مسرت اپنی خدمات کا پیشکش فرما کر فقر اللہ

"آپ کو اپنی شاگردی میں لے لیا اور آپ اپنی اس کم سنی میں حصولِ تعلیم
کے لیے روزانہ ورنگل جانے لگے۔" [1]

---

[1] افضل الکرامات صفحہ ۸۰ (ما باقی حاشیہ صفحہ ۵۹) "یہ ایک کھلا راز ہے کہ قلندر صاحب کے سینے میں کوئی بھید پوشیدہ تھا جسے وہ چاہتے تھے کہ آشکار نہ ہونے پائے ورنہ مر جانے میں کونسی بات تھی۔" (افضل الکرامات صفحہ ۴۳)

اسلام کی برکتوں کے پھیلانے کا کام جس سرعت سے دکن میں ان صوفیائے کرام نے کیا اس کی مثال نہیں ملتی اور یہ بھی اک اہم وجہ تھی کہ اسمٰعیل سوم کے زمانے میں ایک با اختیار محکمہ قضات کی ضرورت محسوس فرما کر سیدی قطب عالم بخاری قدس سرہٗ نے عہدۂ قضات پر آقائی مولائی سیدی سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ کو اک با اختیار قاضی بنا کر اس شہر ورنگل کے دینی شرف و علمی تفخر میں دوامًا اضافہ کر دیا تھا اگرچہ آپ سے قبل اس عہدۂ جلیلہ پر سلاطین دہلی نے حضرت ضیاء الدین ملتانی قدس سرہٗ کو فائز فرمایا تھا اور عرصہ دراز تک اپنے اس منصب کا حق ادا فرماتے رہے اور لشکر اسلامی کے پہلے محتسب و قاضی بن کر علاقہ تلنگانہ میں اپنا نام چھوڑا۔ عوام میں آپ کے اس شرف کے سبب "قاضی پیر" مشہور تھے اور اس سارے علاقے کو آپ کے قیام ہی

قاضی پیٹھ سے روزانہ آٹھ میل کا طویل فاصلہ طے فرما کر آپ فقر اللہ شاہ صاحبؒ کے مدرسہ پہنچتے اور شام ہوتے ہوتے گھر واپس آجاتے، اکثر پیدل ہی تشریف لے جاتے کبھی کبھی والد محترم کے مشفقانہ اصرار پر بیل گاڑی سے بھی مدرسہ پہنچتے۔ آپ جب پیدل ہوتے اور گھر سے ذرا فاصلہ طے فرماتے تو راستے میں پیوستہ درخت آپ کے علوئے شان، فضل و کمال کی برکت انگیزی سے ساری فضا میں سکون آمیز ٹھنڈک کی پٹیاں بکھیر دیتے بلا فرقِ موسم یہ کیفیت یکساں پائی جاتی۔ اتفاقاً کبھی واپسی کے وقت اندھیرا ہو جاتا یا اندھیری راتوں کا سلسلہ ہوتا تو آپ کے آگے پیچھے نوری

(ما باقی حاشیہ صفحہ ۶۰) "قاضی پورہ" (موجودہ عرس جاگیر) کہا جانے لگا۔ آپ کے دنیا سے پردہ کر جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد جگر گوشۂ غوث الثقلین سیدی آقائی سید شاہ عبدالقادر حسن ثانی قدس سرہٗ کے نورِ عین، بزرگانِ سبعہ قادریہ کے مجمع البحرین حضرت اقدس سید العالی آقائی مولائی سید شاہ جلال الدین جمال البحر معشوق ربانی قدس سرہٗ (ولادت سنہ ۸۹۶ھ بغداد شریف) بفرمانِ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، ورنگل تشریف لائے اور موضع سومارم کی پہاڑی پر معتکف بہ یادِ الٰہی رہے پھر بہ اشارۂ باطنی ہزاروں ہزار بندگانِ خدا کو فیض پہنچایا۔ منشائے ایزدی و بفرمانِ جدی لاتعداد لوگوں کو دولتِ ایمان، معرفتِ عرفان سے مالا مال فرما کر بہ عمر ۸۱ سال سنہ ۹۷۷ھ خلوتِ حضرتِ باری میں جلوہ گری فرمائی۔ آپ کے بعد آپ کے ذی علم و یگانۂ عصر صاحبزادے حضرت سید شاہ معین الدین حسن آپ کی جگہ مسند نشین ہوئے، آپ کے بڑے پوتے سید شاہ حسن عبدالقادر عرف قادر پاشا قدس سرہٗ ابن سید شاہ جمال اللہ قادری قدس سرہٗ قدم گڑھی جو ہمیشہ عارفانہ حال میں رہا کرتے نے مسندِ افادہ سجایا اِنہی شہزادۂ عالی وقار سے حضرت فقر اللہ شاہ صاحبؒ الکتاب فیض کر کے صاحبِ اجازہ ہوئے۔ جس دن درس و تدریس کا پاک شغل اجرا فرمایا تھا اسی دن سے اِن کے مکتب کا آوازہ دور دور تک بلند ہو گیا۔ آپ کی درس گاہ سے اولیائے کاملین، اصفیائے واصلین، مجاذیب و مشائخین وابستہ رہے انمیں بعض سے آپ کے دوستانہ مراسم بھی قائم تھے۔

مخلوق مشعلیں تھامے مشایعت کرتی نظر آتی۔ سیدی درویش محی الدین نے لکھا ہے:

"ایک بار آپ دونگل جا رہے تھے کہ راستے میں شام ہوگئی۔ آپ کے
ساتھ جو لوگ تھے وہ پیچھے رہ گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "جب میں
گنجِ شہداء پہنچا (ہنکنڈہ کے پہاڑ کے قریب) تو دیکھا کہ ایک جماعتِ
کثیر میرے آگے پیچھے ساتھ ہے اور ان کے ساتھ مشعلیں ہیں
جن سے ساری فضا روشن ہے۔" ۱؎

جس دن آپ نے فقر اللہ شاہ صاحبؒ کے مکتب کی تعلیم کا آغاز فرمایا اس کے کچھ ہی
بعد سنہ ۱۸۰۶ء میں، سیدی آقائی سید شاہ غلام محی الدین بیابانی قدس سرہٗ ناسازیٔ طبیعت کے سـ
کسلمند رہنے لگے۔ علاج معالجہ کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ احباب کے کہنے اور مشورہ دینے پر فرماتے کہ
بیمار کیا ہے وہی شفا بھی دیگا۔ ایک دن اشغالِ باطنی و اوراد کے معمول پر شب بیداری کے ساتھ
قعود کیلئے مصلی بچھالیا اور سپیدہ نما ہونے تک ذکر و اذکار میں مشغول با ادب رہے اپنے اس غلبۂ شو
حضرتِ باری عز اسمہٗ کے دربار میں حاضری و حضوری کے شرف سے مشرف ہونے تک قائم رکھا
ربِ ذوالجلال کے سامنے سربسجود رہنے کا ارادہ فرماکر جبینِ قدسی زمین سے لگالی بس اسی حال
میں روحِ قدسی ادائے عبدیت کے اس منظر کو لیے پرواز کرگئی۔ والدِ محترم کے اسقدر جلد دائمی ج
کا صدمہ آپ کے معصوم دل پر نقش ہوگیا، ہمیشہ آپ کی آنکھوں میں تازہ سیلابِ غم موجزن رہتا، رنج وال
سبب آپ ملول سے رہنے لگے۔ ہر وقت آپ کی ننھی سی پیاری پلکوں پر شفاف موتیوں کی قطـ
لگی نظر آتی، تنہائی میں کہیں بیٹھے ہوتے تو والدِ محترم کا فضل و کمال، تقدس و تورع، عبادتِ
اور ان کے ذکر و اذکار کا اہتمام آئنہ ہوجاتا۔ آپ اپنے اس شدید رنج والم کو اپنی امی جان کی
سے بچانے، دکھائی نہ دینے والے اس صدمے کے زخم کو سینے میں چھپائے کسی ویران و سنـ

۱؎ فضل الکرامات ص ۴۰

مقام کی طرف چلے جاتے اور وہاں چپکے چپکے آنسو بہا کر دب دب کر ابھرنے والے اس کرب کا بوجھ اتار لیتے، لیکن جب گھر لوٹ آتے تو دل پھر بے اختیار ہوجاتا۔ اسی کیفیت و اضطراب کی حالت میں چند دن جو گزر گئے تو مکتب کی یاد نے عازمِ حلقۂ درس کیا۔

حق تعالیٰ کی مرضی اور اس کے لطفِ خصوصی کو سینے کے ان زخموں سے لگے جو رکھا تو وقت کا مرہم غم و اندوہ کی شدت سے کھلے ان زخموں کو بھر ڈالا۔ آپ نے کرب و اضطراب کے اس پورے عرصہ میں تحصیلِ علم کے کسی جانب توجہ نہ فرمائی۔ اسی تشویقِ حصولِ علم کی طرح فقر اللہ شاہ صاحب کے مکتب کی درسیات ختم فرمالیں جس طرح اس کی ابتدا فرمائی تھی۔ شاہ صاحب قدس سرہٗ نے بھی محنت و جانفشانی سے اپنا ذوقِ نظر آپ کے رگ و پے میں اتار دیا۔ ارشاد ہوا:

"فقر اللہ شاہ صاحب کی تعلیم سے مجھ میں کچھ مواد سواد پیدا ہوا
اور میرا ذوق و شوق بڑھ گیا۔ اضطراب و خلق نے ذوق و شوق اور
بڑھایا۔" ۱؎

علمی نشو و نما کے اس دور میں ادب و سیرت کی اہم کتابیں پوری دلجوئی اور لگن سے پڑھ ڈالی تھیں، اسی کے اثر سے معارفِ اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے جد سیدی اشرف بیابانی قدس سرہٗ کی شانِ عرفانیت کا جلوہ دکھایا۔ گھر میں والدِ محترم کے مطالعہ کی بیشتر کتابیں رکھی موجود تھیں، انھیں صبح و شام ملاحظہ فرماتے رہتے، جہاں کوئی بات دقت طلب ہوتی تو فہم فراست کا جواب درونِ مضطرب کیسے رکھتا۔ علم سے آپ کی ایسی دلچسپی مطالعۂ کتب کا آپ کا اشتیاق دیکھ کر آپ کی والدہ معظمہ دعائیں دیتیں۔ اس پاکیزہ جذبے اور ذوقِ حصولِ علم کو مسرت و محبت سے ملاحظہ فرماتے وقت آپ کے اسلاف و اجدادِ کرام کا فضل و کمال اور ان کی خاموش دینی خدمت اور فیضانِ علمیہ آئنہ ہوجاتے۔ حق تو یہ ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری اور قربِ خداوندی، علم و عمل میں ایسا کوئی دوسرا

۱؎ فضل الکرامات ص ۴۰

خاندان آپ کے خاندان کا ہمسر نظر نہیں آتا۔ سیدی درویش محی الدین قادری بیان فرماتے ہیں:

"سلسلہ بہ سلسلہ علماء اتقیا، اولیاء اللہ ہوتے آئے ہیں"۔[1]

والدِ محترم کے وصالِ مبارک کا کچھ زیادہ عرصہ گزرا نہ تھا ایک روز صبح صبح آپ والدِ محترم کی پیار بھری یادوں میں کھوئے کھوئے موضع کے تالاب بندم کی طرف چل پڑے۔ تالاب کے کنارے کنارے چلتے ہوئے فرحت بخش ہوا کے جھونکوں سے تازگی محسوس فرما کر کنارِ آب ہو... زمین پتھر[2] پر تشریف فرما ہو گئے۔ صبح کا سہانا وقت، معرفت آفریں لہروں کا منظر، چاروں... دور تک پھیلے ہوئے تالاب کا سناٹا، فضائے خموش کا سینہ چیرتی ہوئی لہروں کی صدائے بازگشت آپ کے دل کو چھونے لگی۔ آپ تالاب میں اپنے پاؤں چھوڑے محوِ نظارۂ امواج تھے یکایک اک جنبش و تیزی سے بے شمار چھوٹی چھوٹی مچھلیاں سطحِ آب پر تیرتی ہوئی آپ کے پاؤں کے قریب تر پہنچ گئیں۔ انھیں قریب پا کر انھیں چھیڑنے اور پکڑنے کا خیال بتقاضائے صغر سنی آپ کے دل میں آیا۔ مگر مچھلیاں اتنی پیاری اور خوبصورت تھیں کہ انھیں اسی طرح تیرتا ہوا دیکھنے کی چاہ اس منظر کو اسی طرح باقی رکھنے پر منحصر ہوا۔ مچھلیوں کے پیارے رنگ اور ان کی کثیر تعداد کو دیکھ کر آپ نے اپنے پاؤں اوپر کی طرف کھینچ لیے، معاً اک عجیب و غریب صورتحال پیدا ہو گئی۔ یہ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں آپ کے پاؤں اوپر کرتے ہی اپنے جسموں کو اٹھائے قطار اندر قطار آپ کے سامنے پروں کے سہارے کھڑی ہو گئیں، آپ ان خوبصورت مچھلیوں کو ایسی خلافِ عادت حالت میں پانی میں کھڑا ہوا دیکھ کر حیرت و استعجاب سے انھیں جھک کر دیکھنے لگے۔ ان کے لب کھلے ہوئے تھے اور ان کے لبوں سے ھو اللہ کی صدا صاف سنائی دے رہی تھی۔[3] آپ کے لـ...

[1] فضل الکرامات ص ۳۳، [2] و [3] ملفوظاتِ حضرت شاہ محمد کشفی بیابانیؒ۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ یہ وہی نغمہ ہے جسے رفاعی فقراء گریہ کناں گرد و دف پر اس طرح نغمہ سرا ہوتے ہیں: ھو سے روشن کر دل... اللہ ہو اللہ ٭ ذکر خدا کا کر دل تو اللہ ہو اللہ ۔ [غالباً یہ وہی چٹان ہے جس کے بارے میں سرور... نے فرمایا ہے: "جب آپ تالاب بندم پر پہنچے تو ارشاد فرمایا" "ہم اس چٹان پر بھی یادِ الٰہی میں ...
فضل الکرامات ص ۵۸

جو سماعت فرمایا اک کیفیت سی طاری ہو گئی۔ اس نغمہ کو سن کر حق تعالیٰ کی چاہ اور اس کی محبت سے دل بھر گیا، وفورِ جذبات سے آنکھیں بھیگ گئیں، جونہی صدفِ چشم موتیوں سے بھر گئے یہ منظر اوجھل ہو گیا اور آپ کی توجہ جیسے ہی بٹ گئی مچھلیاں سطحِ تالاب سے غائب ہو گئیں۔ آپ پتھر کی چٹان سے اٹھے اور گھر کی طرف تیز قدم چلے آئے۔ والدۂ معظمہ سے سعادت مندانہ حصولِ علم کی خاطر راہِ خدا کے سفر کی اجازت طلب فرمائی۔ شفیق والدہ نے اسے بغور سنا اور اس طرح اچانک ارادہ کا سبب دریافت فرمایا۔ آپ نے تالاب پر جانے اور وہاں کے دیکھے ہوئے منظر کی ساری تفصیل سنائی، اسے سن کر حق آگاہ والدہ نے گلے لگا کر دعائیں دیں، والدِ محترم کی جگہ اب آپ ہی والدہ کے ہر معاملے کی نگراں تھیں۔ والدِ محترم کے وصالِ مبارک کے بعد آپ نے اپنے ان صاحبزادے صاحب کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نظروں سے دور نہ کیا۔ آپ کسی کام سے کہیں ذرا دیر کے لیے باہر تشریف لے جاتے تو واپس گھر آنے تک بے چین رہتیں۔ کبھی جو آپ محلے میں ہم عمر ساتھیوں کے گھر تشریف لے جاتے اور لوٹنے میں دیر ہو جاتی تو مضطربانہ کاوش سے آدمی دوڑا کر تلاش فرماتیں، آپ آجاتے تو گلے لگا کر زیادہ دیر تک باہر نہ رہنے کی، محبت آمیز الفاظ میں تاکید فرماتیں۔ آپ اپنی والدۂ ماجدہ کے سامنے ادب سے زمین پر بیٹھ جاتے اور تسکین دہ کلمات سے والدۂ معظمہ کو مطمئن فرماتے۔ اب جو آپ نے اس طرح حصولِ علم کی خاطر سفر کے ارادے کا جو اظہار فرمایا تو جذبۂ شفقت نے اضطراب آمیز کیفیت پیدا کر دی، ضبط کی انتہائی کوشش کے باوجود والدۂ معظمہ کا دل قابو میں نہ رہ سکا۔ آپ نے والدۂ ماجدہ کی یہ کیفیت ملاحظہ فرمائی تو قریب پہنچ کر ان کے دامنِ قدمی میں اپنا سر رکھ دیا اور اجازت حاصل ہونے تک دامن سے اپنے سر کو جدا نہ فرمایا۔ کچھ دیر بعد حالت ضبط ہو گئی تو اپنے صاحبزادے کے سر کو چوم کر، اخی مکرم حضرت سید مرتضیٰ حسین قدس سرہٗ کے حیدرآباد میں موجود رہنے کا اطمینان کر کے خود کو دلاسہ دے لیا، تھوڑی دیر پہلے تک دل پر جو گرانی تھی، جاتی رہی، حق تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ اور دل کو کڑا کر کے دعائے ازدیادِ علم اور اجازتِ سفر کے ساتھ بکمالِ شفقت جس قدر رقم ہاتھ لگی لا کر رکھ دی۔

سفرِ حیدرآباد اور اعلیٰ تعلیم

والدۂ معظمہ کی اجازت کے حاصل ہوتے ہی آپ نے سامانِ سفر درست کیا اور جتنا جلد ممکن ہوسکا عزمِ سفر فرمایا۔ والدِ محترم سے ورثہ میں ملا گھوڑا، زادِ راہ کے لیے تھوڑی سی ریزگاری، حاصل فرماکر والدۂ مکرمہ سے بوقتِ رخصت دعا کے طلبگار ہوئے۔

حیدرآباد، خیر البلاد، آصفجاہی سلاطین کا دارالحکومت تھا۔ ان کی سرپرستی میں علماء و مشائخینِ کرام کی اک بڑی تعداد یہاں مسکن گزیں تھی، قابل و لائق اساتذہ کے سبب اس شہر کو اک امتیازی شان حاصل تھی۔ اس شہر میں آپ کے تایا قطبِ وقت حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ اور آپ کے ذی علم ماموں حضرت سیدی مرتضیٰ حسین قدس سرہٗ بھی موجود تھے۔ ان دونوں بزرگ ہستیوں میں جن کے یہاں چاہتے آپ قیام فرماسکتے تھے لیکن آپ نے مدرسہ کی قربت اور والدۂ ماجدہ کے منشاء و اطمینان کی خاطر اپنے انہی ماموں صاحب محترم کے گھر میں قیام کا فیصلہ کیا۔ سفر کی تیاری ہوچکی تو والدۂ مکرمہ نے دعائے یازدہ کاف عطا فرماکر رخصت کیا۔

والدۂ ماجدہ کی شفقت و محبت نے حصولِ علم کیلئے ارادۂ سفر کے اس موقع پر والد محترم کی عدم موجودگی کا ذرا احساس نہ ہونے دیا۔ آپ نے بادیدۂ نم والدۂ ماجدہ کی قدمبوسی فرمائی اور شدتِ غم کی متاع کو اپنے نہاں خانۂ دل میں پوشیدہ ہی رہنے دیا اگرچہ ضبط کی انتہائی کوشش کے باوجود موجِ اشک اٹھ اٹھ کر پلکوں کے کناروں سے ٹکراتے رہے آپ نے ان آنسوؤں کو گوشۂ چشم میں جذب فرماکر انھیں سیلِ رواں بننے نہ دیا اور جلد گھر سے نکل پڑے۔ احباب کچھ دور تک چھوڑنے چلے آئے آپ کے خادم آبادی کے سرے تک آپ کی مشایعت فرماکر واپس ہوگئے آپ نے ان سب کو رخصت کیا اور بجانبِ حیدرآباد گھوڑے کو ایڑھ لگائی۔

سنسان کچے راستے، جنگلوں، بے آب و گیاہ میدانوں، وحشت انگیز ویرانوں، ہیبتناک قفقوں اور دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرے لیکن کسی بھی مقام پر خوف و ہراس اثر انداز نہ ہوا۔ ذرا سی عمر میں تنہا، رہنما و رہبر کے بغیر آپ کا پہلا طویل سفر تھا یقیناً آپ کے مستحکم و مضبوط ارادے

کا مظہر تھا۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ فرماتے ہیں:

"آپ ایک سو میل طویل سفر پر نکل گئے تھے۔ راستے کے بعض حصے گھنے جنگلوں اور پہاڑوں کی وجہ انتہائی پرخطر تھے، آپ تنہا گھوڑے پر یہ سفر طے کر رہے تھے"۔ [1]

اپنے مقصد کا خیال دل میں لیئے دو چار منزلیں طے فرماچکے تھے، گھوڑے کیلئے چارہ پانی کا خیال ذہن میں آتے ہی ذرا دیر کے لیے اک ٹھنڈے مقام کا انتخاب کرکے رک گئے، پاس ہی ہری گھاس اُگ رہی تھی سواری کو قریب کے درخت سے باندھ کر چرنے چھوڑ دیا خود ایک پتھر پر تشریف فرما ہوگئے۔ والدۂ ماجدہ کے وداعی کلمات یاد کرکے دل امڈ آیا۔ شدید رنج و الم کی کیفیت نے حلق کے غدود پر اثر ڈالا۔ آپ اپنے گلے میں خشکی کے سبب تنگی و سختی محسوس فرماکر بے چین ہوگئے پیاس محسوس ہونے لگی۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ کا بیان ہے:

"آپ کو یکایک حلق میں شدید درد ہوا، دونوں غدود مل گئے شدت کی پیاس ہونے لگی"۔ [2]

اکثر تجربہ میں آیا ہے کہ شدید رنج و الم کی حالت میں مرغولۂ غم سینے میں بھر جاتے ہیں اور حلق تک ان کا اثر جاتا ہے لیکن جی بھر کر رو لینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوکر حالت معمول پر آجاتی ہے۔ آپ پر اس وقت ایسی ہی حالت طاری تھی اور اسی کیفیت کا غلبہ تھا کہ والدۂ ماجدہ سے اجازت لے کر گھر سے نکلتے وقت آنسو ضبط فرماکر چلے تھے یہاں جو ذرا دیر کے لیے رک گئے تو اس کیفیت میں اضافہ ہوگیا۔ شدتِ پیاس سے مضطرب پانی کے لیے متجسسانہ نظر دوڑائی۔ قریب ہی کسی قوی الجثہ جانور کے بھاگنے کی آواز پر چونک گئے۔ اس سے آپ نے اندازہ قائم کیا کہ یہیں کہیں ضرور پانی کا چشمہ بھی ہوگا۔ آپ کا قیاس درست تھا۔ ذرا آگے بڑھ کر

---

[1] و [2] فضل الکرامات ص ۴۵

دیکھا تو درختوں کے جھنڈ میں ایک چشمہ دِر آب بہتا نظر آیا اگرچہ درختوں کی کثرت اور ان کے اس
چشمہ پر جھک جانے کے سبب چشمہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آپ جہاں کھڑے تھے، ذرا ہی فاصلے
پر یہ چشمہ موجود تھا' آپ اس چشمہ کی جانب بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ اس کے کنارے شیر و خنزیر کو
آپس میں ایک دوسرے پر غرّاتے دیکھا۔ سیدی درویش محی الدین قادری نے لکھا ہے :

"آپ تنہا تھے' پانی کی تلاش میں کسی چشمہ پر پہنچے تو دیکھا کہ
ایک شیر اور خنزیر ہے دونوں ایک دوسرے پر غرّا رہے تھے" [1]

اِن دونوں وحشی جانوروں کی طاقت آزمائی کا یہ ہولناک منظر یقیناً قاطع اوسان تھا
مگر آپ انھیں پورے اطمینانِ قلب سے ملاحظہ فرماتے رہے، تنہائی سے جڑے اس نظارے سے
آپ کے دل سے غم و الم کا سارا بوجھ اتار دیا۔ دونوں جانور کچھ دیر ایک دوسرے پر ڈر و خوف سے
حملہ کرنے کا ناٹک کرتے رہے پھر گھنے جنگل کا فائدہ اٹھا کر جدا جدا سمتوں میں روپوش ہو گئے۔
دنیا اور اس کی ہر شئے بہ شکل شیر و خنزیر آپ کے سامنے متشکل ہو کر آئی تھی۔ آپ انھیں
دیکھ کر ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ شیر دنیا کے رعب کی علامت تھا اور خنزیر، رغبتِ دنیا لہو و لعب
بن کر پنجہ آزما تھا۔ جونہی ان دونوں پر آپ کی نظر پڑی، دونوں ہی انجانے خوف سے تھرا کر
غائب ہو گئے کہ آپ نے لاحول الخ پڑھی تھی۔ [2]

آپ جاگیردار و صاحبِ اختیار قاضیِ سرکار تھے سطوتِ شاہانہ و عظمتِ قاضیانہ سے
دربارِ عدل سجائے رکھتے۔ زاید از سو سال چلی آ رہی میراثِ منصبِ قضات کا جشن منا کر وقار
کی امین مسند کو آنکھوں سے لگائے مرفہ الحال زندگی بسر فرما لیتے، چاہتے تو آرام و آسائش کی زندگی
بہ آسانی آپ کو حاصل ہو جاتی کہ مسندِ قضات کا جلال اور قلمِ افتاد کا رعب دونوں ہی آپ کے
دامنِ دولت سے وابستہ تھے۔ طلبِ علم کا شوق بھی امتیازی شان اور ہر طرح کی سہولتوں سے نجات

---

[1] افضل الکرامات صفحہ ۴۵ ۔ [2] سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الا ذکر

ہو جاتا۔ رسمی علوم ماہرانہ کمال سے گھر بیٹھے حاصل ہو جاتے مگر آپ نے ایسا نہیں چاہا اپنی شانِ باطنی
و سطوتِ بیابانی کو لباسِ فقر میں چھپائے رکھا۔ بقول میر منور علی صاحب

"آپ قاضی اور بڑے جاگیردار، جاگیر کی معقول اور وافر آمدنی
قضات و جاگیر کے واحد مالک اور فتوحات بھی کثرت سے تھیں" [1]

آپ نے عیش و آرام کو ترک فرمایا اور سندِ فراغ حاصل ہونے تک وِرثہ میں ملے قضات کے اس عہدے
سے دست کش رہنے کا تہیہ کر لیا۔ بہ زمانۂ تعلیم ابتدائی، یہ فرمانِ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ زبان والدِ محترم
سماعت فرمایا تھا : مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ (جس کو قاضی بنایا اس کو
بغیر چھری کے ذبح کیا۔) کیوں کہ یہ سنتِ الٰہی بھی ہے اور سنتِ انبیاء بھی، سنتِ الٰہی اس لیے کہ روزِ
حساب اللہ "خود قاضی بن کر مخلوق کا حساب لے گا" سنتِ انبیاء اس لیے کہ ان کا ہر فعل عدل و انصاف
کا آئینہ دار ہو گا۔ حضرت ابوبکر رازیؒ نے قاضی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :

"قضاۃ کے لائق وہ شخص ہوتا ہے جو تحصیلِ علوم اور مرتبۂ اجتہاد اور
عقلِ کامل کے علاوہ ریاضت پروردہ نفس رکھتا ہو اور جس کے اخلاق
حمیدہ ہوں۔ ارادت نیک اور دل نظرِ الٰہی سے منور ہو" [2]

جس دن سے آپ نے اس فرمانِ عالی کے مفہوم کو ذہن نشین کر لیا تھا، اسے اپنا منشورِ حیات بنائے
رکھا۔ کبھی بلا ضرورت کسی سے کلام نہیں فرمایا او جب تک اپنی ذات کو اس مسندِ عدل کے قابل
نہیں بنا لیا والدِ محترم کی اس جگہ کو نہایت ادب سے نگاہ میں رکھا۔ ان کے وصالِ شریف کے
بارہ سال بعد تک اسی ادب و احترام کے پیشِ نظر مسندِ رشد و ہدایت و کرسیِ عدل و قضایت
پر رونق افروز ہونے سے عذر فرمایا اور جب تک آپ کی ذاتِ گرامی اس عز و شرف سے
مشرف نہ ہو گئی اور علومِ شرعیہ کے کمال اور اس کے ہر شعبہ میں ماہرانہ اختصاص سے سندِ فراغ

---

[1] ضیائے بیابانی صفحہ ۹۴ [2] مترجمہ مرصاد العباد اردو صفحہ ۳۲۴

حضرت خواجہ عبدالوحید المعروف ابولبیان سبحانی شاہ بیابانی رفاعی القادری ۔

حاصل نہ فرمالیا اپنی تربیتِ علمیہ کے لمحات سے رخ نہ موڑا، اسی طرح اپنی سعی جاری رکھی جس طرح سے اس کے جاری رکھنے کا حق تھا۔

حق پژوہی تو آپ کا مقصدِ حیات تھا۔ والدِ محترم سے سلسلۂ رفاعیہ کے صاحب مجاز تھے اسلافِ کرام کی عظمت ان کے زہد و اتقا کی شان ہمیشہ ہی سے پیشِ نظر رکھی تھی، کبھی بھولے بسرے بھی رفاعی آداب فراموش نہ ہوئے۔ حق تعالیٰ کی مرضی اور اس کی رضا کے جس کام کا ارادہ فرماتے اس کے پورا ہونے تک چین نہ لیتے تھے۔ آپ کا یہ علمی سفر اسی سلسلے کی پہلی کڑی تھا۔ آپ اس سنسان قاطعِ اوسان جنگل میں جہاں دور، دور تک آدم نہ آدم زاد، تنہا کھڑے تھے پیاس کی شدت سے زبانِ مبارک سوکھ کر سخت ہو گئی تھی، بھوک کے غلبے کا اثر تازہ تھا چاروں طرف سے خوفزدہ کر دینے والی تنہائی آپ کی ہمت و استقلال کو چنوتی دے رہی تھی، آپ بہ ارادہ حصول آب اس چشمہ کی طرف بڑھنے ہی والے تھے کہ حق تعالیٰ کی بھیجی ہوئی، بھوک و پیاس اور لذائذِ دنیا سے دل کو بے نیاز کر دینے والی روغنِ زیتون سے گندھی نانِ میسر یا بذریعہ خضر علیہ السلام آپ تک پہنچائی گئی۔ سیدی درویش محی الدین قادری، آپ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

"اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ سیاہ فام میرے قریب کھڑے ہیں انھوں نے مجھے روٹی عنایت کی میں نے اسے کھا لیا، میری بھوک جاتی رہی، حلق کا درد کم ہو گیا تشنگی رفع ہو گئی بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ بزرگ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔" [1]

حق تعالیٰ کی محبت اور اس کی راہ میں پیش آئندہ آزمائشوں کے لیے آپ کو ابھی سے خوگر بنایا جا رہا تھا خضر علیہ السلام کی لائی ہوئی روٹی جو آپ نے تناول فرمائی، بھوک و پیاس آپ کے ارادے کے تابع ہو گئے، آپ جب کچھ کھانا چاہتے تبھی اشتہا ہوتی ورنہ کبھی اس طرف

[1] فیض الکرامات صفحہ ۴۶

آپ کا ذہن سلیم نہ جاتا، خضر علیہ السلام کی دی ہوئی روٹی کھانے کے بعد نہ وہ اضطراب تھا نہ بے چینی نہ وہ حزن و ملال نہ وہ لکا دکٹِ دنیا نہ وہ احساسِ کربِ تنہائی، ساری تکلیفیں اور ساری کلفتیں یکلخت رفع ہو گئیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک فدوی کے ذہن نے سپردِ قلم کیا:

"جو شخص دین کا علم حاصل کرنے گھر سے نکلتا ہے، جب تک وہ گھر واپس نہیں آجاتا اللہ کے راستے میں ہے۔" (المفہوم)

سیدی درویش محی الدین قادری نے اسی نکتے پر بلیغ تبصرہ کیا ہے:

چشمۂ حیواں کے کنارے حضرت خضر علیہ السلام نے روٹی کھلا کر گلستانِ الفتِ الٰہی کے موسمِ بہار کا پیغام پہنچا دیا۔" [1]

خضر علیہ السلام، آپ کی توجہ کو ہٹا ہوا پا کر وہاں سے غائب ہو گئے، آپ پھر اس تنہائی کے جنگل میں کھڑے کچھ دیر پہلے گزرے ایک ایک لمحہ پر غور کرتے رہے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا فرما کر اپنے گھوڑے پر نظر ڈالی، وہ بدستور طوالتِ سفر کے خیال سے بے نیاز گھاس چر رہا تھا آپ نے اسے چشمے کا پانی پلایا اور تازہ وضو فرما کر بجانبِ منزل گھوڑے کو مہمیز کیا گھوڑا جو تازہ دم ہو گیا تھا اور تیز قدم ہو گیا۔ اس کی رفتار سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دوڑ نہیں رہا ہے بلکہ زمین زیرِ قدم سمٹتی جا رہی ہے حیدرآباد پہنچے تو اپنے ماموں حضرت سید شاہ مرتضیٰ حسین [1] قدس سرہ سے نیاز حاصل فرمایا، سیدی درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں:

"جب آپ حیدرآباد پہنچے تو اپنے رشتے کے ماموں مولوی سید مرتضیٰ حسین صاحب کے مکان واقع قطبی گوڑہ مقیم ہو گئے۔" [2]

[2] فیض الکرامات صفحہ ۴۶

[1] حضرت سید مرتضیٰ حسین قدس سرہٗ ذی علم و بااتقات بزرگ تھے، آپ کے اخلاق اور اوصافِ عالیہ کا ہر ملنے والا گرویدہ ہو جاتا جس محفل میں تشریف لے جاتے قدر و منزلت اور تکریم سے مسندِ عز و شرف پر بٹھائے جاتے۔

قریبیہ کا ذکر عزت سے کیا گیا ہے۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ نے فرمایا ہے:

"حضرت حافظ صدرالدین صاحب صاحبِ تقویٰ بزرگ تھے آپ کے احوال کتاب "محامدِ حمادیہ" میں مذکور ہیں۔"[1]

حافظ صدرالدین صاحب قدس سرہٗ کے پڑھانے کا انداز ہم عصر اساتذہ صاحبان سے جدا تھا۔ آپ جب کوئی آیت تلاوت فرماتے تو اولاً اس کی ادبی خوبیوں، صنائع بدائع، صرف و نحو، انتخابِ الفاظ کی اہمیت کا تفصیل سے جائزہ لیتے۔ پھر اس کے شانِ نزول کو سمجھاتے بعد میں آیت کی ظاہری و باطنی تفہیم کر کے اس کے مطالب کو خوب اچھی طرح سامع کے ذہن نشین کرتے۔ آپ جب لحن و آہنگ سے قرآن تلاوت فرماتے تو سننے والے پر دیر تک اس کا اثر طاری رہتا اور وجد کرنے لگتی۔ سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ نے اک لمبے عرصہ تک انہی اساتذہ صاحب سے اکتساب فیض فرمایا۔ جب آپ ان دونوں اساتذہ صاحبان کی درس گاہوں سے علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل فرما کر سندِ فراغ لی تو برگزیدۂ آفاق ہو گئے۔ حق تو یہ ہے کہ علم و حکمت کے کبھی نہ سوکھنے والے ان سرچشموں سے مشائخین و طلبائے متوکلین و متکلمین کی کثیر تعداد ہمیشہ مستفیض ہوتی رہی۔ آپ نے جب ان علمی نہروں کی بوند بوند پاکیزگی سے اپنی علمی پیاس بجھالی تو علوم عقلیہ و نقلیہ کا کوئی شعبہ باقی نہ رہا۔ معرفتِ حق سے روح بھی آشنا ہوتی گئی۔ وہ علم جس کی ابتدا آپ نے اپنے والدِ محترم سے فرمائی تھی علمی انتہا میں حافظ صدرالدین صاحب قدس سرہٗ کو پایا۔ مولوی بشیرالدین صاحب بشیر نے لکھا ہے:

"اولاً آپ نے اپنے والدِ ماجد قبلہ سے پھر حضرت فقر اللہ شاہ صاحب سے بعد ازاں مولوی قطب الدین صاحب سے پھر حافظ صدرالدین صاحب قدس سرہٗ سے تعلیم پائی۔ یہ تمام حضرات جید عالم اور صاحبِ دل تھے۔"[2]

سیدی درویش محی الدین قادریؒ نے آپ کا یہ بیان نقل فرمایا ہے۔

---

[1] افضل الکرامات صفحہ ۴۹ (مجھے کوشش کے باوجود یہ کتاب نہیں ملی ورنہ کچھ اور حالات شاملِ مضمون ہوتے)
[2] شجرۂ خاندانِ بیابانی صفحہ ۱۷

"میں نے وہلۂ اول میں قطب الدین صاحب اور وہلۂ آخر میں مولوی حافظ سید صدرالدین صاحب سے درس حاصل کیا۔ یہ دونوں حضرات زبردست عالم اور باخدا بزرگ تھے۔"[1]

ان صاحبانِ علم و فضل سے جملہ علوم کی انواع[2] میں کمال تحقیق و تدقیق، نہایت رغبت و دلسوزی سے دس سال تک وسعتِ نظر پیدا فرماتے رہے، تا ختمِ درس و افاضہ کوئی دن ناغہ نہ فرمایا۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ کا بیان ہے:

"علومِ قرآن، سنت اور دیگر علومِ دینیہ کی تکمیل کے لیے درس و تدریس کا سلسلہ دس سال تک جاری رکھا۔"[3]

باکمال اساتذہ صاحبان کی ان درس گاہوں سے جب دستارِ فضیلت و سندِ فراغ حاصل فرما کر اٹھے تو انہی تاجدارانِ علم کے ہاتھوں عزّ و شرف کی چادر اوڑھ کر انصاف و سعادتِ الٰہیہ کا جامہ پہنا اور زہد و اتقا کی تسبیح کو انگلیوں میں حائل کر لیا۔ آپ جو اس شان سے اوصافِ رفانیہ کو سینے سے لگائے یہاں سے نکلے تو آپ کا دامنِ قدسی ان علمی خزانوں کے آبدار موتیوں سے چھلکنے لگا تھا اور سطوتِ اسد اللّٰہی کا تاجِ زرنگار اسلاف کی عظمت و جلالتِ شان لیے جبینِ قدسی سے جھلکنے لگا۔ جب تک حیدرآباد میں رہے اپنے ان جلیل القدر اساتذہ صاحبان سے استفادۂ علمیہ کے کسی لمحے کو ضائع نہ فرمایا۔ ہمیشہ مودبانہ ملتے رہا کیے۔

---

[1] افضل الکرامات صفحہ ۴۶
[2] حضرت پیر و مرشد قبلہ شاہ محمد کشفی بیابانیؒ کا بیان ہے، کہ آپ جملہ علوم میں ماہرانہ کمال سے سندِ فراغ حاصل فرمایا تھا۔ دونوں اساتذہ صاحبان سے آپ نے، علمِ صرف و نحو، منطق، معانی، فقہ، حدیث، اصول علم حدیث، تفسیر، عقاید، فرایض، لغت، علمِ سیاق، اصولِ فقہ، مناظرہ، تصوف، حکمت، قرأت، قواعدِ فارسی، بلاغت، علمِ اشتقاق، علمِ بدیع، فصاحت، تاریخ، انشا، شعر، استدلال، خط، علمِ نقط، عروض، جفر، ہندسہ، ہیئت، حاصل کیے تھے۔
[3] افضل الکرامات صفحہ ۴۷

علمِ حصولی سے فراغ حاصل فرما لیا تو علمِ حضوری کے لیے اپنے تایا سیدی آقائی مولائی سید شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ کے یہاں روزانہ دونوں وقت حاضری و حضوری کے شرف سے مشرف ہونے لگے۔ فدوی اسے آپ کی حیاتِ قدسی کا قابلِ عز و شرف دور سمجھتا ہے کہ جب آپ اِن باکمال اساتذہ صاحبان سے تحصیل و تکمیلِ علوم کے بعد اکملیت کا تاجِ زریں اور تمغۂ وقار سر سے لگائے محترم تایا صاحب کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضر ہوئے تو شفیق تایا نے گلے سے لگا کر مسرت کا اظہار کیا۔ اسی دن سے آپ نے محترم تایا صاحب کے حجرۂ تقدیس میں گوشہ گیر رہ کر ایک مدت تک استفادۂ باطنی و اسرارِ الٰہی کی تعلیم سے خود کو مشرف کر لیا جس سے دل کی کیفیت ہی بدل گئی۔ شفیق تایا نے علومِ ظاہری[1] و باطنی کے ساتھ تصور و تصدیق کی مشق کیا کرائی کہ دل علائق دنیا سے بیزار ہو گیا جب بھی محترم تایا صاحب بہ لمحاتِ فرصت دیوانِ حافظ پڑھاتے عشقِ الٰہی سے دل بھر جاتا۔ حق تو یہ ہے حضرت کی صحبت کیا میسر آئی کہ پارس ہاتھ آیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اسرار و رموز سے واقفیت ریاضت و عبادت کی مشقت، مجاہدہ و تزکیۂ النفس فرما کر اخلاقِ ملکیہ کا لطف اٹھایا حضرت نے اپنی خصوصی توجہ سے آپ کے خانۂ قلب کو عرفانِ الٰہی سے کیا معمور کر دیا گویا آپ کی روحانی منزل کو آسان کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ حضرتِ واجب الوجود کی محبت اور اس کی معرفت کی تڑپ شب و روز مضطرب کیئے رہنے لگی۔

---

[1] حضرت ابوبکر ذکریا ماری رحؒ فرماتے ہیں:

"علومِ ظاہری تو وہ ہے جو صحابۂ کرام کے اقوال افعال سے حاصل ہوا اور اسی پر تابعین و تبع تابعین نے سلسلہ بہ سلسلہ عمل کیا اور اسے سیکھا اور وہ علم کتاب علمِ سنت علمِ تفسیر، علم الاخبار، علم الاثار، علم فقہ اور جو ان کے متعلق ہے اور علمِ باطنی، احوال کی معرفت اور معانی کا وہ علم ہے جو جبرئیل علیہ السلام کے وسیلے بغیر غیب الغیب سے مقام او ادنیٰ میں حالتِ لی مع اللہ وقت، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا۔" مرصاد العباد مترجم ص ۳۲۱

قطب الاقطاب حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ العزیز

سلسلۂ عالیہ قادریہ کے عظیم المرتبت فرزند، خانوادہ قادریہ موسویہ کے روشن چراغ، سیدی آقائی مولائی سید شاہ موسیٰ قادری قدس سرہٗ کے نورِ نظر اور فرزندِ اکبر تھے سلسلۂ نسب بائیس واسطوں سے سرکار شہنشاہِ بغداد سے مل جاتا ہے۔ حضرت کے والدِ محترم حضرت سیدی سید شاہ موسیٰ قادری قدس سرہٗ سرکار قاضی میٹھہ قدس سرہٗ کے والدِ محترم کے حقیقی ماموں صاحب تھے اسی رشتے سے سیدی سید شاہ غلام علی قادری قدس سرہٗ، سرکارِ قاضی میٹھہ قدس سرہٗ کے تایا ہوتے تھے۔ حضرت کے روحانی و اعلیٰ تر مقام و مرتبہ کے لیے بس اتنی ہی بات کفایت کرتی ہے کہ

"ہفتہ میں ایک بار حضرت خضر علیہ السلام آپ کی ملاقات کو آیا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کی ریاضت کا یہ حال تھا کہ سال ہا سال آپ نے آرام نہیں فرمایا۔"[1]

سیدی وحید القادری عارف قدس سرہٗ نے سرکار قاضی میٹھہ سے آپ کی رشتہ داری کا ذکر اس طرح کیا ہے،

"حضرت شاہ افضل بیابانی کے والدِ ماجد حضرت سید شاہ غلام محی الدین بیابانی، حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کے خواہر زادے تھے، اسی رشتے سے حضرت شاہ افضل بیابانی حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی کے بھتیجے ہوتے تھے۔"[2]

بہ معن تائیدِ غیبی اور آپ کے ذوق آفرینی کا اثر تھا کہ راہِ سلوک کی تعلیم کے حصول کا شوق آپ کو حضرت کی جناب میں کھینچ لایا۔ حضرت سید وحید القادری عارف رحؒ رقمطراز ہیں:

"آپ نے حضرت فقر اللہ شاہ صاحب، مولوی قطب الدین صاحب، حافظ صدر الدین صاحب سے علومِ باطنی کی تعلیم کے علاوہ حضرت

---

[1] افضل الکرامات ص ۴۸ [2] مشکواۃ النبوۃ ضمیمہ جلد ہشتم ص ۱۱

سید شاہ غلام علی قادری الموسوی سے راہِ سلوک کی تعلیم حاصل کی[1]

حضرت کا یہ فیضِ صحبت تو مشیتِ الٰہی کا ایک حصہ تھا، آپ نے تو حضرت قدس سرہٗ کے شب و روز کی تعلیم و تلقین سے اسقدر استفادہ فرمایا تھا کہ کسی بھی زمانے میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ جب تک حضرت کی خدمت میں رہے عجز و نیاز سے عبادتِ شبانہ روز کا لطف اٹھایا اور بستر سے اپنی پیٹھ نہیں لگائی حق تعالیٰ سے محبت کا شغف دل سے جدا نہ رکھا، ذکر و اذکار کے سبب اس کیفیت کے اثر کو تازہ رکھا۔ حضرت نے حبسِ دم ذکر کرنے کی اجازت عطا فرمائی آپ نے اُسے درجۂ کمال تک پہنچایا القان کی اس منزل پر شغلِ نیم شبی نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ کی لذت کا کچھ ایسا خوگر کرایا کہ حجرہ کو [illegible] میں جب حضرت محوِ انوارِ الٰہی رہا کرتے آپ بھی ایسے وقت نزولِ تجلیات سے اپنا حصہ پاتے کچھ ہی دنوں میں حضرت کی نظرِ فیض اثر نے آپ کے قلب طاہر کی کچھ ایسی تربیت کی آپ اخلاقِ ربوبیت سے آراستہ ہوگئے، اس عطیۂ خداوندی کے سبب آپ نے دوامًا اپنی عنانِ توجہ ریاضت اور مجاہدات کی طرف موڑ دی۔ حضرت سیدی درویش محی الدین قادری نے لکھا

"اس دوران آپ کو ذوق و شوقِ قلبی نے عبادت و مجاہدہ کی طرف کھینچا۔ حسنِ اتفاق کہ اس نوبت پر آپ کے رشتے کے تایا حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیضِ صحبت اور رہبری حاصل ہوگئی"[2]

سیدی سید شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ کا معمول تھا کہ کبھی نصف شب کے بعد کلام [illegible] کا درس بھی دیا کرتے، ایک دن آپ دیوانِ حافظ کا کوئی شعر ارشاد فرما کر اس کی معنوی خوبیاں بیان کر رہے تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ آپ حضرت کے پاؤں سے لگے بیٹھے تھے، تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ حضرت کا قلب ذکرِ کلمۂ طیبہ سے جاری ہوگیا۔ قلبِ قدسی سے کلمۂ طیبہ کا ذکر سن کر آپ کی روح وجد کرنے لگی۔ آپ نشۂ عرفانِ الٰہی سے سرشار ہو کر اٹھے اور حضرت قدس سرہٗ کے

۱؎ مشکوٰۃ النبوۃ، ضمیمہ جلد ہشتم صفحہ ۱۱-۱۲ ۲؎ فضل الکرامات صفحہ ۴۷

قلبِ ذاکر کا مستانہ وار طواف کرنے لگے۔ ابھی ایک شوط پورا نہ ہوا تھا کہ حضرت نیند سے بیدار ہوگئے۔ ارشاد ہوا:

"ایک روز آپ آرام کر رہے تھے اور میں آپ کے پاؤں دبا رہا تھا، حضرت قدس سرہٗ کا قلبِ مبارک جذبۂ نیاز مندی سے مملو تھا، اور حضرت سید شاہ غلام علی قادری صاحب قبلہ مشغول بہ ناز حالتِ نوم میں تھے۔ میں نے حضرت کا طواف کیا اور دست بستہ کھڑا ہوگیا۔"[1]

حضرت سیدی سید شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ کا قلبِ طاہر ذکر سے جاری تھا اس کے اثر سے سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ کا جسمِ قدسی مشغول بہ طواف ہوگیا۔ جونہی حضرت قدس سرہٗ نے پردۂ چشم اٹھا کر آپ کو دیکھا کہ آپ جذبۂ نیاز مندی سے مستانہ وار طواف کناں ہیں، نہایت شفقت و محبت سے ارشاد فرمایا:

"کیا تم نے کچھ دیکھا ہے" آپ نے عرض کیا "ہاں دیکھا ہے کہ حضرت کا قلب شریف بعالمِ نوم ذکرِ کلمۂ طیبہ سے جاری تھا"[2]

بس اتنا ہی سماعت فرمایا تھا کہ حضرت فرطِ مسرت و انبساط سے اٹھ بیٹھے اور آپ کو اپنی آغوش میں لے کر سینے سے لگا لیا اور اپنی ساری کیفیتِ قلبی و قوتِ روحانی آپ کے قلب طاہر میں منتقل کردی اور یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے:

"الٰہی جیسا میرا حال ہے اس کا بھی حال ایسا ہی فرما دے اس کے ساتھ ہی ذکرِ کلمۂ طیبہ تلقین فرمائی"[3]

اور دیر تک مراقب رہے۔ بعد فراغتِ مراقبہ فیوضات و برکات، امانتِ دولتِ قادریہ، کلاہ

۱؎ [illegible] ۱۲ ۲؎ ۳؎ فضل الکرامات صفحہ ۴۸ ۳؎

عطا فرمائی۔ اس عطائے نعمت و دولتِ عظمیٰ کے بعد عرصۂ ایک سال حجرۂ قدسی میں آپ مشغول
بہ ریاضت و عبادت رہے حضرت درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں:

"حضرت قدس سرہ آپ کی خدمت میں کم و بیش ایک سال رہے ہیں"[1]

اس شب و روز ذکر و اذکار کی مشق کے ساتھ نسبتِ اولیسیہ کو مزید مستحکم بنائے رکھا اس سار
مدت میں آپ نے حضرت سید شاہ غلام علی قادری قدس سرہٗ کے حجرۂ قدسی سے اپنا قدم باہر
نکالا حضرت کے فیضان سے دن دونی رات چوگنی ترقی جو ہوئی تو از خود آپ کی ذات
گرامی سے چھے دہی نسبتوں[2] اولیسیہ، سکینہ، وجدانیہ، حفظیہ، عشقیہ و ملکیہ کا ظہور ہو
شفیق تایا کی رموز آشنا نگاہیں جب بھی انھیں دیکھتیں، ترقی درجات و مقاماتِ بلند آشنا
ہو جاتیں۔ آپ نے حضرت قدس سرہٗ کے ان اوقاتِ قدسی کے ایک ایک لمحے سے اپنی ذات
کو ذوقِ وجدان اور تن دہی سے پابند رکھا تھا وہ آپ ہی کا حق تھا۔ حضرت جب تہجد کے لیے
بیدار ہوتے تو آپ بھی بستر سے اٹھتے اور حضرت کے وضو کے لیے پانی لوٹے میں لئے
رہتے، حضرت کے وضو فرمانے تک لوٹے سے پانی دیتے جاتے۔ اسی حجرۂ تقدیس میں جب
حضرت قدس سرہٗ عبادتِ الٰہی کیلئے قیام فرما ہوتے تو آپ بھی جلد وضو فرما کر حضرت کے
محوِ یادِ الٰہی رہتے۔

۱۔ افضل الکرامات ص۴۸ ۲۔ نسبتِ اولیسیہ: اولیائے متقدمین سے روحانی تعلق، نسبت
جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے شرفِ نیاز۔ نسبتِ وجدانیہ: تصرفاتِ روحانی، نسبتِ حفظیہ
خود سے بیخبری اور عالم سے بے ربطی۔ نسبتِ عشقیہ: حق تعالیٰ کے وجود کا قرب و یقین نسبت
نوری مخلوق سے تعلق۔ پروفیسر طاہر القادری صاحب نے لکھا ہے: اہلِ معرفت کو اپنے ایمان و عمل کی برکت
اسی زندگی میں کئی جنتیں نصیب ہوتی ہیں مثلاً جنتِ عبودیت، جنتِ ربوبیت، جنتِ محبت، جنتِ معرفت، جنت
جنتِ مشاہدہ، جنتِ وصال، جنتِ بقا، ان سب جنات کے نیچے الگ الگ روحانی نہریں رواں ہیں

صحرا نوردی

آپ کی پاکیزہ نفسی کے اکیس سال پورے ہو چکے تھے، دل حبِ جاہ، حبِ وطن اور
علائقِ دنیوی اور اندیشۂ کمال و زوال سے بے نیاز ہو چکا تھا، ذکر و اذکار کی مداومت سے
تارِ نفس ہمیشہ جاری رہنے لگے کبھی جو شفیق تایا قدس سرہٗ نکاتِ اسرارِ الٰہی کا انکشاف فرماتے تو
محبتِ الٰہی اور حق تعالیٰ سے دلبستگی مضطرب و بے چین کیئے رہتی۔ دل کی اس انقلابی و تغیر پذیر
حالت سے مجبور استادِ محترم حافظ صدر الدین صاحب قدس سرہٗ کی درس گاہ چلے جاتے کہ اپنے
تایا صاحب محترم سے، ادب کے پیشِ نظر دل کی اس کیفیت کا اظہار نہ کر سکتے تھے حافظ صدر الدین
قدس سرہٗ کی درس گاہ اک طرح سے آپ کے تسکین کا ذریعہ تھی، جب بھی آپ اپنے استادِ محترم سے
ملتے ان کے درس کی خوبیوں کا لطف اٹھاتے۔ فی الحقیقت اس آفتابِ علم کی روشنی سے
دل و دماغ کو کچھ ایسی تازگی و توانائی حاصل ہو جاتی کہ شوقِ عرفانِ حق کا حصول اور عشقِ حضرتِ
لم یزل کو پانے کی للک حَبَّۃُ القلب[1] کو منور کر جاتی۔ اشتیاقِ تقربِ الٰہی بڑھ بڑھ کر آمادۂ
صحرا نوردی کرتا لیکن عقل قیود و حدودِ شرع سے نکلنے نہ دیتا۔ آپ اپنی اس کشمکش اور کشاکش کو
اپنے استادِ محترم سے بیان کرنے کا ہر مرتبہ ارادہ کرتے اور کسی انجانی قوت کے سبب کچھ بھی کہنے سے

(ماباقی ص۸۰ کا حاشیہ)
جنتِ محبت کی نہر رضا ہے۔ جنتِ معرفت کی نہر اخلاص ہے۔ جنتِ قربت کی نہر نورِ صفاتِ الٰہی
ہے۔ جنتِ مشاہدہ کی نہر لطائف ہے۔ جنتِ وصال کی نہر محبت اور جنتِ بقا کی نہر سکینہ ہے"
تفسیر منہاج القرآن ص۲۹

۱۔ حَبَّۃُ القلب: دل کا وہ نقطہ جس سے دل کسی بھی شئے سے وابستہ ہو جاتا ہے۔

رک جاتے میر منور علی صاحبؒ نے آپ کی اس کیفیت کے لمحات کا ذکر آپ ہی کے الفاظ میں نقل
ارشاد ہوا :

" ایک دن میں اپنے استاد مولانا حافظ حضرت صدر الدین صاحب
سے عرض کیا کہ مجھے بھی معرفتِ الٰہی کا حقیقی سبق دیجیے "[1]

سیدی درویش محی الدین قادریؒ نے آپ کا یہ ارشاد اس طرح نقل فرمایا ہے :

" ایک روز میں حافظ صدر الدین صاحب سے راہِ خدا کا طالب ہوا "[2]
اور اپنے قلب کی اس کیفیت و بیتابانہ حالت کا اظہار کر کے کشودِ خاطر کے خواستگار ہو
حق آگاہ استاد نے کشفِ باطن سے سب کچھ جان لیا تھا قریب بلایا اور کہا :

المجاز قنطرۃ الحقیقت، پہلے آپ مجازاً اپنا دل کسی
سے وابستہ فرمالیں "[3]

استادِ محترم کے اس ارشاد کو سنتے ہی آتشِ شوقِ صحرا نوردی بھڑک اٹھی، عشقِ الٰہی
تڑپ دوچند ہو گئی۔ استادِ محترم کے الفاظ پردہ گوش قدسی سے ٹکراتے اور مائل بہ دشت تنہ
کرتے رہے، کسی سنسان و ویران مقام کی جانب نکل جانے کا خیال دل کو آمادہ کرنے
مجاز کیا ہے؟ دل کی وابستگی کسے کہتے ہیں، کسی سے دل کیسے لگایا جاتا ہے۔ یہ و
انکشافات تھے جس پر آپ گھنٹوں غور فرماتے رہے، گھر واپس آئے تو حجرۂ قدسی م
محترم تایا صاحب کو منتظر پایا، علوم شریعت کی پاسداری کے سبب اپنے بے چین د
کی حالت کا ذکر نہ فرمایا۔ زہد و اتقا کی زبردست قوت ارادہ صحرا نوردی سے کئی دن روکے ر
حق تعالیٰ کی خوشنودی کی تلاش میں اس پاک جذبے سے ایک دن صبح جو اٹھے تو ع
کنج تنہائی، کششِ خاکِ صحرا دنوفائی[4] نے اپنی جانب کھینچا۔ اک انجانی جاذبیت اور ا

---

[1] ضیائے بیابانی طنا [2] ، [3] افضل الکرامات ص[46] [4] جنگل بیابان

معلوم مقناطیسی قوت آپ کے دل کو سوز و گداز سے آشنا کیے، وارفتہ و دیوانہ بنائے کئی دن تک
جنگلوں اور غیر آباد سنسان مقامات میں لیے پھرتی رہی، کتنے ہی دن نظارۂ جمالِ حق کی آرزو
میں بیت گئے اور کتنی ہی راتیں احتیاطِ فکر و نظر میں گزر گئیں۔ ایک دن آپ کا جذبِ باطنی
راستے کی سمت و جہت سے بے نیاز آپ کو بے آب و گیاہ میدانوں کی طرف لیے چل پڑا۔
آپ یوں چل رہے تھے جیسے کوئی بہ جبر آپ کو اپنے ساتھ لیے چل رہا ہو کسی سے کوئی غر
مطلب نہیں تھا، نہ ہی کسی چیز کی طلب تھی۔ نہ کسی سے آپ واقف نہ کوئی آپ کا شناسا
راستے کے پیڑ پودوں، سرد و گرم ہواؤں، قصبات و قریوں سب سے بے نیاز اسی شانِ
بے خیالی و جذبِ باطنی سے میدک کی پہاڑیوں کا رخ فرمایا : ارشاد ہوا :

ایک روز میں بہ جانبِ میدک چل نکلا "[1]

نہ روز و شب کا خیال، نہ وقت و موسم کی خبر، دنیا بھلا کر حق کی راہ تلاش کرنے چل پڑے
تھے کبھی آبادی میں گلی کوچوں سے ہو کر چلے اور کبھی وادیاں اور ویرانے قطع فرمائے۔ منزل
سے بے خبر، راستوں سے ناواقف، میدانوں، کھیت کھلیانوں سے گزرے۔ کبھی دشوار
گزار گھاٹیاں طے فرمائیں تو کبھی بہاؤ پر آئی ندیاں پار کیں۔ دل کہیں بھی رکنے اور ٹھہرنے
پر راضی نہ ہوتا تھا۔ جس شئے پر آپ کی نظر پڑتی وہ کششِ نظارہ سے محروم نظر آتی تھی۔ یوں
تجسس بھری نگاہیں سیاحت کناں کتنے ہی جنگلوں، کتنے ہی بیابانوں اور کتنے ہی غیر
آباد و سنسان کھنڈروں اور نامعلوم وادیوں میں آپ کو لیے پھرتی رہیں لیکن منشائے استادِ محترم
کہیں پورا ہوتا نظر نہ آیا۔ راستوں کی خرابیوں اور نامعلوم راہوں کی مشکلات کے باوجود شاہد
جمالِ حق کا شغف دل سے جدا نہ ہوتا تھا۔ کبھی صحرا کی تنہائیوں میں کسی چشمہ یا ندی کے کنارے
خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو جاتی اور کبھی تنِ تنہا کششِ صحرا نوردی سے جادہ پیما رہتے۔

---

[1] افضل الکرامات ص۵

میدک کے قصبے پاپنا پیٹ کی پہاڑی کے دامن میں پہنچے تو جمالِ حق کی جستجو رنگ لائی، طلب
شوقِ راہِ خدا اور تقاضائے قلبِ عشقِ طلب کے سبب[1]
"موضع پاپنا پیٹ کی پہاڑی میں کچھ توقف کیا"[2]
حق تعالیٰ سے لو لگنے، جذبۂ شوق و شدید والہانہ محبت میں یہاں جو توقف کیا تو شب و
کا فرق ہی مٹا ڈالا۔ آٹھوں پہر حق تعالیٰ کی یاد اور اسی کے رنگ میں رنگ جانے کا خیال ہی
تازہ رہتا۔ جہاں دل چاہتا رک جاتے جس طرف دل لیے چلا جاتا چلے جاتے اسی کے ہاتھوں
مجبور اسی کی تحریک اور تقاضائے محبت کے اثر سے ایک دن پہاڑی سے اتر کر کشاں کشاں
پاپنا پیٹ کی اس بستی میں چلے آئے، جہاں زمانۂ قدیم سے رنگ ریز آباد چلے آ رہے
بستی کے ناہموار کچے راستے، چہار دیواری سے محروم مٹی سے بنی ناپائیدار جھونپڑیاں، م
در و دیوار و شجر رنگنے والوں کے رنگ سے آشکار نظر آئے۔ یہ ماحول بڑا ہی پرکشش تھا۔ ہر شے
پر کسی نہ کسی رنگ کا غلبہ دکھائی دیتا تھا۔ آپ وفورِ غلبۂ شوقِ دید سے ہر شئے کو بہ نظرِ تجسس
فرماتے رہے جیسے کسی گم شدہ شئے کی تلاش ہو، ہر شئے کو دیکھ لینے کی چاہ کے باوجود
دل لگانے کا خیال بھولے سے بھی سجھائی نہ دیا۔ درختوں سے لگے پھول پھل، ہر ایک کو
طلب نگاہوں سے دیکھنے کے بعد کسی جانب نگاہ بلند کیے تھوڑی دیر کسی پتھر پر تشریف فر

---

[1] حق تعالیٰ کی محبت اور اس کے عشق کی تڑپ رکھنے والا دل یوں ہی بہ آسانی کسی کو عطا نہ
حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ قدس سرہٗ فرماتے ہیں: "جس پر حق تعالیٰ فضل فرماتا ہے اس کو ا
طرف کھینچ لیتا ہے اور اس کے قلب میں اپنا شوق اور دلی خواہش و طلب ڈال دیتا ہے کہ وہ ال
مشاہدوں کو عبور کرتا ہوا (اللہ کی طلب میں) آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پھر مقامِ ثانی م
اس کو انوارِ باقیہ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔" ابریز تبریز مترجم عاشق الٰہی میرٹھی صہ ۲۷۹

[2] افضل الکرامات صہ ۵

کوئی لمحہ نہ گزرا تھا کہ عجیب کیف و سرور کی لذت سے دل آشنا ہو گیا۔ شوقِ نظارہ نے پلک جھپکنے
کی فرصت بھی نہ دی۔ آنکھیں نظارۂ جمال سے مشرف ہو گئیں۔ منشائے استادِ محترم تکمیل
پا گیا، حق کو پہچاننے کی صورت سامنے آ گئی[1]۔ آنکھیں محبت کے روئے روشن سے منور ہو گئیں۔
آپ اپنے استادِ محترم کے بتائے پر راہِ خدا کی تلاش کے خیال کو قلب کے گوشے گوشے میں
چھپائے ناہموار راستوں پر چلنے کی مشقت، بھوک و پیاس سے بے نیاز تغیراتِ موسم کی
شدت کو سینے سے لگائے دیار و امصار، دشت و کہسار میں اک مدت سرگرداں رہنے کے بعد
یہاں جو پہنچے تو دل نے تصدیق اور عقل نے تسلیم کر لیا کہ استادِ محترم نے مجازاً جس سے اپنا

---

[1] ہزار ہزار کوششوں اور آرزوؤں کے باوجود کوئی اس راہ کا خیال دل میں پیدا کر کے کامیاب
نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر حسینی شاہد نے لکھا ہے: "اللہ تعالیٰ جس کو سرفراز کرنا چاہتا ہے اس کو اپنا قرب
بخشتا ہے اور اسی سے حق الیقین حاصل ہو سکتا ہے کوئی ہزار چاہے کہ معرفتِ الٰہی حاصل کرے اس کے بس کی بات
نہیں ہے۔" (امین الدین علی اعلیٰ صہ ۲۴۱) ـــــــ اس کی راہ کا سراغ صرف اس کی دکھائی
نشانیوں سے پانے کے لیے کئی ایسے راستوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے جہاں لغزشِ فکر و نظر
ساری کوشش و محنت کو رائگاں کر دیتی ہے۔ یہ راستہ ایسا کٹھن اور پرخطر ہے کہ اس راہ سے
کسی کا صرف صحیح و سلامت ہی گزر جانا بہت بڑا معرکہ سر کرنا ہے۔ صاحبِ مرصاد العباد نے لکھا ہے:

"اس بارگاہ کی راہ اسے نہیں ملتی جو خود آنا چاہے بلکہ اسے
ملتی ہے جسے خود لایا جائے۔" ؎

با عشقِ جمال اگر ہم نفسی   یک حرف بس است اگر در تن تو کسی
"تا با توئی و دولت ما نہ رسی   در ما تو گہی رسی کہ در ما بہ رسی"

(مرصاد العباد مترجم صہ ۲۱۷، ۲۱۸)

دل والبتہ کر لینے کا مشورہ دیا تھا وہ یہی ہے۔ جس شئے پر آپ کی نظر پڑی تھی وہ حسن کا چہرہ نما تھا۔ مدتوں کی تلاش اور صحرا نوردی کے بعد آج یہ صورت سامنے آئی تھی۔ آنکھ نے کسی اختلاف اور دل نے کسی تذبذب کے بغیر غیریت کے اس آئینے میں ازل کے اس جما پردہ نشیں کو کچھ اس طرح جلوہ گر دیکھا کہ اس کی تصویر لوحِ دل پر نقش ہو گئی۔ یہ منظر کچھ ایسی ا کشش اور ایسی جاذبیت سے معمور تھا کہ انکشافِ باطن کو ذرا دیر نہ لگی۔ آپ کی تجسس نگاہوں سے اس رنگ شناس کا رنگ چھپ ہی نہ سکا۔ پاپنا پیٹھ کی پہاڑی کے دامن میں ج آپ پتھر پر تشریف فرما تھے سامنے ہی اس رنگریز کو شانِ بے نیازی سے کپڑے کے ظاہر و باطن رنگ دیتا ہوا دیکھ کر آپ پر محویت سی طاری ہو گئی حق تعالیٰ کی محبت کو اسی طرح رگِ جا پیوست کرنے کی برسوں کی تڑپ رنگ لائی، اسی عالمِ محویت میں اس رنگنے والے کے پر جو آپ کی نظر گئی تو آپ کا دل اس کی ذات میں چھپے اسرار کا والبتہ ہو گیا۔ اس رنگ کے رنگنے کپڑے کو کچھ اس طرح اپنی ذات کا ہمرنگ بنا لیا تھا کہ القین کی ہر کیفیت اس کی بے رنگی کا حصہ بن کر ظاہر ہوئی اور بموجب استادِ محترم

"دل اس کا والبتہ ہو گیا" [۱]

جسمیں خود کو چاہنے اور ہر طرح چاہے جانے کی صفت جو بالذات حضرت باری عز خاصہ تھا بکمال و تمام موجود تھی پلکنے جھپکنے کی دیر میں اس نے جو آپ کے قلب کا رنگ بدل ڈالا تو اس رنگ کی حقیقت اور اس رنگنے والے سے اس رنگ کی قربت ہو گیا، از خود آپ کے قلب کی وابستگی اس سے خالص لوجہ اللہ ہو گئی۔ اس نے کسی رنگ کی کے بغیر آپ کے القان و محبت کے رنگ کو کچھ ایسا رنگ دیا کہ دل کے ظاہر و باطن کی پاکیز ہر رنگ آشکار ہو گیا اور کمال وابستگی سے اس نے وجود کے ریشے ریشے کو وہ کچھ ایسی رنگینی رنگ سے کبھی نہ ملے۔ ارشاد ہوا:

---

۱ فضل الکرامات ص۵

"میرا عشق افعال و صفات سے مستغنی ہو کر ذات سے والبتہ ہو گیا" [۱]

اس منظر نے غروبِ آفتاب سے ظہورِ شفق تک آپ کو خود سے جو بیخبر رکھا اور اس کے رنگ نے ہر رنگ میں اپنی جگہ بنا لی تو آپ وہاں سے اٹھے اور کسی نامعلوم سمت روانہ ہو گئے۔ [۲] جب کبھی اس نظارے میں اس نسبتِ رنگ کی معرفت حاصل فرما لیتے تو لگاوٹ کی اس گرہ کو سینے میں اور اس کے عروجِ کیفیت کے منظر کو آئنہ دل میں دیکھتے اور کسی جانب نکل جاتے صبح سے شام تک مفقود الخبر ہوتے، رات کسی چٹان کے سائے میں اور کبھی سارا سارا دن پہاڑی پر رہتے

---

۱ ضیائے بیابانی ص۱۰۲ ۲ ساری کائنات میں اسی نورِ اولیں کے حسن کا جلوہ ہے اسی کے حسن کی کشش کے سبب ہر فرد ایک دوسرے پر فریفتہ ہے۔ یہی فریفتگی عشقِ مجازی کہلاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے اسی نور کی حقیقت کو ہزاروں ہزار حسنِ مجازی کے پردوں میں چھپائے رکھا ہے۔ کہ ہر کس و ناکس اس کی حقیقت کو جانے بغیر اس پر اپنی مفسدانہ نظر نہ ڈال سکے اور وہ اپنے عشق میں دلیر ہو کر روح کی پاکیزگی کی بجائے اسے نفس کی خباثتوں سے چاہنے لگے اور اپنے زعم میں دعویٰ عشق کر بیٹھے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پورا حسن ہم پر ظاہر نہیں فرمایا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ہم اُن کے جمالِ عالم تاب کی تاب نہ لا سکتے"

(بحوالہ انسانِ کامل محمد بن علوی المالکی مترجمہ سید اسرار بخاری ص۱۷)

اسی لیے آپ کے جمال کا مشاہدہ جب اشیا میں کیا جاتا ہے تو اسے حق تعالیٰ کی جہت قرار دے کر اس شئے سے حق تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لیے محبت کی پرورش کی جاتی ہے اور جب کسی ذی حیات میں آپ کے جمال کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو اس کی ذات حق تعالیٰ کے عشق کا ذریعہ وسیلہ بن جاتی ہے۔

دل وابستہ کر لینے کا مشورہ دیا تھا وہ یہی ہے۔ جس شئے پر آپ کی نظر پڑی تھی وہ حسنِ ا[illegible]
کا چہرہ نما تھا۔ مدتوں کی تلاش اور صحرا نوردی کے بعد آج یہ صورت سامنے آئی تھی۔ آنکھوں
نے کسی اختلاف اور دل نے کسی تذبذب کے بغیر غیریت کے اس آئینے میں ازل کے اس جمال
پردہ نشیں کو کچھ اس طرح جلوہ گر دیکھا کہ اس کی تصویر لوحِ دل پر نقش ہو گئی۔ یہ منظر کچھ ایسی انفیاد[illegible]
کشش اور ایسی جاذبیت سے معمور تھا کہ انکشافِ باطن کو ذرا دیر نہ لگی۔ آپ کی تجسس بھر[illegible]
نگاہوں سے اس رنگ شناس کا رنگ چھپ ہی نہ سکا۔ پاپنا بیٹھ کی پہاڑی کے دامن میں جہاں
آپ پتھر پر تشریف فرما تھے سامنے ہی اس رنگریز کو شانِ بے نیازی سے کپڑے کے ظاہر و باطن ک[illegible]
رنگ دیتا ہوا دیکھ کر آپ پر محویت سی طاری ہو گئی۔ حق تعالیٰ کی محبت کو اسی طرح رگِ جاں میں
پیوست کرنے کی برسوں کی تڑپ رنگ لائی، اسی عالمِ محویت میں اس رنگنے والے کے رنگ
پر جو آپ کی نظر گئی تو آپ کا دل اس کی ذات میں چھپے اسرار کا وابستہ ہو گیا۔ اس رنگ سا[illegible]
کے رنگ نے کپڑے کو کچھ اس طرح اپنی ذات کا ہم رنگ بنا لیا تھا کہ یقین کی ہر کیفیت اس رنگ
کی بے رنگی کا حصہ بن کر ظاہر ہوئی اور بموجب استادِ محترم

"دل اس کا وابستہ ہو گیا"[1]

جسمیں خود کو چاہنے اور ہر طرح چاہے جانے کی صفت جو بالذات حضرت باری عز اسمہ[illegible]
خاصہ تھا بکمال و تمام موجود تھی۔ پلکنے جھپکنے کی دیر میں اس نے جو آپ کے قلب کا رنگ [illegible]
بدل ڈالا تو اس رنگ کی حقیقت اور اس رنگنے والے سے اس رنگ کی قربت کا انک[illegible]
ہو گیا" از خود آپ کے قلب کی وابستگی اس سے خالص لوجہ اللہ ہو گئی۔ اس نے کسی رنگ کی آمیز[illegible]
کے بغیر آپ کے ایقان و محبت کے رنگ کو کچھ ایسا رنگ دیا کہ دل کے ظاہر و باطن کی پاکیزگی کا
ہر رنگ آشکار ہو گیا اور کمالِ وابستگی سے اس نے وجود کے ریشے ریشے کو دی کچھ ایسی رنگینی جو کس[illegible]
رنگ سے کبھی نہ ملے۔ ارشاد ہوا:

---

[1] افضل الکلامات ص۵

"میرا عشق افعال و صفات سے مستغنی ہو کر ذات سے وابستہ ہو گیا"[1]

اس منظر نے غروبِ آفتاب سے ظہورِ شفق تک آپ کو خود سے جو بیخبر رکھا اور اس کے رنگ
نے ہر رنگ میں اپنی جگہ بنا لی تو آپ وہاں سے اٹھے اور کسی نامعلوم سمت روانہ ہو گئے۔[2]
جب کبھی اس نظارے میں اس نسبتِ رنگ کی معرفت حاصل فرما لیتے تو لگاوٹ کی اس گرہ کو سینے
میں اور اس کے عروجِ کیفیت کے منظر کو آئینہ دل میں دیکھتے اور کسی جانب نکل جاتے صبح سے
شام تک مفقود الخبر ہوتے، رات کسی چٹان کے سائے میں اور کبھی سارا سارا دن پہاڑی پر رہتے

---

[1] ضیائے بیابانی ص۱۰۲ [2] ساری کائنات میں اسی نورِ اولیں کے حسن کا جلوہ ہے اسی کے
حسن کی کشش کے سبب ہر فرد ایک دوسرے پر فریفتہ ہے۔ یہی فریفتگی عشقِ مجازی کہلاتی ہے۔
حق تعالیٰ نے اسی نور کی حقیقت کو ہزاروں ہزار حسنِ مجازی کے پردوں میں چھپا رکھا ہے۔
کہ ہر کس و ناکس اس کی حقیقت کو جانے بغیر اس پر اپنی مفسدانہ نظر نہ ڈال سکے اور وہ اپنے عشق میں
دلیر ہو کر روح کی پاکیزگی کی بجائے اسے نفس کی خباثتوں سے چاہنے لگے اور اپنے زعم میں دعویٰ
عشق کر بیٹھے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پورا حسن ہم پر ظاہر نہیں فرمایا۔ اگر
وہ ایسا کرتے تو ہم اُن کے جمالِ عالم تاب کی تاب نہ لا سکتے"

(بحوالہ انسانِ کامل محمد بن علوی المالکی مترجمہ سید اسرار بخاری ص۷۱)

اسی لیے آپ کے جمال کا مشاہدہ جب اشیا میں کیا جاتا ہے تو اسے حق تعالیٰ کی جہت قرار
دے کر اس شئے سے حق تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لیے محبت کی پرورش کی جاتی ہے اور
جب کسی ذی حیات میں آپ کے جمال کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو اس کی ذات حق تعالیٰ کے عشق
کا ذریعہ و وسیلہ بن جاتی ہے۔

ہو جاتا۔ اس قریے میں آنے کے بعد اس کیفیت کیساتھ پہلی مرتبہ کبھی بیتابیِ دل نے تو کبھی بے چشمِ تر نے مفارقت کا لطف دکھایا، کبھی عرفانِ نظر نے تسکین دی اور کبھی منظرِ عرفان پیشِ نظر اسی حال میں دن پر دن چھے ماہ بیت گئے۔ انہی فضاؤں میں، شب و روز گزرتے رہے کبھی طبیعت پر گرانی سی چھا جاتی آپ مدہوشانہ وہاں سے اُٹھ جاتے اور پہاڑی کی سمت تیزی سے رواں کوئی نہیں جانتا کہ آپ کہاں جاتے ہیں، کہاں رہتے ہیں، کس حال میں ہوتے ہیں۔ آنکھیں مہ رویٔ کی دیدار سے سرشار کیا ہوگئیں کہ شانِ قدرت کے حسین جلوے تمام و کمال رگ و پے میں سما گئے، اس جلوہ آرا کی کشش سے جو کچھ دل پر گزرتی کسی سے نہ کہنے کہ

"وجود کو معشوق کی موجودگی سے فراق ناگوار، عدم وجود فصل انانیت
سے ملو جسمیں بیخبری کی بھی خبر نہیں، عشق، صادق کامل، حقیقی وہی
ہے جو اپنی حقیقت کو پہنچ جائے۔" ۱ـه

فطری بات ہے کہ دل و دماغ پر جس بات کا سب سے زیادہ غلبہ ہوتا ہے اعضاء و جوارح اسی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اسی سبب سے چاہتے کہ ہمہ تن روپوش ہو جائیں مگر مقصدِ صحرا نوردی ابھی نتیجہ خیز نہ ہوا تھا، جس دن کششِ خاکِ پاپتن نے اپنی طرف کھینچا تھا آپ نے اس کوچۂ مقصود سے دوری اختیار نہ فرمائی، جب تک پوری طرح مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوگئی ذوق آشنائے بیخودی رہے۔ آخر ش دل جو اس رنگ سے ہمرنگ ہوا اس چشمِ مشتاق کا کچھ اور ہی رنگ ہوا۔ ہر روز کمالِ عشق کے سبب آنکھیں دید کی متقاضی ہوتیں، ہر روز بے تابیِ دل سے مجبور جب تک آپ اس حقیقتِ جمال کو ایکمرتبہ آرزومندانہ دیکھ نہ لیتے چین نہ آتا۔ آپ کی یہ شیفتگی یہ دل گرفتگی اور استادِ محترم حافظ صدرالدین صاحب قدس سرہٗ کا ارشاد کچھ ایسا رنگ لایا کہ ہر بُنِ مو تمام و کمال اس کے رنگ میں رنگ گیا۔ ارشاد ہوا:

ـه ضیائے بیابانی صـ۱۰۲

"بہ تاثیر و برکتِ ارشاد حضرت حافظ صدرالدین صاحب قدس سرہٗ
میری وابستگی روز بروز بڑھتی گئی۔" ۱ـه

ہر روز دل کی کیفیت جدا ہوتی، ہر دن اضطراب، درد، خلش، ٹیس، آہِ سرد اپنا اثر دکھاتے، فرطِ انہماک نے صبر کرنا جو سکھایا آپ ان تمام تکلیفوں، اذیتوں کو بھلا کر، سب سے بے تعلق اور سارے رشتوں کی نفی کر کے اس انتہائی کیفیتِ خود فراموشی کی حالت سے گزرے جس کے بعد عشق کے انتہا کی کوئی صورت باقی ہی نہیں رہی تھی۔ جس طرف بھی آپ کی نگاہیں اٹھتیں سوائے اس رنگ ریز کے کسی اور کو موجود ہی نہیں پاتیں، کسی بھی غرض و مقصد کے بغیر ذہن میں بس اسی کا خیال، اسی کے نقوش، مظاہرِ قدرت کے ہر پردے میں کچھ ایسا اس کا رنگ رچ گیا تھا کہ جذبۂ صادق نے سوائے اس رنگ کے ہر رنگ کو مٹا ڈالا تھا۔ کسی اندیشے اور وسوسے کے بغیر چاہے جانے کی آرزو نے اُس کے وجود کو اور چاہت کی انجانی کشش نے اس کی ذات کو جیسے ہی نکھارنا شروع کیا غیرتِ حق نے تجلیِ جلال سے غیریت کی اس مثال ہی کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا۔ پروفیسر طاہر القادری نے لکھا ہے:

"محبت انتہائی غیرتمند جذبہ ہے جس سے بڑھ کر غیرت مندی کا کوئی
تصور نہیں کیا جاسکتا محبت یہ گوارہ نہیں کرسکتی کہ دعوائے محبت کرنے والے
کی آنکھیں اپنے محبوب کے سوا کسی اور کی طرف بھی اٹھیں اور نہ ہی محبوب اپنی
محبت میں کسی غیر کی شرکت برداشت کرسکتا ہے۔" ۲ـه

محبتِ الٰہی کے بھی عجیب تقاضے ہیں جب کوئی بندہ حق تعالیٰ کو چاہنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کی محبت سے حبۃ القلب کو منور کرلینا چاہتا ہے تو حق تعالیٰ اس بندہ کو پہلے اپنی کسی صفت کا عاشق بنا دیتا ہے اس صفت سے اس کی وابستگی انتہا کو جب پہنچ جاتی ہے تب اپنی حقیقت اس پر ظاہر فرما کر اپنا عاشق بنا لیتا ہے کہ اسے اپنی لاشریک ذات

۱ـه افضل الکرامات صـ۵۰ ـ ۲ـه اجزائے ایمان صـ۷۱

کی طرح اس کی محبت میں بھی کسی کی شرکت گوارہ نہیں ہوتی۔ ایک دن صبح ہی صبح جب آپ پہاڑ کی جانب سے تشریف لا رہے تھے، بہت اہلِ قریہ درِ رنگریز پر جمع نظر آئے۔ آپ ذرا آگے بڑھے ہی تھے کسی نے سرگوشی کی کہ "اس گھر میں کچھ دن قبل جو شخص بیمار تھا

"اُسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا۔"[1]

اس خبر نے پلک جھپکانے کے معمولی سے وقفہ میں عالمِ مجاز سے حقیقت کی دنیا میں آپ کو پہنچا دیا، آپ نے کہنے والے کو اب سے پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔ چشمِ حیراں میں جو صورت تھی عقلِ خرد نے پتا پتا بوٹا بوٹا چھان پھٹک کر جسے تلاش کیا تھا، قلب و نظر کے وہ پاکیزہ لمحات جنھیں آپ اس بستی میں لیے استادِ محترم کے مشورے کے ایک ایک لفظ کو آئینہ خانۂ دل میں حسنِ ازل کے نوری جلوؤں سے سجائے پھر رہے تھے۔ اُس کا وہ رنگ جس سے استادِ محترم کا کہا رنگ لایا تھا جس کے سارے وجود ہی سے ہر لمحہ عشقِ مجازی باقی تھا وہ اپنی منزل پا گیا جس کے بعد کوئی منزل نہ تھی حضرت قبلہ شاہ محمد کشفی بیابانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اس راہ سے گزرے بغیر حسنِ ازل کا اور اس شاہکارِ قدرت
سے دل لگائے بغیر حقیقت الحقائق کا انکشاف ممکن ہی نہ
تھا کہ خلق ہی حق کو پہچاننے کا ذریعہ ہے۔ عالم کی ہر شئے
اس کی علامت ہے۔"[2]

حضرت العلامہ صفدر حسین صاحب قدس سرہٗ نے لکھا ہے:

تمام عالم میں یہ جو صفاتِ حمیدہ کہ پائے جاویں گے اس کا مبداء
و مرجع اللہ تعالیٰ ہی ہوگا کیوں کہ عالم من اولہٖ الیٰ آخرہٖ حق تعالےٰ
کے صفات سے ظاہر ہے کیوں کہ یہ اُس کی ذات کا مظہر ہے لہٰذا
عالم

---

[1] ضیائے بیابانی صفحہ ۱۰۲ ۔ [2] ملفوظات صفحہ ۲۵ حضرت دباغؒ کا قول ہے "اللہ نے اپنی ذات اور ہر ایک [illegible]

عالم، علامت سے مشتق ہے یعنے تمام عالم صفاتِ اللہ ہی کی
علامت ہے یعنے اس کے پہچاننے کا ذریعہ ہے۔"[1]

سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بے مثل ذات کو اُس کے بے شمار مظاہر میں تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی پہچان کے لیے کائنات کی ہر شئے کو اسی لیے منفرد و جداگانہ کمال سے تخلیق کیا ہے کہ تلاشِ حق کی صورت میں متلاشیِ حق کو کسی دوئی کا سامنا کرنا نہ پڑے حق تو یہ ہے کہ ڈھونڈھنے والے کو وہ خود جس تجلی کا مظہر ہے اسے اپنا، ایسا ہی مظہر تلاش کرنا پڑتا ہے۔ جس نے اپنا ایسا مظہر تلاش کر لیا اس نے مقصود کو پالیا۔ کیوں کہ اس کی صفت قیومیت اور صفتِ خالقیت دونوں ہی نے بیک وقت سارے عالم میں کچھ اس طرح جلوہ گری کی ہے کہ صفتِ قیومیت خود اُس کا نقاب اور صفتِ خالقیت ہر شئے کا عین بن کر ظاہر ہو گئی۔ کسی شاعر نے اسی مضمون کو دو شعروں میں یوں بیان کیا ہے:

فَالْخَلْقُ کُلُّهُمْ اَسْتَارُ طَلْعَتِهَا وَالْاَمْرُ اَجْمَعُهُمْ کَانُوْلَهَا نُقُبَا
مَا فِی السَّتْرِ بِالْاَکْوَانِ مِنْ عَجَبٍ بَلْ کَوْنُهَا عَیْنُهَا هٰذَا هُوَ الْعَجَبَا!

(تمام مخلوق اس کی طلعت کے پردے ہیں اور تمام چیزیں اس کا نقاب، موجودات کے پردہ ہونے میں تعجب نہیں بلکہ تعجب اس پر ہے کہ وہ خود موجودات کا عین ہے۔)

میر منور علی صاحب نے لکھا ہے:

"اگرچہ یہ بات عشق کی کیفیات سے متعلق ہے مگر عرفا کے پاس اس کے
دوسرے معنی اور مطالب ہیں۔ حالتِ فراق اور مایوس کن واقعات کی
مغلوبیت میں فضلِ الٰہی کچھ اس انداز سے متجلی ہوتا ہے جس سے عاشق
پر نسیان کا غلبہ ہو کر اسی تجلی کا شیفتہ اور وارفتہ ہو جاتا ہے۔"[2]

---

[1] الاربعین حدیث الاول صفحہ ۳ [2] ضیائے بیابانی صفحہ ۱۰۲

آپ کے استادِ محترم حافظ صدرالدین صاحب قدس سرہٗ نے جس دن آپ سے یہ فرمایا تھا کہ

"پہلے آپ مجازاً اپنا دل کسی سے وابستہ فرمائیں۔" [۱]

تب سے اِس جمیل مِن جمال اللہ کی تلاش میں آپ کی آنکھیں بادیہ پیمائی کرتی ہوئی اس مقامِ
تک آپ کو لیے پہنچیں جہاں اِس عالمِ شہود میں منشائے استادِ محترم اپنی جدا و انفرادی شا
میں جلوہ گر نظر آیا۔ اگرچہ شعور سے لاشعور تک کے ہر منظر کی آپ نے نفی فرمائی۔ ہی فقہی درس گا
میں علومِ ظاہری و باطنی کی ماہرانہ کمال کے ساتھ تکمیل فرما کر اخلاق الٰہیہ سے آپ سنور
تو طریقت کے کارخانۂ قدرت میں حسنِ ازل کی محبت کا چراغ روشن کرنے کے لیے شرعی
سے دور، امورِ دنیا سے بے نیاز، عشقِ حقیقی کا مصدر تلاش کرتے رہے ہر آزمائش سے گزر
ہوئے نگاہ ہائے ان حدود سے نکلنا گوارہ نہ فرمایا تاآں کہ باطناً اسے حق تعالیٰ کی تائید حاصل نہ ہوگئی۔
دید کی تربیت کا یہ عمل شبانہ روز جاری رہا۔ روزانہ حجاباتِ غیریت اٹھتے رہے، روزانہ انکشا
باطن ہوتا رہا۔ ہر روز اس وابستۂ دل کے نقوش تازہ بہ تازہ آپ کے چشمِ تصور میں سجتے ر
ہر روز آپ تقدس و تورع کی آگ میں انھیں جلاتے رہے اور غلبۂ اشتیاقِ دید کے سبب دل
سوزشِ عشق کا خوگر بناتے رہے۔ جونہی آپ کی آنکھیں عرفانِ شئے کی ذوق آشنا ہوگئیں
تحیّر و ہجر و فراق کی گرمی سے پلکیں بھیگنے لگیں، کبھی جو غلبۂ شوقِ دید سے باطنی آنکھ کھل جا
تو فنائیتِ ذات کا منظر آنکھوں میں آئنہ ہو جاتا۔ آپ اُسے یوں ملاحظ فرماتے جیسے وہ وال
شرارِ عشق کی تاب نہ لا کر جل چکا ہو۔ اس کی راکھ ہوا اڑائے جا رہی ہے اس کے اجزائے بد
کو پانی بہا کر لے جا رہا ہے وہ اپنی ہر شناخت کھو کر تہ در تہ آگ ہوا پانی بن کر فنا ہو چکا ہو
اس کا وجود اندر ہی اندر بے شمار تغیرات کا سامنا کرتا رہا مگر اس کی شخصیت تصور میں فنا
ہوئی۔ یہ کیسا منظر تھا کہ غیریت کے ہر منظر سے جدا نظر آتا تھا۔ آپ اس نظارہ میں ایسے کھو

---

[۱] ما نظرت فی شئی الّا و رایت اللّٰہ فیہ۔ جس شئے کو دیکھا حق نظر آیا۔

کہ خود اپنی ہی نفی کر ڈالی نہ ہی خود کو پہچانا اور نہ اُسے جسے پہچاننے کے لیے معرفت کی اس
پر آپ کو پہنچنا پڑا تھا۔ آپ کی روح اس شعور و احساسِ وحدت سے جو مشاہدۂ حق میں مشغول
آپ مضطربانہ اٹھے اور بیخودی میں اس کا آخری سفر جہاں تک راہ رے گئی طے فرمایا۔

ارشاد ہوا:

"جب میت اٹھی تو میں بھی مجمع کے ساتھ ہمراہ ہو گیا" [۱]

جیسے ہی اُسے سپردِ آتش کر دیا گیا۔" [۲] اس رنگ ساز کو آگ کا رنگ پکڑتے دیکھا آپ
نہایت خاموشی سے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو اور اس وابستۂ دل کو آگ کے اس سمندر میں
ڈوبا ہوا دیکھتے رہے، جونہی وہ صورتِ رنگ ساز (رنگریز) دائیں بائیں، آگے پیچھے اوپر نیچے ہر
سمت سے آگ کی چادر میں چھپ گئی پھر نظر نہ آئی۔ آگ اس کے ہر جزو و کل کو محیط ہو گئی۔
اسے بالکل اپنا سا بنا لیا، اس کا وجود آگ بن گیا اس میں اب ساری صفتیں آگ ہی کی تھیں
تو ہر رنگ میں جلتا رہا۔ کبھی جو شعلہ سا لپک جاتا تو محسوس ہوتا جیسے وہ کہہ رہا ہو "میں ہی
آگ ہوں، میں اس کا ظاہر بھی ہوں باطن بھی، اول بھی ہوں آخر بھی۔ آگ بھی ہوں آگ کا
بھی۔ کون ہے جو میری طرح آگ سے مل کر آگ کا یقین حاصل کرے، اُسے جو آگ کا یقین حاصل
ہو گیا آپ نے جانا کہ حق سے مل کر حق کا بھی یقین اسی طرح حاصل ہوتا ہے۔ عالمِ مثال کے مکینوں
نے یہ منظر دیکھا تو آگ میں اس رنگ ساز کے وجود کی پیوستگی کو "حلول" سمجھا۔ عالمِ اجسام والوں نے اس
یک جائی کو "اتحاد" جانا۔ عالمِ ارواح کے رازدانوں نے اس مماثلت پر کہا نہیں یہ عینیت ہے
لیکن آپ کی آنکھوں نے سمجھا اور خوب سمجھا، آگ اور اس کے وجود میں تمیز کا اٹھ جانا
عینیت [۳] تھا۔ ہر شئے کو آگ نے اپنا سا بنا ڈالا تھا جب تک غیریت کا پردہ اور دوئی کا
نقاب حل نہیں گیا تھا اس قلبی لگاؤ کو جاننے اور حقیقت سے وابستہ اس رشتے کو پہچاننے کی کوئی صورت

---

[۱] افضل الکرامات ص ۵۰ [۲] ایضاً [۳] صاحبِ افضل الکرامات نے لکھا ہے: "جو شیخ اکبر مسئلہ عینیت جب تک منکشف نہ ہو ایمان کامل نہیں ہوتا"

نہیں تھی۔ اب جو یوں عینیت کا پردہ اٹھ گیا تو غیریت اپنے آپ معدوم ہو گئی۔ آگ کی لپٹیں وکمال غیرت کے ہر رنگ کو جلا کر اسے ظاہر کر رہی تھی جو ہر رنگ میں چھپ کر دکھائی نہ دیتا تھا۔ تجلی جلال بہ شکلِ آگ، معرفتِ شہودی کے اس منظر کو صاحبِ مرصاد العباد نے یوں سمجھایا:

"یہ ایک عجیب بھید ہے، روح کے روغن کو وجود کے لیے خرچ کرنے کو یہ سارے وسیلے استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ فتیلہ بھی ایک وسیلہ ہے۔ تاکہ مجازی وجود کی روح کو حقیقی روح میں تبدیل کر سکے۔ اور حقیقی ناریت کے وجود کو جو مخفی اور غیر مرئی ہے ظاہر اور مرئی کر دے بس حقیقت میں جس طرح روغن آگ پر عاشق ہے تاکہ مجازی وجود کو حقیقی بنا دے اسی طرح آگ بھی روغن پر عاشق ہے تاکہ پوشیدہ خزانے کو ظاہر کر دے یحبہم ویحبونہ کا یہی بھید ہے اور کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف کی بھی یہی کیفیت ہے"۔ ۱

ایک حالت سے دوسری حالت میں داخل ہو کر ایک شے کو چھوڑ کر دوسری شے کو پالینا فی الحقیقت اپنے ہی وجود کی نفی کرنا ہے یقین کی تینوں منزلیں آپ نے جو مشاہدہ کی تھیں کچھ اس طرح تھیں: پہلی منزل پر دھواں دیکھ کر آپ نے یقین کر لیا کہ یہاں آگ پوشیدہ ہے دوسری منزل پر دھویں اور آگ میں تمیز کر کے یقین کر لیا کہ دو جدا حقیقتیں ہیں، یقین کی تیسری منزل پر آگ کا ایسا مشاہدہ کیا کہ خود کو آگ میں اور آگ کو خود میں محسوس کیا۔ پہلا علم الیقین دوسرا عین الیقین اور تیسرا حق الیقین تھا ڈاکٹر حسینی شاہد نے لکھا ہے:

"یقین کے تین مرتبے ہیں، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین۔
علم الیقین یہ کہ کسی شے کی اصلیت ماہیت کیفیت کے بارے میں علم اور

---

۱ مرصاد العباد مترجم صفحہ ۸۶

یقین ہو۔ مثلاً کسی نے متواتر سن لیا کہ آگ ہر شے کو جلاتی ہے اور اس کو اس پر یقین ہو، یقین کا دوسرا مرتبہ عین الیقین ہے کہ کسی چیز کو آدمی اپنی آنکھ سے دیکھے مثلاً کسی نے دیکھا کہ آگ ہر شے کو جلاتی ہے یقین کا تیسرا درجہ حق الیقین یہ کہ آگ میں داخل ہو اور جل جائے"۔ ۱

یقین کی ان تینوں منزلوں سے جو آپ گزرے اور ہر جگہ آپ نے دکھائی دینے والی ہر شے کو اپنے نام و نشان کے ساتھ فنا ہوتے دیکھا تو اپنی ہی نفی کر ڈالی کیوں کہ اب نہ وہ آتش رنگ تھا نہ آتش خو، نہ آتش رخ نہ آتش خواہ، آپ اپنے آپ سے اپنے سامنے کاغذ کے پرزے کی طرح جلتا ہوا ملاحظہ فرماتے رہے

"یہاں تک کہ سب کچھ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا"۔ ۲

قلبی و باطنی عالم میں خلوت و صحرا نوردی، حجاباتِ عشق تھے۔ دامنِ کوہ و بیابان و پہاڑی کا توقف حجاباتِ راہِ حق تھے۔ کشش دیار و در رنگ ساز حجاباتِ عالم اکبر تھے۔ غلبۂ محبت و معرفت، حجاباتِ جمالِ یار تھے، عبد معبود کے درمیان اس آتشیں رخ کا وجود غیریت ہی کا پردہ تھا۔ یہ جو جل گیا اس محبوب کا حسن آشکار ہو گیا، جسے تسلیم و رضا کی چادر اوڑھے حق الیقین حاصل ہونے تک قریہ قریہ ڈھونڈتے پھرتے رہ گئے، اب جب الیقین حاصل ہو گیا تو آپ بھی اپنے آپ سے الگ ہو کر اس جگہ سے اٹھے اور اس لپکتے ہوئے شعلہ کی بجھتی ہوئی آگ سے چھٹا سلگایا اور جنگل کی راہ لی"۔ ۳

حضرت سیدی عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی قدس سرہٗ نے لکھا ہے:

"یہ مقاماتِ وصول و قرب کا آخری مقام ہے۔ اس میں عارف اُس چیز کا انکار کر دیتا ہے جس کو اس نے شناخت کیا ہے پھر

---

۱ امین الدین علی اعلیٰ۔ صفحہ ۶۰ ۲ و ۳ نقل الکرامات صفحہ ۵

نہ عارف باقی رہتا ہے نہ معروف، نہ عاشق نہ معشوق، صرف عشق باقی
رہ جاتا ہے اور عشق ذاتِ محض کا نام ہے جو نہ اسم کے تحت میں داخل
ہے نہ رسم کے تحت میں اور نہ الفت اور وصف کے تحت میں ہے۔[1]

حق تعالےٰ کی محبت نے ہر شئے کا تعلق جو منقطع کرایا تو از خود عشق کا کمال ظاہر ہو گیا جس سوزِ عشق کے لیے یقین کی تینوں منزلیں سر کی تھیں ان کے بھی جدا رنگ دیکھے کہ جلنے والی شئے تو جلنے ہی کے لیے تھی، جلانے والی شئے بھی جل کر بجھ رہی تھی، آپ نے اس جلتے ہوئے منظر کی بجھتی ہوئی آخری چنگاری سے اپنی سلگتی سانسوں کا آخری لمبا کش لیا اور دنیا و مافیہا کو دھواں کر کے " دوبارہ اپنا سفر جاری رکھا"۔[2] حالتِ جذب میں کئی خاردار جھاڑیوں، ناہموار و تکلیف دہ راستوں اور تنگ ڈنڈیوں پر چل پڑے، بدن اور قدم زخموں اور پاؤں چھالوں کے پھوٹنے اور کانٹوں کے چبھنے سے خونچکاں تھے۔ ہر آبلہ راستوں کی خرابی پر مسکرا کر دادِ صحرا نوردی دے رہا تھا۔ جہاں تک شعلۂ دل نے رہنمائی کی آپ چلتے رہے اس کی روشنی میں میدک کے سلسلہ ہائے کوہ تک پہنچے تو کسی سنسان چوٹی کو تقدس کی شان عطا فرما کر چار سال معتکف بہ یادِ الٰہی رہے۔ سیدی درویش محی الدین قادری نے لکھا ہے:

" زندگی کی سر سبز و شاداب وادیوں میں ریاضت و مجاہدہ کی طرف
متوجہ ہوئے تو اس پاکیزہ جذبے نے بجلی کی طرح آپ کو پہاڑوں
جنگلوں اور ویرانوں اور نامعلوم خطوں کی سمت کھینچا اور آپ دیکھتے
ہی دیکھتے شوق و وجدان کا اک روشن ترین مینار بن گئے"۔[3]

چار سال بعد جب آپ یہاں سے نورِ معرفت اور روشنیٔ قلب و ضمیر حاصل فرما کر اٹھے تو:

---

[1] انسانِ کامل حصہ اول مترجمہ فضل میراں صاحب ص۱۰۳ [2] افضل الکرامات ص۵۰ [3] ایضاً ص۴۹

"عشق دل میں روشن ہو گیا تھا اور دل چاہتا تھا کہ محبوب کے سوا ہر چیز
خاک ہو جائے"۔[1]

میر منور علی صاحب نے لکھا ہے:

عشق کی آگ سلگ چکی تھی اور روز بہ روز اس ترقی پر سوزشِ ہجر
ناقابلِ برداشت"۔[2]

حق تعالیٰ محبت بھی ہے محبوب بھی ہے۔ حبیب بھی ہے محب بھی، اُسے اسی طرح پہچانا جاسکتا ہے جس طرح چہرہ دیکھ کر شخصیت کو پہچانا جاتا ہے، حق تعالیٰ کی محبت سے دل کو آباد رکھنے کے لیے جب تک دل کی تربیت جیسی کہ چاہیے ویسی نہ ہو تو ایسی محبت پیدا نہیں ہوسکتی جب ایسا جذبہ محبت دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو مثل اک آزار کے دل کے گوشے گوشے میں سرایت کر جاتا ہے اس لیے جب تک اس آزار پر صبر کرنا نہیں آجاتا دل کو اس محبوبِ حقیقی کی محبت کے قابل نہیں سمجھا جاسکتا حق تعالےٰ کی محبت کو دل میں بسائے رکھنے کے لیے آپ کو جتنی منزلیں طے کرنی تھیں طے کر ڈالیں اور صبر کی عظیم مثال قائم کر دی تو مقصود حاصل ہو گیا اسے تو فدوی آپ کے حق آگاہ استاد کی تحریک کا اثر سمجھتا ہے ورنہ یا اپنا بیٹ تک پہنچنے میں کیا مصلحت تھی جبکہ
"الصفا، صفت الاحباب کے عنوان کے تحت قلب کی آرائش
ہو چکی تھی"۔[3]

جس دن آپ نے ترکِ علائق فرما کر راہِ خدا میں قدم رکھا تھا عشق کی ہر آزمائش سے
گزرے یہ آپ کے ارادۂ حق پژوہی کی تصدیق و تصویب کے لیے ضروری تھا کیوں کہ
"بندہ جب اللہ کے ساتھ محبت کرے گا تو بندہ اسرارِ الٰہی کو نہیں کھینچ سکتا
جب تک کہ حق تعالیٰ اس کے ساتھ محبت نہ فرمائے اور اس فرق کی وجہ

---

[1] افضل الکرامات ص۵۳ [2] میلے بیابانی ص۱۰۲

متوجہ ہوئے، آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، دیر تک سجدہ ریز رہے گریہ وزاری سے آنسو تھمتے نہ تھے۔ دوبارہ والدۂ معظمہ کی آواز شمیم صبح بن کر مشامِ جان کو معطر کر گئی تو مرغانِ سحر نے اذان دی، اُجالا ہوا تو چٹان کے سائے سے نکل آئے، پہاڑی سے اترے تو قضات وافتاء کی ذمہ داریوں کا خیال بھی آ گیا۔ فی الحقیقت والدۂ مکرمہ نے اسی جانب توجہ دلائی تھی اور یوں آپ کا فرضِ منصبی آپ کو مسندِ قضات وسجادۂ افادہ کی طرف لیے پہنچا۔ یوں بھی اگر والدۂ مکرمہ کی پیار بھری آواز فردوسِ گوش نہ بھی ہوتی تو سرِ صدر سے خلقت کی طرف رجوع ہونے کا فرمان مل جاتا اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ عین ممکن تھا کہ آپ اپنی حیاتِ قدسی کے آخری دن تک حق تعالیٰ سے اسی طرح شدید ترمحبت میں اسی پہاڑی پر گوشہ گیر رہتے خلق کی طرف نہ آتے مگر چونکہ اک عالم کو آپ کی ذاتِ گرامی سے فیض پہنچنا لکھا جا چکا تھا اس لیے آپ والدۂ معظمہ کی آواز پر فرماں بردارانہ اٹھے اور بہ اشارۂ غیبی خلائق کی نظروں سے خود کو بچاتے جنگلوں بیابانوں سے ہو کر چلے، حیدرآباد پہنچے تو شفیق تایا حضرت سیدی سید شاہ غلام علی قادری الموسوی سے نیاز مند ملے اور عرفان والقان کی خوشبو سے ساری فضا کو معطر کر دیا۔ اپنے استاد حافظ صدرالدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے مسکرا کر گلے سے لگا لیا اور ساری صعوبتیں اور تلاشِ راہِ خدا کی ساری آزمائشیں فراموش کرا دیں۔ آخر میں اپنے ماموں محترم حضرت مرتضیٰ حسین قدس سرہٗ کی خدمت میں مودبانہ پہنچے اور رخصت کی اجازت چاہی سیدی درویش محی الدین قادری ؒ فرماتے ہیں:

"میدک کی پہاڑیوں کو جب آپ نے چھوڑا تو کم وبیش دو سو میل کا طویل سفر طے کر کے براہِ حیدرآباد قاضی پیٹھ مراجعت فرما ہو گئے۔"[1]

---

[1] افضل الکرامات صـ ۴۹

مشتاقانِ علم وعرفاں، طالبانِ حق وایماں، قرب وجوار کے گنوار ودہقان، آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر شرفِ نیاز مندی کے لیے ہر طرف سے چلے آئے۔ آپ کے اصحابِ منقل ہاتھ جوڑے کھڑے ہی کھڑے کلماتِ خیر مقدم ادا کرتے اور آپ کے نعلین کو ہاتھوں سے مَس کر کے آنکھوں سے لگا لیا۔ آپ اپنی والدۂ ماجدہ کی خدمت میں بصد ادب واحترام پہنچے۔ نہایت تعظیم وتکریم سے بڑھ کر والدۂ معظمہ کی قدمبوسی فرمائی۔ دیر تک فرطِ مسرت ومحبت سے والدۂ ماجدہ کے دامنِ قدسی کو آنکھوں سے لگائے رکھا۔ عرصہ دراز بعد شفقت ومحبت کے اظہار کا موقع آیا تھا تو والدۂ مکرمہ نے بھی اپنے دونوں ہاتھوں سے آپ کے سرِ قدسی کو بلند فرما کر جبینِ روشن کے بوسے لیے اور خوب خوب دعائیں دیں۔

پاس پڑوس میں رہنے والے غریبوں مسکینوں اور محنت کش مزدوروں، عمر رسیدہ وضعیف افراد وشناسا احباب سے ملنے بہ نفس نفیس اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ تھوڑی تھوڑی دیر ہر ایک کے پاس ٹھہرے ان کے حالات اور مسائل سے واقفیت حاصل فرمائی۔ فرداً فرداً ہر ایک سے ملاقات فرما چکے تو والدۂ ماجدہ کی اجازت سے کر مسندِ قضاۃ کو رونق بخشی۔ روزانہ اوقاتِ پنجگانہ کی مدد کیا تقسیم اپنی دولت سرا پر امورِ قضات کی انجام دہی پر توجہ دیتے اور تاکہ پریشان حال لوگوں کے حالات واحوال پوچھ کر ان کے مسائل حل فرماتے، ضرورتمندوں کی ہر طرح مدد فرماتے۔ شب تمام حق تعالیٰ کی شکر گزاری اور اس کی حمد وثنا وذکر میں بسر فرماتے اس طرح اپنے اوقات روز وشب کو عدل گسترانہ تقسیم فرما لیا تو مسندِ قضات وسجادۂ طریقت کو رونق تازہ مل گئی لیکن سلسلۂ بیعت اجرانہ فرمایا۔

آپ کے یہ فرائض ومعمولات یہ تمام مشاغلِ قدسیہ، بعینہٖ اصحابِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھے۔ ہر طرح علم وادب میں کمال پا لینے کے باوجود، مزید دینی علم کے حصول کی تڑپ، وہی احساسِ فرائضِ منصبی، وہی عبادتِ الٰہی کا ذوق وشوق، وہی حق کے نام کو بلند کرنے کا جوش وخروش، وہی تقویٰ وہی خشیت وہی استغنا، وہی دکھی انسانیت کے لیے تڑپ جانے والا دل اور وہی غریبوں کے دکھ درد کو بانٹ لینے والا مزاج، طریقِ بود وباش بھی وہی طرزِ غور وفکر بھی وہی۔

عبادتوں کا اہتمام ہو کہ بلا فرقِ مذہب ہر فرد سے ملنے اور اُن سے معاملات صبح و شام، قدم بقدم وہی شانِ خداترسی یہاں نظر آتی ہے اس تقویٰ شعاری و خداترسی کے وقت

"آپ اپنی عمر کے اٹھائیسویں سال میں داخل ہوگئے تھے۔ قاضی پیٹھ آتے ہی آپ نے بھٹ پلی کے پہاڑوں کا رخ کیا اور محوِ ریاضت ہوگئے"[1]

لیکن قضات و افتا کے کاموں سے دوری اختیار نہیں فرمائی۔ نہ صرف یہی بلکہ فرصت نکال کر متوسلین کو نہایت محبت آمیز لفظوں میں ہدایت حق فرما کر ان کے قلوب بھی منور فرماتے۔

اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے مشغول بہ حمد و ثنا رہنا اس کے لیے اظہارِ عبودیت، تضرع و تذلل عجز و انکساری آپ کا دائمی و فطری استبصار (نورِ قلبی) تھا۔ کوئی لمحہ بھی حق تعالےٰ کی یاد، اس کی محبت اور اس کے قرب کی لذت سے خالی نہ تھا! اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، قضات و زرعی کاموں کی نگرانی فرماتے ہوئے بھی آپ کے تارِ نفس اللہ کے ذکر سے روشن رہتے۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ فرماتے ہیں:

"ہزاروں دن اور راتیں، پہاڑوں پر گزار دیتے لیکن خلوت در انجمن کے اصول کے تحت قضات کے فرائض کی انجام دہی بھی پیشِ نظر رہا کرتی تھی۔ آپ کبھی کبھی موضع آجایا کرتے تھے"[2]

تعلقات دنیاوی و جسمانی راحتوں کے ترک کرنے کا یہ عمل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت سے مشابہ تھا جیسے آقائے دوجہاں نے کچھ عرصہ ترکِ علائق فرما کر غارِ حرا میں معتکف بہ ذکرِ حق بسر فرمایا تھا مگر دنیاوی معاملات و معاشرتی مسائل کی یکسوئی کے لیے کبھی کبھی گھر بھی تشریف لایا کرتے تھے۔

آپ کی پاکیزہ نفسی، قربت و محبتِ الٰہی، ریاضتوں اور عبادتوں کے ۲۸ برس پورے

---

[1] افضل الکرامات صہ ۵۳ [2] ایضاً صہ ۵۴

ہو چکے تھے، حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی، دنیا سے بے رغبتی و ترکِ علائق کے اثر نے قاضی پیٹھ کی فضاؤں، تالاب کے کناروں اور اس کے سنسان پہاڑوں کو انوارات و برکات کے نزول کے سبب متبرک بنا دیا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ، آپ کا انہماکِ ذکر و فکر آپ کی عبادتوں کا شغف دیکھ کر بے حد مسرور ہوتیں لیکن علائق سے اسقدر دوری سے گھبرا جاتیں۔ اندیشہ ہائے دور و دراز آپ کے دائمی تجرد کا خیال لئے دل میں گھر کر جاتا۔ ایسے وقت متفکرانہ۔ اپنے بزرگوں سے مشورہ اور احباب سے تبادلۂ خیال فرما کر اپنی اس فکر کا اظہار فرماتیں کہ نکاح جیسی عظیم سنت کہیں آپ سے ترک نہ ہو جائے۔

اسے حق تعالیٰ کی کرم فرمائی ہی کہنا چاہیئے کہ اس نے اول ہی اول انسان کی فطرت کو سلیم بنایا اور اسے ہر طرح کے آداب، فضیلت و خیر سے بہرہ ور کر کے اسے ایک بہترین اور پسندیدہ زندگی کا نمونہ پیشِ نظر رکھنے کے لیے حضور ختمی مرتبت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جامۂ بشریت عطا فرما کر مبعوث فرمایا اور قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کی رہنمائی کے لیے آپ کی حیاتِ قدسی کی کبھی نہ بجھنے والی شمع کو روشن فرمایا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا ایک ایک پل، آپ کی نشست و برخواست کا ایک ایک لمحہ، ادنیٰ سے اعلیٰ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ قرآنِ حکیم نے اسی لیے آپ کی حیاتِ طیبہ کو "اسوۂ حسنہ" کے جامع تر الفاظ سے یاد رکھا ہے اور غایت ادب کے پیشِ نظر دنیا کے سامنے اسے اسلام کر کر پیش کیا ہے۔ اسے اور آسان لفظ میں ہم "ادب" بھی کہہ سکتے ہیں۔ زندگی جب ہر قسم کے ادب سے سنور جاتی ہے تو اسلامی ہی کہلاتی ہے پروفیسر محمد طاہر القادری نے لکھا ہے:

"انبیاء و رسل کو بنی نوعِ انسان میں اسی لیے مبعوث کیا گیا کہ عبادات و معاملات اور مناکحات و معاہدات الغرض زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق باری تعالیٰ کے احکامات کی عملی مثال ان نفوسِ قدسیہ کے ذریعہ بنی نوعِ انسان تک پہنچ جائے"۔ (اجزائے ایمان صہ ۱۶۲)

حق تعالیٰ جل شانہٗ ، اپنے محبوب اور چہیتے بندوں میں بھی اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ
کے عمل کا ایک ایک اثر دیکھنا چاہتا ہے عقدِ نکاح بھی انہی میں سے ایک ہے ، یہ جہاں
منشائے الٰہی ہے وہیں سنتِ انبیا اور عبادت و اطاعتِ الٰہی بھی ہے مولانا احمد یار خان نعیمی
لکھا ہے :

" نکاح اور ایمان ۔ یہ دو عبادتیں ہیں جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوئیں اور تا قیامت رہیں گی ۔ نکاح بہترین عبادت ہے اس سے نسلِ انسانی کا بقا ہے ۔ صالحین ، ذاکرین و عابدین کی پیدائش کا ذریعہ ہے " ۔ ۱

سرکار قاضی بیٹھ قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی کمال زہد و اتقا سے متصف تھی ۔ اتباعِ سنت و احکامِ شریعت ہمیشہ پیشِ نظر رہا کرتے ، بھولے بسرے بھی اسوۂ حسنہ کے کسی پہلو سے اپنا دامن تہی نہ رکھا چہ جائیکہ سنت کے اس آسان تر عمل سے خود کو کیسے بے نیاز کرتے ۔ والدہ کی خواہش کا احترام کر کے اکثر ان کے بے حد اصرار پر مسکرا کر خاموشی اختیار فرماتے لیکن کسی وقت ایسا اپنے کسی عمل سے ظاہر نہ ہونے دیتے کہ آپ اس سنت سے دور رہیں گے ۔ اپنے ہر ... کے ظہور میں آنے کی خبر کے سبب آپ کی یہ خاموشی معنی خیز ہو جاتی کیوں کہ آپ جانتے تھے سنتِ انبیا پر عمل کرنے کا ابھی وقت آیا نہ تھا بس ہمیشہ والدۂ مکرمہ کے اس اہم موضوع پر گفت... کے وقت سر جھکائے فرماں بردارانہ ان کے لطفِ خصوصی کے منتظر رہا کرتے ۔ گھر کے کسی فرد... والدۂ مکرمہ کی اجازت کے بغیر دنیا کے کسی اچھے کام کا ارادہ بھی کرتے ہوئے آپ کو نہ پایا ۔ آپ... ہوں کسی حال میں ہوں والدۂ مکرمہ کے بلانے پر دوڑے دوڑے چلے آتے ، اور... نظریں نیچی کیے حکم کے منتظر رہتے ۔ والدۂ معظمہ کی اطاعت و فرماں برداری کے جس پہلو پر نظر ڈا...

---

۱ مراۃ المناجیح حاشیہ جلد پنجم صہ ۳

سعادت مندی معراجِ کمال پر نظر آئے گی ۔ سیدی درویش محی الدین قادری کا بیان ہے :

" آپ کو والدہ سے بے حد الفت تھی ۔ احترام اتنا فرماتے کہ مثال نہیں ملتی ۔ والدہ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیتے اور کہتے " میں آپ کا غلام ہوں " ۔ ۱

فقر و فنا و منازلِ قرب و اتصال طے فرما چکے ۔ تحصیلِ علم و عرفاں سے زہد و اتقا میں کمال آفرینی کے جوہر پیدا ہو چکے تو ایک دن اس نعمتِ کبریٰ کے اثر اور عرفانِ الٰہی کے گہر کو سینے سے لگائے وجد کناں صوبہ داری کے راستے پر کھیت کھلیانوں سے ہو کر چلے ، ناہموار خاردار ٹیڑھے میڑھے اونچے نیچے قفوں پر اسی سبک روی اور خوش خرامی سے چلتے چلے جاتے تھے جیسے کوئی صاف و سیدھی مسطح سڑک پر رواں دواں ہو ۔ موضع وڈے پلی کے سر راہا پر پہنچے تو آبادی سے ذرا پہلے رک گئے اور ایک پتھر پر تشریف فرما حالتِ جذب میں زیرِ لب ارشاد فرمایا :

" کوئی ہے جو دنیا کے عوض دین لے " ۔

آپ کی آواز دور و نزدیک یکساں سنائی دیتی تھی ، سننے والے کو محسوس ہوتا جیسے آپ اس کے بالکل قریب ہی سے ارشاد فرما رہے ہوں ۔ راہ چلتے ہوئے جو شخص بھی اسے سنتا تھا متعجب ہوتا تھا لیکن اپنی دانست میں اسے نہ سمجھ میں آنے والی بات جان کر مودبانہ گزر جاتا ۔ ہیبتِ اسد اللہی کے سبب نہ آپ سے ہم کلام ہی ہو سکتا تھا اور نہ ہی ٹھہر سکتا تھا ۔ اسی حالت اور اسی کیفیتِ خود فراموشی میں کچھ دیر آپ یونہی نعرہ زن رہے ، پھر کوئی ساعت نہ گزری ہوگی کسی نے آپ کو وہاں موجود نہ پایا ۲ ۔ اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد حضرت سیدی میر قربان علی قدس سرہٗ کی عفیفہ دختر صاحبزادی صاحبہ سے آپ کا رشتہ ازدواج طے پا گیا ۔

---

۱ فضل الکرامات صہ ۳۵ ۲ یہ واقعہ اس وقت ظہور پذیر ہوا جب حضرت سیدی میر قربان علی قدس سرہٗ (باقی آگے)

حضرت سیّدی میر قربان علی قدس سرہٗ

دولت کدۂ ساداتِ حسنی، سرمایۂ افتخارِ خاندانی، صاحبِ عز و شرفِ زمانی، قابلِ ذی عزّ و شان، عظیم المرتبت وفقید المثال حاکمِ ضلع ورنگل تھے۔ کیا بہ تبحّرِ علمی اور کیا بہ تدبرِ انتظامی دور دور تک اِن کا نہ کوئی مثیل نہ ہم پایہ سیدی درویش محی الدین قادری لکھتے ہیں:

"صاحبِ موصوف خاندانِ سادات اور نہایت متقی اور دیانت دار عہدہ دار اور اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔" [1]

اعلیٰ حسب و نسب، خاندانی عز و شرف کے ساتھ امیرانہ شان و فقیرانہ صفتِ بے نیازی بھی پائی تھی۔ منکسر المزاجی طبیعت کا خاصہ تھی، تقویٰ و پرہیزگاری متوارث تھا۔ اوقاتِ پنجگانہ کیسا...

(ما باقی حاشیہ کا حاشیہ) بحیثیت اول تعلقدار و حاکمِ ضلع ورنگل، کارگزار تھے۔ اتفاقاً وہ بھی اسی راستے سے اپنے کسی نجی کام پر تانگے میں سوار قاضی پیٹھ ہی کی جانب تشریف لا رہے تھے، سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ کو لب پتھر پر تشریف فرما دیکھا تو آپ نے فوراً سواری رکوائی بڑی تیزی سے تانگے سے اتر پڑے اور آپ کے قریب آ کر ٹھہر گئے، سرکار قاضی پیٹھ اسی وجدانہ کیفیتِ ناز آفرینی سے

"کوئی ہے جو دنیا کے عوض دین لے؟"

ارشاد فرما رہے تھے۔ سیدی میر قربان علی قدس سرہٗ نے جیسے ہی یہ ارشاد سنا اپنی کمر سے تھیلی نکالی اور آپ کی نذر کر دی۔ آپ اسے بے نیازانہ قبول فرما کر قریب ہی کی جھاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ میر لشبیر الدین علیشاہ صاحب نے حضرت میر قربان علی صاحب قدس سرہٗ کو بعہدۂ تحصیلدار ورنگل لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے اسی طرح آپ کی دلیہ عصر صاحبزادی صاحبہ کا نام "شہزادی بی صاحبہ" لکھا ہے جبکہ صحیح نام بادشاہ بیگم صاحبہ ہے۔ (اوپر دیئے گئے واقعہ کا ماخذ ملفوظاتِ کشفی بیابانی ہے)

نوافل و مستحبات کا پاک شغل بھی رکھا تھا۔ صاحبِ برکات و حسنات تھے۔ سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ کے اجدادِ کرام ذی احترام سے، آپ کے سارے افرادِ خاندان اور خود آپ بھی حسنِ عقیدت و شرف نیاز مندی رکھتے تھے۔ اِن کے اخلاف سے محبت، ادب و احترام کو خوشنودیٔ مولا علیؑ سمجھتے تھے۔ ہر جمعہ سلسلہ بیابانیہ کے اکابرین کے اسمارِ شریف کو وسیلۂ قبولیت دعا اور اُن کے آستانوں کو ذریعۂ تقرب الی اللہ جانتے تھے۔ خوش نصیبی سے کبھی اس گھرانے کی خدمت کا کوئی موقع پیش آ جاتا تو حریصانہ کر گزرتے۔

سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ کے مقاماتِ عالیٰ، علومِ شرع کی ہمہ دانی، عرفانِ الٰہی کی دولتِ لازوالی سب پر آئینہ تھی۔ اکثر اہلِ خانہ، عزیز و اقارب و احباب سے آپ کے وصف و مرتبہ کمال کا ذکر بڑی عقیدتمندی سے فرمایا کرتے۔

اِدھر کئی دن قبل حضرت میر قربان علی قدس سرہٗ کو بذریعہ خواب سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ کی مصاحبت کا اشارہ ملتا رہا۔ قاضی پیٹھ کی طرف آپ کی تشریف آوری اِسی غرض و مدعا کو لئے تھی کہ صوبیداری کا مندرجۂ بالا واقعہ ذریعہ تقریب و تقرب بن گیا۔

کچھ ہی دنوں بعد حضرت میر قربان علی قدس سرہٗ کی زاہدہ و عابدہ صاحبزادی حضرۃ سیدہ بادشاہ بیگم قدس سرہا سے رشتۂ ازدواج قائم کر لینے کا سرِ صدر سے اشارہ جو مل گیا آپ نے رضائے الٰہی و سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر استحقاقِ نفس کے اِس معاملے کو عدل لحرانہ حل کر لیا اور والدہ مکرمہ کی دیرینہ آرزو کی تکمیل فرمائی۔ میر لشبیر الدین علیشاہ کا بیان ہے:

"میر قربان علی صاحب تحصیلدار کی دخترِ نیک اختر حضرۃ شہزادی بی صاحبہ سے آپ کا عقدِ شریف ہوا۔" [1]

میر منور علی صاحبؒ نے لکھا ہے:

---

[1] شجرۂ خاندانِ بیابانی ص۱۷

"ہمارے دادا پیر قدس سرہٗ کا عقدِ شریف کس ماہ و سنہ میں ہوا اس کا کچھ علم نہ ہو سکا، البتہ افضل الکرامات سے اتنا معلوم ہوا کہ آپ کے محلِ مبارک کا اسمِ گرامی حضرت بادشاہ بیگم صاحبہ قبلہ تھا جو میر قربان علی صاحب اول تعلقدار ورنگل کی صاحبزادی صاحبہ تھیں۔"[1]

اولادِ امجاد

آپ کی اولادِ امجاد سے صرف دو صاحبزادگان کا ذکر صاحبِ افضل الکرامات نے کیا ہے۔ جبکہ آپ کے اور بھی صاحبزادے تھے، اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے صاحبزادیاں بھی عطا فرمائی تھیں۔ میر منور علی صاحب کی تصنیف 'ضیائے بیابانی' کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت قدس سرہٗ نے دو شادیاں کی تھیں۔ محلِ اول کے بطنِ اطہر سے سرورِ اقطاب حضرت سیدی سید شاہ غلام سرور بیابانی قدس سرہٗ پیدا ہوئے، محلِ ثانی سے حضرت سیدی سید شاہ غلام داؤد قدس سرہٗ رونق افروزِ عالمِ امکاں ہوئے[2]۔ حضرت سرورِ اقطاب قدس سرہٗ کی ولادتِ باسعادت کے روزِ اول

---

[1] ضیائے بیابانی ص ۱۰۶۔ [2] آپ کا ذکر آپ کے وصال کے ضمن میں صاحبِ افضل الکرامات نے کیا ہے، "حضرت سید غلام داؤد صاحب جو حضرت قدس سرہٗ کے صاحبزادے تھے ان کا انتقال ہو گیا، مزار میں جب رکھا گیا تو ان کا چہرہ مشرق کی طرف پلٹا ہوا تھا۔ محمد لطف اللہ صاحب محتسب ضلع نے حضرت سے عرض کیا کہ قاضی صاحب آپ کے فرزند اور ان کا چہرہ قبلہ کی طرف نہ ہو، یہ سنتے ہی حضرت قدس سرہٗ مزار میں اترے اور دعا فرمائی کہ الٰہی "میں اس سے خوش ہوں تو بھی اس سے خوش ہو" ساتھ ہی ہر ایک نے دیکھا کہ ان کا چہرہ بجانب قبلہ خود بخود پھر گیا۔" (افضل الکرامات ص ۱۱۱) فی الحقیقت یہ واقعہ حضرت قدس سرہٗ کی حیاتِ قدسی کا مہتم بالشان حصہ ہے جس سے حق تعالیٰ جل شانہٗ کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ آپ اپنے متوسلین، متعلقین، اولاد و احفاد، مریدانِ باصفا کو اُن کے وصال کے بعد بھی ان کے ادب و مقام

ہی سے حرمِ بیابانی کے در و دیوار عرفانِ الٰہی کی عطر بیز مہک سے کششِ فرشادگان کا سبب بن گئے۔ آپ جب اس بزمِ امکاں میں محبتِ الٰہی کا سرمایہ بن کر رونق افروز ہوئے تو اس نعمتِ عظیمہ و دولتِ عرفانیہ کو اپنے اپنے دامن میں سمیٹنے کے لیے ہر طرف سے مخلوقِ خدا امڈ پڑی، بندگانِ خدا کا اشتیاق اور حد درجہ اخلاص دیکھ کر حضرۃ سیدہ بادشاہ بیگم قدس سرہا کا قلبِ شریف مسرت و محبتِ بے پایاں سے بھر جاتا، فطری چاہ اور بے پناہ محبت کے اظہار کے ایسے ہی ایک موقع پر حضرۃ قدس سرہا کی زبانِ مبارک سے ذکر و شکر و حمدِ باری تعالیٰ جاری تھے کہ حق تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا پسند آگئی، فوری حکم سے خلد بریں جاری ہو گیا اور اپنی چادرِ رحمت کا سرورِ اقطاب کے سر پر سایہ کر دیا۔ سیدی درویش محی الدین قادری رح فرماتے ہیں:

(مابقی حاشیہ ص ۱۱۰) کے مطابق انھیں مقامِ ولایت پر فائز فرماتے ہیں۔ حضرت پیر و مرشد قبلہ قدس سرہٗ نے بتایا تھا کہ حضرت سیدی غلام داؤد قدس سرہٗ سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد بہ زمانۂ طالب علمی کسی بدعقیدہ مولوی کے فریب و اثر سے عقیدۂ اسلاف و تقلید سے آزاد رہنے لگے تھے، عمر زیادہ نہ پائی تھی والدِ محترم سے بیعت فرمائی تھی اور حد درجہ احترام کے سبب سامنے نہ جاتے تھے، یہی سبب تھا کہ حضرت قدس سرہٗ نے سیدی سرورِ اقطاب کی علمی تربیت خاص اپنی ہی نگرانی میں فرمائی۔ ارشاد ہوا:

"میرا میاں اپنے ہی گھر میں ظاہری و باطنی سب علوم میں کمال حاصل کرے گا۔" (افضل الکرامات ص ۱۳۹)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: "میرا میاں، میرے راستے پر ہے اگر میں مکار ہوں تو وہ بھی مکار ہے۔" (ایضاً ص ۱۳۸)

حد درجہ احتیاط کے باوجود، اس زمانے میں بھی دینی مدارس میں بداعتقاد مولویوں کے در آنے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اسی لیے حضرت قدس سرہٗ نے محتسب ضلع و دیگر ابنائے اسلام کے سامنے اس کا اظہار فرما کر مستقبلِ قریب میں پیدا ہونے والے دو چار فتنوں سے بھی آگاہ فرمایا تھا۔

" فرزندِ دلبند کی والدۂ ماجدہ کا انتقال اس وقت ہوا، جب آپکی
عمر صرف ۷ دن کی تھی۔ آپ کا تولد ۲۹ ذی الحجہ کا ہے اور
والدہ کا وصال ۷ محرم کو ہوا "۔[1]

سیدی سردارِ اقطاب قدس سرہٗ کی رفعت و عظمت، جلالتِ شان کا اندازہ حضرت درویش محی الدین قادری کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے، فرمایا ہے:

" آپ کی والدۂ ماجدہ کے انتقال کے وقت آپ سات روز
کے تھے مگر آپ اپنی والدہ صاحبہ کا پورا حلیہ بیان فرماتے تھے "۔[2]

جس دن حضرۃ سیدہ بادشاہ بیگم قدس سرہا کی روحِ مبارکہ نے بزمِ حضرتِ باری میں جلوہ گری کی، اس المناک موقع پر رنج و غم ضبط فرماکر سرکار قاضی بیٹھ قدس سرہٗ نے حق کو یوں مخاطب فرمایا:

" اے اللہ تو نے ایک راحت عطا کی اور دوسری لے لی۔ اگر یہ تیری
مشیت اور مصلحت کے سبب سے ہے تو مجھے صبر دے اور اگر یہ تیری مرضی
سے ہے تو، تو مجھے اس کے عوض اپنی رضا عطا فرما "۔[3]

سرکار قاضی بیٹھ قدس سرہٗ کی والدۂ ماجدہ کو حضرت بادشاہ بیگم قدس سرہا کی رحلت سے سخت صدمہ پہنچا۔ بارہ سال تک اس غم و الم کے اثر کو سینۂ طاہر میں لیے رہیں۔ شدتِ رنج و ملال کے سبب گوشہ گیری اور خاموشی اختیار فرمائی تسبیح کے بے شمار دانوں کو اپنے صبر و ضبط کا گولہ بنائے رکھا سوائے اوقاتِ پنجگانہ کی مداومت کے کسی سے کوئی علاقہ نہ رکھا۔ جب سردارِ اقطاب کی عمر شریف ۱۲ سال کی ہوگئی تو اپنے ان پوتے صاحب کے سہرے کے پھول دیکھنے کی آرزو ظاہر فرماکر حضرت قدس سرہٗ سے ان کی شادی کے لیے اصرار کیا۔

---

[1] افضل الکرامات ص ۳۵، [2] [3] ایضاً ص ۱۵۵

حضرت سیدی درویش محی الدین قادری رح فرماتے ہیں:

" حضرت کی پہلی شادی، حضرت قدس سرہٗ نے اپنی والدہ صاحبہ
کی ضعیفی اور اصرار کی وجہ، کم عمری یعنی بارہ سال کے سن میں
آپ کے ماموں میر تراب علی صاحب تحصیلدار کی صاحبزادی سے کی"۔[1]

حضرت سردارِ اقطاب کی شادی ہو چکی تو حضرت قدس سرہٗ کی والدۂ ماجدہ نے خوشیوں کے چراغ گھی سے روشن کیئے اور ہزاروں من اناج پکواکر دیگیں لٹوائیں، والدۂ ماجدہ کی آرزو جو تکمیل پاگئی حضرت قدس سرہٗ نے سجدۂ شکر ادا فرمایا اگرچہ آپ کے معمولاتِ روز و شب میں سرِ مو بھی فرق نہ آیا تھا وہ اسی طرح جاری تھے جس طرح سے کہ انھیں آپ نے شروع فرمایا تھا۔ عدل گستری، تزکیۂ النفس اور الیقین کامل سے آپ کی ذاتِ ستودہ صفات بدرجۂ کمال مشرف تھی، حق تعالیٰ کی محبت میں اپنی ذات کے ریزے ریزے کو فنا کر کے وقت کی ہر آزمائش کو ہزیمت دی، کھرے و خالص سونے کی طرح حوادثِ زمانہ کی کسوٹی پر اپنے قدم جمائے رکھا اور اُسے اپنی عظمتوں سے چمکایا، صبر کی بھٹی میں یہ سونا جو تپ کر نکلا تو اور بھی نکھر گیا اس کی چمک دمک سے اصفیائے زمانہ کی آنکھیں چندھیا گئیں، کچھ عرصہ بعد والدۂ ماجدہ نے بھی مختصر علالت کو پسند فرماکر قصرِ خلد بریں میں استراحت فرماہوگئیں تو والدۂ مکرمہ کی دائمی مفارقت نے آپ کی حیاتِ قدسی کو اک نیا موڑ عطا کیا۔ آپ نے ہر ایک سے ترکِ تعلق کر کے عرصہ دراز تک بھٹ پلی کے پہاڑ پر ذکرِ الٰہی میں مصروف و مشغول اور حق تعالیٰ سے کسی بھی حالت میں تعلق کو منقطع ہونے نہ دیا۔ اگرچہ غم آشنا متوسلین کی اک بڑی تعداد اس موقع پر شرفِ قدمبوسی کو حاضر ہوتی اور آپ ان سب کی خاطر اپنی حرم سرا سے باہر تشریف لاتے دکھائی دیتے لیکن حقیقتاً آپ بھٹ پلی کے پہاڑ ہی پر موجود رہتے، سب کو مصافحے کا موقع بھی ملتا اور سب ادب و احترام

---

[1] افضل الکرامات ص ۱۴۱

سے آپ کے دامنِ قبا کو بوسہ دینے کی سعادت بھی حاصل فرماتے۔ کچھ دیر تک فرش پر نظریں جمائے یہ سارے عقیدتمند وہیں دو زانو ہو کر بیٹھ جاتے کوئی کسی سے کچھ نہ کہتا حدِ ادب کے سبب اشاروں کنایوں میں گفت گو کرتے لیکن آواز سے ہمکلام نہ ہوتے۔ اسی طرح کچھ دیر تک سب بیٹھے رہتے اور آداب بجا لا کر پیچھے ہی پیچھے رخصت ہو جاتے۔ سب کے چلے جانے کے بعد آپ بھی وہاں نظر نہ آتے یہی وہ زمانہ تھا کہ آپ اخلاقِ ملکیہ سے سنور چکے تھے۔ ۱؎

نسبت و نیابتِ غوث الوریٰ

صبح و شام، قیام و قعود، رکوع و سجود، ذکر و اذکار سے کوئی لمحہ خالی نہ تھا۔ ساتھ ہی متعلقین و متوسلین کے احوال سے باخبر بھی رہتے، قصبات کے کاموں کو بھی ملاحظہ فرماتے اور ملازمین کے کاموں کی بھی نگرانی فرماتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت کا اثر آپ کے ایک ایک عمل سے ظاہر ہوتا انھیں غالب دیکھ کر کوئی ہم کلام ہونے کی جرات نہ کرتا سیدی درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں:

”(بھٹ پلی کے پہاڑ سے) آپ جب بھی تشریف لاتے حالتِ استغراق میں رہتے جس کی وجہ مریدانِ خاص بھی سامنے نہ جاتے۔“ ۲؎

۱؎ سیدی عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی قدس سرہٗ نے لکھا ہے: (انسانِ کامل ص ۲۰۲)
”جب صاحبِ جسم، اخلاقِ ملکیہ کو حاصل کرتا ہے تو اس کی روح قوت پاتی ہے اور اس سے ثقل کا حکم اٹھ جاتا ہے جب ہمیشہ یہی حالت رہتی ہے تو اس کا جسم فی نفسہٖ مثل روح کے ہو جاتا ہے پھر وہ پانی پر چلتا ہے ہوا میں اڑتا ہے۔“

۲؎ منہل الکرامات ص ۵۴

برسوں اسی طرح حق تعالیٰ کی عبادت اور اس کی خوشنودی کیلئے کبھی قرب و جوار کے سنسان تالاب کے کنارے پتھر کی چٹان پر تو کبھی کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر جہاں آسانی سے جانا ممکن نہ ہوتا محوِ عبادتِ الٰہی رہتے۔ گھر پر ملنے آئے ہوئے لوگوں سے ملاقات بھی فرماتے اور چشم زدن میں علائق سے دور کہفِ تنہائی میں گوشہ گیر رہ کر ذکرِ حق سے مشغول بھی رہا کرتے۔ اسی دوران مخصوص ارادتمندوں کی ظاہری و باطنی تربیت بھی فرماتے۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ فرماتے ہیں:

”علم و عرفان، ایقان و ایمان، تزکیۂ نفس و تہذیبِ باطن، ریاضت و مجاہدہ میں بے نظیر تھے۔ خلوت در انجمن کے بے مثال مظہر تھے۔“ ۱؎

مجاہدات و ریاضات کی کثرت سے تجلیات کا ظہور معمول بن چکا تو حصولِ برکات کی خاطر ہر قسم کی مخلوق حلقہ باندھے آپ کے اردگرد منتظرِ کرم رہتی۔ رجال الغیب اور ناری مخلوق ایک دوسرے پر سبقت لے جانے آپ کی اس خلوت گاہ پر کثرت سے جمع ہو جایا کرتی تھی آپ اشارے سے انھیں ہٹ جانے کا حکم فرماتے۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ کا بیان ہے:

”جب آپ مصروفِ عبادت ہوتے تو طرح طرح کی مخلوق اردگرد جمع ہو جاتی، آپ کا ارشاد ہے: ”اکثر میرے پاس جتنے آجایا کرتے تھے لیکن میں انھیں ہٹا دیا کرتا۔“ ۲؎

حصولِ مرام و تقرب و رضائے الٰہی، و زمرۂ خدامین میں داخلے کا متمنی ایک کوہ قامت قوی الجثہ جن، مودب سر جھکائے، ان سب سے جدا، اور سب سے آگے کھڑا رہتا، کبھی سب پر ظاہر اور کبھی سب کی نظروں سے پوشیدہ منتظرِ فرمانِ عالی رہتا۔ عرصہ دراز بعد جب اتفاقاً اس مقام کی طرف آپ کا گزر ہوا تو اس چٹان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

۱؎ انفس الکرامات ص ۳۷ ۔ ۲؎ ایضاً ص ۵۴

"جب میں اس چٹان کے پاس مشغولِ عبادت تھا تو
وہاں ایک جن قوی ہیکل ہر وقت حاضری اور فرماں برداری
کا منتظر رہتا۔" [1]

آپ کی خلوت گزینی کے وہ تمام مقامات، جہاں آپ معتکف بہ یادِ الٰہی رہے اکثر انوار و تجلیات کے نزول کی کثرت کے سبب مستنیر دیکھے گئے۔ بیس برس قبل پاپناپیٹ کی پہاڑی اور میدک کی سنسان پہاڑی چوٹیوں پر جس مجاہدہ سے حق تعالیٰ کا قرب اور اس کی محبت کو رگ و پے میں سمو لیا تھا اس کی لذت آفرینی نے دوام ذوقِ آشنائے خلوت رکھا۔ راتیں پہاڑوں پر عبادتِ الٰہی میں گزار دیتے اور صبح پو پھٹنے سے قبل گھر تشریف لاتے، ایسا قضاۃ کے کاموں میں ہرج ہونے کے خیال سے فرماتے ورنہ اکثر مہینوں اور برسوں عبادتِ الٰہی کا لطف اٹھاتے سجدہ ریز رہتے، جب کبھی ضرورت علائق داعی ہوتی اور آپ اس پر مطلع ہوتے تو صبح ہی صبح آجاتے، تبھی بھوک و پیاس محسوس ہوتی۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ نے لکھا ہے:

"اکثر آپ علی الصبح گھر آتے تو آپ کو شدت کی بھوک
محسوس ہوتی۔ رات کا بچا کچا خشکہ، لال مرچ کی چٹنی
سے ملاحظہ فرما لیا کرتے تھے۔" [2]

کششِ منعم ذوالجلال، جذبِ حسنِ احسن الخالقین و کہربائی قوت لم یزل کے سبب برسوں بیخودانہ اس کے آستانے پر پڑے رہے مولیٰ کریم ہی خوب واقف ہے کہ کتنے برس کتنے ماہ اور کتنے دن، سردیوں، گرمیوں اور شدید بارش کے موسموں کا اثر تمام اجزائے بدن پر ہوتا رہا۔ آپ ہر شئے کے اثر سے بے نیاز، اسباب و علل سے

---

[1] افضل الکرامات ص ۵۷ ، [2] ایضاً ص ۵۴

بے خبر، روز و شب کی گردشوں سے لاعلم، نسیم صبح کے کیف و کم، خزاں رسیدہ درختوں پر بھی گردِ بے سنگم، دھوپ کی تمازت، چاندنی کی لذت، سے بے تعلق متاعِ جسم جاں نذر کرتے رہے، سیدی درویش محی الدین قادریؒ رقمطراز ہیں:

"الفتِ الٰہی میں آپ کے صفات اس درجے فنا ہو گئے
تھے کہ عالم کا ذرہ ذرہ منور ہو گیا تھا۔" [1]

بدلتے موسموں کی اثر انگیزی نے جسم کے لگے شانِ تسلیم و رضا کے پیراہن کو لمحات کی تبدیلی کے اثر سے پیدا ہونے والی نمی و گرمی سے نرم و بوداکر دیا تھا۔ گرد و غبار تہ بہ تہ پوشاک پر جم کر فضا کی ہر بدلتی کیفیت کی نمائندگی اور سارا بدنِ شریف سبزہ خیز و فرغند ریز ہو کر کسی زرخیز و شاداب حصہ زمین کا منظر پیش کر رہا تھا۔ مکڑیاں آپ کے دامنِ قدسی سے لگیں اپنی شکارگاہیں تعمیر کیئے شانِ بے نیازی سے جی رہی تھیں تیلیاں آپ کے جسم طاہر سے لپٹی بیلوں پر کھلے نرم و نازک ننھے منے پھولوں کا رس چوسنے منڈلا رہی تھیں، دیمک آپ کی پشت پر مٹی کی چادر بچھائے، شانِ بوتراب کا جلوہ دکھا رہی تھی، بڑے آرام سے گھر بیٹھے لذتِ کام و دہن کا لطف لے رہی تھی، آپ ہر تکلیف و راحت سے بے نیاز، ہر شئے کے وجود سے بے خبر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ سر بسجود تھے۔ سیدی سردارِ اقطاب سید شاہ غلام سرور بیابانی قدس فرماتے ہیں:

"آپ کی پشت میں نے دیکھی ہے۔ دیمک چڑھ گئی
تھی اور زخموں سے چھلنی ہو گئی تھی۔" [2]

سجدۂ للہیت اور لبادۂ عبدیت کے سبب آپ کے بدنِ شریف پر ہر ایک کو اس کی پسند کا آب و دانہ اور اپنی مرضی سے جینے رہنے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔ حق تعالیٰ کی قربت کے لیے

---

[1] افضل الکرامات ص ۵۶ ، [2] ایضاً ص ۶۰

آپ نے حق تعالیٰ کی ان صفات وعادات کو اپنا لیا تھا جو اس کی محبت کا لازمہ تھے یہاں
مخلوق کو اسی کی طرح چاہنا اور اسی کی طرح ہر ایک کو اس کی پسند سے زندگی گزار
کا حق دینا "الفتِ الٰہی میں اپنے صفات کو فنا کر کے" ہی دیا جا سکتا ہے۔ آپ نے ہر
مخلوق سے ویسی ہی محبت کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ سجدۂ زیریں کے اس مقامِ خلوت نا
پر شمس و قمر نے جب اپنی دو ہزار ایک سو گردشیں پوری کر لیں تو ابرِ رحمتِ الٰہی جوش زن
ہوا۔ ہر قسم کی مخلوق جو آپ سے اکتسابِ فیض و حصولِ برکات کے لیے آپ کے قرب و جوا
میں موجود تھی آپ کے اور قریب ہو گئی۔ کچھ ہی دیر میں ہر سمت سے انوار و تجلیات کا نزول
اس کثرت سے ہونے لگا جیسی کچھ ان کی عظمت تھی، گمان ہوتا تھا کہ خود پہاڑ ہر جہت
سے ضیا باری کر رہا ہے۔ دفعتاً دونوں عالموں کے حاکم و سردار، وارثِ نبیِ مختار
اقلیمِ ولایت کے تاجدار، غوث الثقلین میراں محی الدین ابو محمد سید الشیخ عبدالقادر جیلانی
پیرانِ پیر غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ عنہ بہ نفسِ نفیس محافۂ نورانی میں تشریف فرما رونق افروز
ہوئے۔ آپ نے اپنا یہ واقعہ خود ارشاد فرمایا ہے:

"ایک روز بفضلِ ایزدی سواریِ مبارک حضرت محبوبِ
سبحانی قطبِ ربانی پیرانِ پیر غوث الاعظم دستگیر سیدی میراں
محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوئی
اور مجھے دولتِ سرمدی سے سرفراز فرمایا۔ میں نے اپنا ناپاک
کندھا حضرت کی پالکی مبارک کو دیا۔" [۲]

میر منور علی صاحب نے لکھا ہے:

"حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا تھا کہ: "جب میں بھٹ پلی

۱ پانچ سال ایک ماہ پچیس دن (ملفوظات)   ۲ افضل الکرامات ص ۶۴

کے پہاڑ میں مغلوب الحال اور محوِ انوارِ الٰہی رہتا تھا ایک روز
محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی پیرانِ پیر غوث الاعظم دستگیر سیدی
میراں محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سواری
اقدس آئی اور مجھے دولتِ معنوی و سرمدی سے سرفراز فرمائی۔
آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنا ناپاک کندھا حضرت اقدس کی
پالکی مبارک کو دیا ہوں۔ اس کے بعد سے آپ کی پرورشِ
باطنی، ذاتِ مبارک غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے بلا توسط
ہونے لگی۔" [۱]

سرکار غوثِ پاک رضؓ اسی شانِ وسطوتِ حیدری سے جلوہ افروز ہوئے جس طرح مسندِ رشد و ہدایت پر جلوس فرمایا کرتے اور سارے حجابات اٹھا کر آپ کو مخاطب فرمایا۔ (آپ کے خطابات صفحہ ۴۹ پر درج ہیں۔) سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ اس طرح اچانک خطاب پر فرطِ محبت و مسرت سے اور والہانہ جذبۂ فدائیت و فدویت سے مشتاقانہ اٹھے، عرصہ دراز سے ایک ہی حالت میں مشغول بہ نیاز مندی رہنے سے وہ حصۂ جسم جو آپ کے زانو شریف اور پنڈلی مبارک سے دب کر جڑ گیا تھا، بے ساختگی سے اٹھنے پر چر گیا۔ زخم و تکلیف سے بے نیاز، جذبۂ نیاز مندی و قصدِ پابوسی سے آگے بڑھ کر پالکی مبارک کا بوسہ لیا اور اسے اپنے کندھے پر بلند فرما کر سرکار غوثِ پاک سے اپنی نسبتِ قویہ کی سند لی۔ اس ادائے جاں نثاری و حفظِ ادب محافہ برداری کو سرکار شہنشاہِ بغداد نے الطافِ کریمانہ سے ملاحظہ فرمایا اور قدمی ھٰذہٖ رقبۃ علیٰ کل ولی اللہ کے دائمی اعلان کا اعادہ فرما کر پالکی مبارک ہی سے اپنا قدمِ پاک حضرت قدس سرہٗ کے دوش و گردن پر رکھا اور تمام متقدمین و متاخرین اولیائے کرام کی

۱ ضیائے بیابانی ص ۹۱

ارواحِ طیبات اور رجال الغیب کی موجودگی میں خلعتِ سرفرازی و سندِ نیابتِ دستگیری و در ولایت عز و شرف عطا فرما کر فائز المرام کیا، آپ جب اس فضل و کمال جلال سے مشرف ہو کر خلقت کی طرف آئے تو ہر شئے آپ کے احترام میں سرنگوں ہو گئی اور سارا زمانہ آپ کے کمال کا گرویدہ ہو گیا۔ کوئی شئے ایسی نہیں تھی جو تابع فرمان نہ ہو۔ سیدی درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں:

"یہ اس فیضانِ خاص کا نتیجہ ہے کہ عاشقانِ حق آپ کے پروانے ہو گئے، زمانہ ہمیشہ آپ سے روشنی حاصل کرتا رہے گا۔" [1]

یوں سراپا شانِ اسد اللہی سے جو چلے تو جن و بشر، شجر و حجر، چرند و پرند ہر کس و ناکس ہمیشہ آپ کی متابعت میں سر جھکائے رہے۔ آپ نے اس دائمی نسبت پر شکر گزاری حق کے کوئی اور شغل نہ رکھا۔ حمد و ثنائے رب ذو الجلال اور شکر و امتنان کے اثر سے گریہ و زاری نے آٹھوں پہر قلب مضطر کو جلا بخشا کھا لہٰذا خود ارواحِ اولیائے اول و آخر سب سے آپ کی نسبت قائم ہو گئی اور متاخرین اولیائے کرام میں ہر ایک نے آپ ہی سے فیض حاصل کیا۔ مولوی محمد سلطان صاحب سر رشتہ دار تعلیمات ضلع ورنگل نے لکھا ہے:

"آپ کو حضرت محبوبِ اعلیٰ غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے خاص فیضانِ اویسی حاصل ہوا اور کمالات و فیوضاتِ قادریہ کے آپ مظہرِ اتم ہوئے۔" [2]

خلوت ہو کہ جلوت، استراحت فرما ہوں کہ محوِ تکلم، کسی حالت میں سرکارِ غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سے انتہائی محبت و قربت کے سبب ادب و احترام کبھی فراموش نہ ہوتا۔ متوسلین و خدامین، سرکارِ غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے نامِ مبارک کا غائبانہ اسقدر ادب دیکھ کر سوء ادبی کے خوف سے لرزہ براندام رہتے کہ انھیں دو عالم کی اس سرکار کے بہ نفسِ نفیس موجودگی کا گمان ہوتا۔ مولوی محمد سلطان صاحب کا بیان ہے:

---

[1] افضل الکرامات صفحہ ۶۴ [2] وقائع ورنگل صفحہ ۵۵

"حضرتِ محبوبِ اعلیٰ کے نام کا اسقدر احترام فرماتے کہ کوئی ناواقف نادانستگی سے نام لیتا اور آپ اتفاق سے چارپائی پر سوئے ہوئے بھی ہوتے تو فوراً زمین پر اتر پڑتے۔" [1]

اس محبت و ادب کی کوئی مثال زمانہ پیش نہیں کر سکتا۔ آپ کی ذاتِ گرامی اوصافِ مصطفویہ کمالاتِ قادریہ اور خیر و حسناتِ رفاعیہ سے پوری طرح آراستہ تھی، حیاتِ قدسی کے کسی پہلو پر نظر ڈالیے ہر خصائص کو انتہا پر پائیے گا۔ افضلیت، محبوبیت اور معشوقیت سے کوئی آپ کے مقام کو پا نہیں سکتا۔ ہر وصف میں اپنی مثال آپ تھے، اسی نسبت و عظمت کے سبب قاضی پیٹھ میں آپ کے روضہ پر حاضر ہونا انہی آقاؤں کے در و دربار کی حاضری و حضوری کا شرف رکھتا ہے۔ اخلاق و کردار فضائل و افتخار ہر لحاظ سے آپ کی شخصیت منفرد تھی۔ خصائلِ شریفانہ و عاداتِ کریمانہ دونوں ہی جہتوں سے رفاعی و قادری نعمتوں کے مجمع البحرین تھے۔ باوجود تقدس کی اس اعلیٰ ترشان، قربِ خلوت کدۂ ناز و دربارِ رسالت کی دوامی شرفِ باریابی کے کبھی اس پر فخر کا اظہار نہ فرمایا، ہمیشہ منکسرانہ انداز رکھا۔ تلخیص بہجۃ الاسرار شریف میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل ہوا ہے:

"اللہ تعالیٰ کبھی کسی ولی اللہ کو مرتبۂ عالی عطا نہیں فرماتا، جب تک حضرت غوثِ پاک کو منظور نہ ہو، کسی مقرب ولی اللہ کو اس وقت تک بزرگی نہیں دی جا سکتی جب تک وہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بزرگی کا اعتراف نہ کرے اللہ تعالیٰ کسی کو اس وقت تک اپنا ولی نہیں بناتا جب تک اس کے سینے میں حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کا ادب بدرجۂ اتم موجود نہ ہو۔" [2]

حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا بے انتہا ادب، حد درجہ والہانہ محبت، آپ کی عظمت و شہرت کے لیے نام و نمود سے گریز آپ کا بالذات خاصہ تھا۔ کسی بھی شخص میں سرکارِ غوثِ پاک سے محبت

---

[1] وقائع ورنگل صفحہ ۵۵ [2] مترجمہ پیرزادہ اقبال فاروقی صاحب صفحہ ۳۹

کا ذرا سا اثر بھی ملاحظہ کرلیتے تو اس کی تکریم فرماتے اور دو عالم کی ان سرکار سے نسبت غلامی کا اظہار فرماکر تعظیم سے پیش آتے کہ اس سادگی اور انکساری کے لباس میں خود کو چھپانا مقصود ہو۔ جس دن سے آپ نے مسندِ قضات کو قاضی پیٹھ میں فروغ بخشا تھا اسی دن سے آپ کی ولایت کا چرچا افراد کی محفلوں میں ہونے لگا تھا۔ سرکار غوثِ پاک رح سے خلعتِ سرفرازی و مرتبہ اعلیٰ حاصل ہوگیا آپ کا علم تصرّف و نشانِ فرمان روائی چہار دانگ عالم لہرانے لگا۔ شریعت کی نعمتوں طریقت کی برکتوں اور معرفت کی عظمتوں کے خصوصی شرف سے یوں جو ممتاز ہوئے تو بلادِ مشرق و مغرب زیرِ قدم آگئے۔ آپ کا حکم و دربارِ سلطانی کی شہرت اقلیم ہند سے نکل کر عراق و ایران، عرب و سیستان تک وسعت پذیر ہوگئی تھی اور آپ بادشاہِ وقت کہے جانے لگے تھے۔ مولوی محمد سلطان صاحب سررشتہ دار تعلیمات نے لکھا ہے :

"بیکانیر میں ایک عارف رہتے تھے وہ تو آپ کو بادشاہِ وقت
کہتے تھے"۔ [1]

آپ کی عبادتیں، مجاہدات و ریاضتیں

حضرت سیدی آقائی مولائی سید شاہ غلام افضل بیابانی قدس سرہٗ نبیرۂ سرکار قاضی پیٹھ قدس سرہٗ نے جو حالات مرتب فرمائے تھے اسمیں حضرت قدس سرہٗ کی عبادتوں کی تفصیل قلمبند کی تھی جس کے ملاحظہ کا شرف میرے پیر و مرشد حضرت شاہ محمد کشفی بیابانی رح کو حاصل ہوا تھا: لکھا تھا:

"آپ نے سلسلہ ہائے زہاد کی چودہ عظیم المرتبت عبادتوں اور سلسلہ
ہائے فقراء و قلندریہ کی بارہ مہتم بالشان ریاضتوں سے مراجِ فقر و فنا
طے فرمائے تھے"۔ [2]

---

[1] وقائع ورنگل صد ۵۵ [2] ملفوظاتِ کشفی بیابانیؒ

طریقۂ اویسیہ و رفاعیہ میں مجاہدہ فرماکر خصوصی شرف سے ممتاز ہوئے۔ آپ جب محوِ یادِ الٰہی رہتے تو قرب و جوار کی ہر شئے حق تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی حمد و ثنا میں آپ کی متبع ہوتی۔ آپ کے قرب و ذکر و اذکار کی برکتوں کے سبب وجدانہ کیفیت میں رنگ جاتی کیوں کہ انھیں اپنی تسبیح کا معیار معلوم اور ذکرِ الٰہی کا خوب اچھی طرح علم ہے؛ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ط (النور ۲۴/۴۱)

کائنات میں اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْن کہنے کا جو شرف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا اور آپ کی اتباع میں سارے انبیاء علیہم السلام جو اس نعمت سے مشرف ہوگئے تو ساری موجودات نے حق تعالےٰ کے سامنے اپنی گردنِ اطاعت جھکا ڈالی۔

متقدمین اولیائے کرام کی طرح آپ کا کوئی لمحہ ذکر و عبادتِ الٰہی سے کبھی خالی نہ رہا۔ ہمیشہ آپ کی زبان حمد باری عزاسمہٗ سے جاری رہتی اور جب مخلوق کی ہدایت اور متوسلین و متعلمین کی تعلیم کے لمحات ہوتے تو آپ کا قلب حضرتِ حق کی طرف متوجہ رہتا۔ حضرت قبلہ نے فرمایا تھا:

"آپ کی حیاتِ قدسی کا لمحہ لمحہ عبادت تھا، زندگی سرتاسر
عبادت بن گئی تھی"

پروفیسر طاہر القادری نے لکھا ہے :

"عبدیت (ماذونیت) کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بندہ کمالِ بندگی
کے باعث خود محبوبِ خدا بن جائے (جیسا کہ اوپر مذکور ہے) لیکن
اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ یہ محبوبیت کی اس حد تک جائے کہ اس
کی غلامی بھی دوسروں کو محبوبیت سے نوازنے لگے۔ اب اس مقام
پر نہ صرف وہ بندہ خود محبوبِ خدا ہوتا ہے بلکہ جو کوئی اس کی غلامی
اور اطاعت اختیار کرتا ہے وہ بھی محبوبِ خدا ہو جاتا ہے"۔ [1]

[1] تفسیر منہاج القرآن صد ۳

تو ایک ہی سجدہ میں تمام رات بیت جاتی' آپ اذان سن کر سر مبارک
اٹھاتیں اور ایک آہِ سرد کھینچ کر فرماتیں "اے آقا تو نے کتنی چھوٹی
راتیں بنائی ہیں کہ جی بھر کے سجدہ بھی ادا نہیں ہو پاتا"۔ ۱

دن کا اجالا پھیل جاتا تو قرب و جوار کی ہر شئے نوری چادر تانے آپ کا استقبال کرتی، ذکرِ الٰہی کے بعد ہر شب صلوٰۃ معکوس کی ادائیگی آپ کا طریقہ شکرگزاری تھا۔

نمازِ معکوس سلسلہ چشتیہ عالیہ میں اس نماز کا اہتمام حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔ جسے بعد میں حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر قدس سرہٗ نے اختیار فرمایا تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"آپ نے بمقام اوچہ میں حجاج کی جامع مسجد میں معکوس کھینچا،
چالیس دن تک اسی طرح عبادت کی کہ روزانہ رات کے وقت
اس درخت کے سہارے جو کنویں کے کنارے پر ہے اپنے کو
کنویں میں لٹکا دیتے اور صبح کو باہر نکل آتے"۔ ۲

شیخ عبدالرحمان چشتی قدس سرہٗ نے لکھا ہے:

"سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ
جو کچھ مجھے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا میں نے
اس پر عمل کیا حتیٰ کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ حضرت رسالت پناہؐ
نے نمازِ معکوس ادا کی ہے تو میں ٹانگوں میں رسی باندھ کر ایک کنویں
میں الٹا لٹک گیا۔ اس سلسلے میں (یعنی سلسلۂ چشتیہ میں) خواجہ ابومحمد

---

۱ اخبار الاخیار ص ۳۴ ۲ اخبار الاخیار مترجمہ محمد سبحان صاحب، محمد فاضل صاحب دارالعلوم ص ۱۲۰

ابومحمد چشتی قدس سرہٗ نے بہت نمازِ معکوس پڑھی ہے۔ اس سنت کو حضرت
خواجہ گنج شکر نے زندہ کیا"۔ ۱

میدک کی پہاڑیوں پر طریقۂ زہاد کی عبادتوں کی مداومت و کثرت کے سبب آپ معرفتِ نفس اور عرفان و اسرارِ الٰہی پر مطلع ہو چکے تھے۔ بھٹ پلی کے پہاڑ (قاضی پیٹ اسٹیشن سے قریب) برس ہا برس طریقۂ فقراء کی عبادتیں فرمائی تھیں۔ تزکیۂ نفس مع تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح کیساتھ وعدۂ الٰہی و معرفتِ موت کے انھیں ایام میں آپ آشنا ہوئے۔ سلف صالحین و طائفہ واصلین نے جن جن احسن طریقوں پر عبادتِ الٰہی کا حق ادا فرمایا تھا، تنہا آپ کی ذاتِ گرامی نے اسے اپنا سرمایۂ حیات بنالیا تھا؛ برسوں بستر سے اپنی پیٹھ نہیں لگائی اور مدتوں

"اپنی کروٹ کو سونے کی جگہ سے جدا رکھا"۔ ۲

جذبۂ اطاعت و محبتِ بیکراں کا یہ عالم کہ

"ساری رات آپ ہم سجدے معکوس ادا فرماتے' ایک سجدہ میں
جب استیلا انوارِ ذاتِ الٰہی کا ہوتا تو اس کے شکریے میں دوسرا
سجدہ فرماتے علیٰ ہٰذا چار سجدوں میں صبح ہو جاتی"۔ ۳

خانوادۂ بیابانیہ کے ثقہ راویوں اور بزرگوں نے تواتر سے بیان کیا ہے کہ حصولِ علم کی خاطر جتنی مشقتیں آپ نے اٹھائی تھیں، راہِ حق اور محبتِ الٰہی کے حصول کی خاطر مظہرِ جمال و حسنِ ازل کی تلاش میں جنگلوں اور بیابانوں میں جتنی مدت سرگرداں رہے۔ تربیتِ قلب کیلئے دیارِ غیر میں شب و روز جسقدر تکلیفیں اٹھائیں، ایسا کسی پر آج تک گزرا اور نہ کسی نے ایسی ثابت قدمی دکھائی۔ آپ کی ذاتِ گرامی نے مشیتِ ایزدی و منشائے الٰہی کے مطابق اپنے لمحاتِ خصوصی کو حق تعالیٰ ہی کی خوشنودی کے لیے وقف کر رکھا اور عالمِ امکاں میں ابنائے توحید کی سرخروئی کیلئے مسندِ افاضہ بھی درست کیا۔ جس سے

---

۱ مراۃ الاسرار مطبوعہ جامع نو دہلی ص ۷۶۱ ۲ ، ۳ مفضل الکلمات ص ۱۶۱

نے مدتوں مغلوب الحال رکھا۔ میدک کی پہاڑیوں پر تجلیِ ذات کے نزول کے سبب مشاہدۂ عوالم آئنہ ہوگئے اور روح وجد کناں رہنے لگی۔ بھٹ پلی کے پہاڑ پر جس تجلی نے قرب ربِ ذوالجلال عطا کیا تو کوئی شئے پوشیدہ نہ رہی۔ یہ تجلیِ ربوبیت کے انتہائی کمال کا مشاہدہ تھا۔ آپ حسنِ نورِ مطلق کے مشاہدے کے بعد ہر رنج و راحت اور ہر تکلیف و مسرت کے احساس سے بے نیاز ہوگئے، ان مقاماتِ قرب و اتصال نے آپ کے کمالِ باطنی و شرفِ لوحِ روحانی کو روز افزوں انوارات سے چمکایا۔ جب سارے حجابات اٹھ گئے اور آٹھوں پہر تجلیات کا نزول ہونے لگا تو نیابتِ غوث الوریٰ سے سرفرازی ہوئی۔ سیدی درویش محی الدین قادری رح فرماتے ہیں:

"حق تعالٰے نے آپ کو کامل و اکمل درجۂ ولایت پر فائز اور سرفراز فرمایا تھا
یہی وجہ ہے کہ ہر آن تجلیاتِ ذاتی سے سرفرازی رہی۔" ۱

پہاڑوں پر، درختوں کی شاخوں اور بہتے ہوئے پانی کے کناروں، آبشاروں، دہکتے ہوئے انگاروں کے قریب جب کبھی آپ ہوتے تو ایسے وقت تجلیات کا نزول تواتر سے ہونے لگتا اور آپ غرقِ تحیر ہو جاتے۔ سیدی درویش محی الدین قادری رح فرماتے ہیں:

"تجلیاتِ الٰہی کا مسلسل ورود آپ کی علوِ شان سے عبارت ہے
ورنہ کسی ولی کو عمر بھر میں ایک بار یہ شرف و امتیاز حاصل ہو جائے
تو مستی میں گزر جاتی ہے۔" ۲

سیدی آقائی مولائی سید شاہ غلام محی بیابانی قدس سرہٗ نے اپنے ایک خط موسومہ نبیرۂ حضرت قدس سرہٗ میں لکھا ہے:

"ولی وہی ہوتا ہے کہ جس کے قلب پر (بیہوشی میں) اللہ اپنی شخصیت
ذات و صفات سے متجلی ہوتا ہے اور جس کے قلب پر (بے ہوشی میں)
متعدد بار تجلی ہوتا ہے وہ اللہ کے محبوب کہلاتے ہیں اس کے بعد ارشاد فرمایا:

---

۱ و ۲ افضل الکرامات ص ۶۲

"تمہارے دادا فلاں پہاڑ پر یادِ الٰہی میں رہتے ہوئے جب کبھی
پہاڑ کو حکم فرماتے وہ شق ہو جاتا، آپ اس شق میں معکوس سر
بسجدہ ہو جاتے یعنی الٹے ٹنگ جاتے، اس سجدۂ معکوس بیہوشی
میں اللہ کی تجلی کا شکریہ بجالاتے۔" ۱

مقام پر حضرت درویش محی الدین نے فرمایا:

"(یہ) مقامِ ناز و محبوبیت حضرت قدس سرہٗ کا تھا، جو کاملین
ولی اللہ کو عطا ہوتا ہے۔" ۲

توصل و تقربِ الٰہی، دواماً تجلیاتِ حضرتِ باری اور مقامِ محبوبیت کے باوجود آپ لوگوں سے ہمکلام بھی ہوتے، مریدین خاص زبانِ حق ترجمان سے نورِ ہدایت بھی پاتے۔ گنواروں، غریب دیہاتیوں، جلاہوں اور رنگریزوں کے ساتھ بیٹھے ہوتے یا ان کی جھونپڑیوں سے لگے کسی سایہ دار درخت کے سائے میں آرام فرما ہوتے تو صاحبِ خانہ دہقان اسے اپنی خوش نصیبی جان کر میزبانی کے خیال سے پلاس کے تازہ پتوں کا خوش وضع چٹا بنا کر نہایت ادب سے آپ کو پیش کرتا۔ آپ کو اس کی دلجوئی مقصود ہوتی آپ اس کا چٹا قبول فرماتے اور اسے سلگا کر اس کے ایک ایک کش سے ایامِ خداشناسی کی یادیں تازہ فرماتے۔ سیدی سردار قطاب قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"ایک بار آپ کے زانوں پر چٹے کی آگ گر گئی اور جسم
میں دھنس گئی آپ کو احساس نہ ہوا۔" ۳

اگرچہ تجلی ذات کے مسلسل ورود کے سبب ہمیشہ جذب و استغراق کی کیفیت نظر آتی مگر ظرف و کنف، گرد و پیش کے حالات کی خبر بھی رکھتے، مسافروں، مہمانوں کی خاطر و تواضع

---

۱ افضل الکرامات ص ۱۸۰ ۲ ایضاً ص ۱۷۳ ۳ افضل الکرامات ص ۶۰

بھی پیشِ نظر ہوتی۔ مریدانِ باصفا شانِ طالبانہ سے اکتسابِ فیض بھی فرما لیتے حضرت سیدی ع
دباغ قدس سرہٗ نے فرمایا:

"ولیِ کامل ہر وقت مشاہدۂ حق میں غائب و محو رہتا ہے ایک لمحہ بھی محجوب نہیں ہوتا۔ ہاں اس کا ظاہر (اور جسم) مخلوق کیساتھ ہوتا ہے اور اس سے حق تعالیٰ کام لیتا ہے اور اس کے پاس آنے والے اپنے اپنے مقسوم کے موافق اس سے نفع اٹھاتے ہیں۔" ؎۱

تجلیٔ ظہورِ ذات

اکثر آپ پر تجلیِ ظہورِ ذات کے سبب انتہائی معرفت، حد درجہ کمالِ عبودیت اور انتہا
خشوع وخضوع حاصل ہوتا جو آپ کے طبعِ سعید کا امر ہے۔ تجلیِ ظہورِ ذات، اظہارِ صفتِ جلال
سے عبارت ہے، ظہورِ ذات کے اثر کا مطلب ہے کہ سالک کا سارا وجود تمام وکمال محویت
پُر ہو جائے، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر تجلیِ ذات مع جمیع الاوصاف کا نزول ہوا
اور آپ ہی کے وسیلے سے آپ کی امت کے اقطاب و برگزیدۂ آفاق اصحاب پر بھی اس تجلی
نزول ہوتا ہے۔ تجلیِ ذات کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں:

۱۔ تجلیِ اُلوہیت ۲۔ تجلیِ ربوبیت

تجلیِ الوہیت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے اسمیں کسی کا کوئی حص
تجلیِ ربوبیت عام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی دوسری تجلی سے مشرف ہوئے
سرکار غوثِ پاکؓ اور سرکار سیدی سلطان الواصلین سید احمد کبیر الرفاعیؓ پر تجلیِ ذات مع ہمہ صفات
ہوا تھا۔ یہی سبب تھا کہ "قدمی ہٰذا علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ" کا اعلان سرکار غوثِ پاکؓ کے بعد سید احمد کبیر رفاعیؓ

؎۱ تبریز ترجمہ ابریز مترجمہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ حصہ دوم ص ۱۱۷

بھی فرمایا تھا۔ سید شیخ شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ نے لکھا ہے: سرکار غوثِ پاکؓ کا ارشاد مبارک ہے:

"بہت جلد سلطان سید احمد کبیر رفاعی اپنی آخری عمر میں میری وفات کے بعد مجھ سے چالیس مراتب و مقامات میں ترقی کریں گے، وہ اپنی آخری عمر میں میری وفات کے بعد خدا کے حکم سے قدمی ہٰذا علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ، کہیں گے، جیسا کہ میں نے اپنے زمانے میں کہا۔" ؎۱

آپ کی نمازیں اور مشاہدۂ عوالم

دن اور رات کے مقررہ اوقات میں آپ سات نمازیں ادا فرماتے۔ پانچ نمازیں شریعتِ مطہرہ کی فرض کردہ اور دو نمازیں طریقت کی، تہجد وصلوٰۃِ معکوس۔ لوگوں کے معاملات قضایات وافتا کے کام، ذکر واذکار اور عبادت کے اوقات جدا جدا تھے۔ آپ کسی کے مہمان ہوتے یا کسی دعوت پر مدعو ہوتے یا تنہا دولت کدہ میں تشریف فرما رہتے حق تعالےٰ کیساتھ آپ کا اک خصوصی ربط ہوتا۔ اکثر شب کی سنسان گھڑیوں میں جب آپ ذکر ارّہ فرماتے تو ہیبت وجلال کے سبب جسم کے تمام حصے جدا ہو جاتے۔ یہ ذکر حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے اذکار سے خاص ہے اور مشاہدۂ حق کے بغیر اس کا کرنا ممکن نہیں۔ ایک مرتبہ آپ رسالے کے کسی مرید کے یہاں مدعو تھے خلوت گہِ قدسی میں کمال مشاہدہ کے سبب آپ کا ہر حصۂ جسم مثل برگِ گلِ شب دیدہ جدا جدا بکھر گیا تھا۔ حضرت درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں۔

"ایک روز حضرت رسالے میں مدعو تھے وہاں رات ہو گئی۔ مریدوں نے حضرت کو شب میں روک لیا۔ شب میں تین پہر رات کو دیکھتے کیا ہیں کہ آپ کی آرام گاہ پر آپ کے سب اعضاء علاحدہ علاحدہ پڑے ہوئے تھے میں۔" ؎۲

۱۔ مشکوٰۃ النبوۃ ج ۴ ص ۴۷، ۴۳ ۲۔ فضل الکرامات ص ۸۲

جب آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی تو اٹھارہ ہزار عالم آپ پر منکشف ہو جاتے جسمِ مبارک کا ہر حصہ اِن عوالم کا مشاہدہ کر کے ہر عالم کی جدا حالت و حقیقت سے بہرہ ور ہو جاتا حق تعالےٰ نے آپ کو ہر شئے پر قدرت و اختیار ایسا دیا تھا کہ جب بھی اور جس وقت بھی آپ گوشۂ چشم سے کسی شئے کی طرف توجہ فرماتے وہ شئے آپ کے ابروئے خم کے اشارے کی منتظر نظر آتی۔ بکمر تبہ آپنے ارشاد فرمایا:

"حق تعالیٰ کا اپنی تمام مخلوق سے اک طرح کا ربطِ خاص قائم ہے اسی ربط و تعلق کے باعث وہ جسے چاہے عزت دے دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اُس کی ہر مخلوق سے محبت روا رکھے۔" ۱

آپ کا مشاہدۂ اسرارِ الٰہی اسقدر قوی تھا کہ ہر لمحہ آپ سیرِ عالمِ ارواح، سیرِ عالمِ اجسام اور سیرِ عالمِ مثال سے خود کو مشرف فرمایا کرتے اور اپنی حیرت میں اضافہ پاتے۔ انہی عوالم کے اسرار کے مسلسل مشاہدہ کے سبب روح کی حقیقت بھی آپ پر منکشف ہو گئی تھی۔ فی الحقیقت روح کی حقیقت کا ادراک بے انتہا دشوار بلکہ ہلاکت خیز ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جب تک روح کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیا جائے گا اس کے ادراک کی حقیقت پسِ پردہ ہی رہے گی اور یہ مشاہدہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک عوالمِ ہژدہ ہزار کی سیر و مشاہدہ کما حقہ حاصل نہ ہو جائے۔ بدزمانۂ تربیت روحانی اپنے شفیق نانا کے حجرۂ قدسی میں عرفانِ حق کی وہبی نسبتوں کا جو انکشاف ہونے لگا تو اسی زمانے میں عوالمِ کثیرہ کا مشاہدہ فرما لیا تھا اور بلا طلب حق تعالےٰ نے وہ تمام نعمتیں آپ کو عطا فرمائیں کہ دامنِ قدسی چھلکنے لگا اور آپ کا قلب ہر وقت حق تعالےٰ کے سامنے سرنگوں اور جسمِ اطہر وجد کناں رہنے لگا اس قربتِ قریبہ کی بدولت جب آپ محوِ مشاہدۂ عوالم ہوتے تو روح بھی وجد کناں اس کیفیت سے اپنا حصہ پانے آپ کے سامنے دو زانو بیٹھ جاتی۔ سیدی درویش عالم قادریؒ نے لکھا ہے:

---

۱ ملفوظاتِ کشفی بیابانیؒ۔

"ایک روز آپ دولت سرا میں تشریف رکھتے تھے، اپنی روح کو جسم سے نکال کر اک کرشمہ دکھلایا۔ روحِ مبارک بالکل حضرت کے مشابہ سامنے بیٹھی ہوئی تھی، فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت کی ناک پر ایک نشان تھا جو روحِ مبارک پر نہ تھا۔ لوگوں نے پوچھا "یہ کون ہے"۔ آپنے فرمایا: "یہ بھی بندۂ خدا ہے"۔ اتنے میں وہ روح اٹھ کر چلنے لگی اور ایک دیوار کے پیچھے ہو کر غائب ہو گئی"۔ ۱

کمالِ عرفانِ حق و اعلیٰ ترمقامِ قرب و محبوبیت کے سبب روح کے اسرار جو منکشف ہو گئے تو روح سے کسی بھی قطع نہوا۔ آپ کا جسمِ قدسی معیتِ روح کے بغیر بھی مشاہدے کی لذت سے ہمکنار رہتا۔ اسی اہم ترنکتے کی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہوا سیدی الشیخ عبدالعزیز دباغ قدس سرہٗ کا یہ بیان بے محل نہو گا۔ ارشاد ہوا:

"جب تک انسان پر تمامی عوالم منکشف نہیں ہو جاتے اس وقت تک روح کی حقیقت منکشف نہیں ہوتی اور اگر عوالم کا کوئی حصہ بھی مکشوف ہوئے بغیر رہ گیا اور روح کی حقیقت اس پر منکشف ہو گئی تو فتنہ میں پڑ جائے گا"۔ ۲

اوصافِ حمیدہ

آپ نہایت چھوٹی عمر ہی سے نہایت پاکیزہ اطوار، فرستادہ صفات اور اخلاقِ کریمانہ سے متصف تھے۔ والدینِ محترم کی قدسیانہ زندگی کے شب و روز اور اس کی پاکیزہ فضا نے محبتِ حق کی طرف ابتدا ہی سے مائل کر رکھا تھا۔ ہمیشہ حق تعالےٰ کی محبت کو سینے سے لگائے رہتے۔ اسی والہانہ محبتِ الٰہی کے سبب اس کے کلام اور اس کے اخلاق اور اس کی چاہ سے قلب کو آراستہ و منور رکھا۔

---

۱ افضل الکرامات صفحہ ۱۱۲   ۲ تبریز ترجمہ ابریز مترجمہ عاشق الٰہی میرٹھیؒ حصہ دوم صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶

والدِ محترم سے ابتدائی ضروری دینی تعلیم کے علاوہ علومِ قرآن، فقہ و فرائض کی متبدیات پڑھیں، کر
فوری طور پر قضات و افتا نویسی کے کام نمٹائے جا سکیں۔ شوقِ حصولِ علم نے بات کیا بڑھائی
کمال حاصل ہونے تک کوئی لمحہ چین نہ لیا، علمائے عصر و اصفیائے دہر سے خوب خوب
کر کے ذی علم تایا سے منازلِ روحانی طے اور مشاہدۂ عوالم کی لذت سے آنکھیں روشن کیں
محترم تایا صاحب نے مجاہداتِ شاقہ اور ریاضاتِ کاملہ سے قلب و نظر کی کچھ ایسی تربیت فرمائی کہ
زمانہ کر دیا۔ عشقِ الٰہی کی کسک کے حصول کیلئے درِ رنگریز پر قلب کی دھڑکنیں درست فرمائیں
ان سب سے رُواں رُواں آراستہ ہو گیا تو آقائے دو جہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی
سے ایک دن، دو عالم کے فرماں روا حضور غوث الثقلین میراں محی الدین ابو محمد سید الشیخ عبد القا
پیرانِ پیر غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کے دستِ قدرت سے ردائے شرفِ امتیاز و ولایتِ خاص حاصل
آپ کے نائب ہونے کی سند لی اور تمام فضائل سے آراستہ ہو کر سرفراز ہو گئے جن سے سیدی جنید بغدادی قدس
سیدی ابو بکر شبلی قدس سرہٗ ہی فائز المرام تھے۔ آپ کی اس عظمت و برتری کا جو عالمِ ارواح
و اعلان ہوا تب ہی آپ نے والدِ محترم کی جگہ کو نہایت ادب و احترام سے آنکھوں سے لگا کر بعمر ۸
سال مسندِ سجادہ افادہ پر جلوس فرمایا اور رشد و ہدایت سے مخلوقِ خدا کے قلوب منور فرما
سیدی درویش محی الدین قادری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"آپ شیخِ شریعت بھی تھے اور شیخِ طریقت بھی، شیخِ شریعت اس لیے
کہ لوگوں کو معاملات و مدارات اور اچھی زندگی کا طریقہ سکھائیں
اور دوسری طرف شیخِ طریقت اس لیے کہ مخلوق کو خالق کے دروازے
کی راہ بتائیں" [1]

منجملہ اوصافِ قدسی و جوہرِ ذاتی، کبھی ادنیٰ و اعلیٰ کی تخصیص نہیں رکھی۔ ہر ایک سے خوش خلق

۱۔ مفصل الکرامات صد ۲۹

کشادہ پیشانی سے پیش آتے اکثر سلام کرنے میں سبقت فرماتے، تواضع، فروتنی، انکساری حد درجہ موجود تھی آپ کے جد
حضرت سیدی احمد کبیر الرفاعی قدس سرہٗ کی طرح مسکینوں، ضعیفوں اور عمر رسیدہ و کمزور لوگوں کے کام بنفسِ نفیس خود فرماتے، ان کے
گھر جاتے اور ان کی ضرورتوں کا علم حاصل فرماتے اور انھیں جس چیز کی ضرورت ہوتی اس کی تکمیل فرماتے۔ نرم دلی، عفو
و درگزر بدرجۂ اتم موجود تھا، عیب پوشی آپ کی فطرتِ مطہرہ کا خاصہ تھا۔ سیر چشمی ایسی کہ جس نے جو مانگا عطا
ہوا۔ باوجود اعلیٰ تر مقام پر فائز ہونے اور باوقار و صاحبِ اختیار قاضی و جاگیردار و عظیم المرتبت شیخِ طریقت ہونے
کے کبھی کسی فرد کے سامنے اپنے اس مقام کا دانستہ یا نادانستہ اظہار نہ فرمایا خود کو بچائے رکھا۔ سیدی درویش محی الدین قادری
فرماتے ہیں:

آپ عالم تھے، غریب پرور تھے، عجز و انکساری کا نمونہ تھے رحمدل تھے" [1]

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت ہمیشہ پیش نظر رکھی۔ ایسا کوئی انجام نہیں دیا
جو ان حضرات القدس کی حیاتِ مبارکہ سے جدا ان کے کسی عمل میں موجود نہ ہو۔ جن خوش نصیب حضرات
کو آپ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ساتھ رہنے کا موقع ملا ان کا بیان ہے کہ ایسے اوصاف کا انھیں مشاہدہ حاصل
ہوا جیسے یا تو سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھا جا سکتا ہے یا پھر صحابۂ کرام رض کی مقدس و پاکیزہ تر زندگی میں
حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جنگلوں کے چھپر میں یا زیرِ سایہ رہتے، خاکِ زمین بستر، کبھی اینٹ یا کبھی پتھر سرہانے
یا کبھی کسی درخت کے سایے میں آرام فرما ہوتے اور کبھی کسی غریب کی جھونپڑی کے صحن کو رونق بخشتے۔
... تجلیات و انوارات سے کوئی لمحہ بھی خالی نہ ہوتا۔ سیدی درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں:

"حضرت کا حالِ مبارک ایسا ہی تھا، کبھی جذب رہتا اور کبھی سلوک کبھی مکان میں
ہوتے تو کبھی گھوڑے پر کبھی پتھر پر تو کبھی املی کے درخت کے نیچے زمین پر" [2]

... محنت کش دہقانوں سے محبت سے پیش آتے، اُن کے بلانے پر بلا توقف ان کے گھر جاتے، ان کی بنائی
... روٹی سوکھی مرچ چٹنی سے تناول فرماتے، ان کی دلجوئی کی خاطر دو لقمے زاید لے کر اظہارِ پسندیدگی فرماتے
... پہنوا چمٹرے طبقے کے افراد میں بے تکلفی سے یوں گھل مل کر بیٹھتے کہ اجنبی شخص کو پہچاننا مشکل ہو جاتا مولوی محمد سلطان صاحب نے لکھا ہے:
"حضرت قدس سرہٗ اپنی زندگی میں کملی اوڑھ کر نہایت سادگی سے رہا کرتے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ آپ بزرگ ہیں" [3]

... الکرامات صد ۲۶، ۲۷ ۲۔ ایضاً صد ۳۔ وثائق عمل ۸

اہلِ حرفہ، کاشتکار، دستکار، محنت و مشقت کا کام کرنے والوں میں اکثر تشریف فرما
اور عام آدمی کی طرح جہاں جگہ خالی نظر آتی بیٹھ جاتے، ہر ایک سے مراسم اور ہر ایک سے
بھی ان کے کاموں میں حصہ لیتے، اُن کے دکھ درد، خوشی مسرت کے موقعوں پر بہ نفس
شریک ہوتے، ان کی خبر گیری کرتے اور انھیں محسوس نہ ہونے دیتے کہ وہ اُن سے کو
عظیم المرتبت شخصیت رکھتے ہیں۔ جس کسی سے ملتے ہمسرانہ ملتے اور اپنے احوال پوش
آپ کے یہ اصحاب منقل، یہ سادہ گنوار دیہاتی، آپ کی مرتبہ شناسی سے بیگانہ آپ کو عام
کی طرح شمار کر کے اسی طرح آپ سے پیش آتے جس طرح وہ آپس میں ایک دوسرے کے سا
بے تکلفانہ رہتے، آپ بے تکلفی میں کہی اُن کی باتوں کا ذرا خیال نہ فرماتے اور نہ ان کی
بے تکلفی کے اظہار پر دل پر کچھ فرماتے۔ دیکھنے والے کسی بھی اجنبی شخص کو غلط فہمی ہو جاتی اور وہ
کہ انہی میں سے ایک شخص آپ بھی ہیں۔ سیدنا درویش محی الدین قادری قدس سرہٗ نے ایک واقعہ تحر

"ایک وقت آپ ہریجن واڑہ میں بیٹھے ہوئے تھے، اتفاقاً
چند نوجوان عرب بیگار کی تلاش میں وہاں پہنچے، عرب کو
دیکھ کر وہاں کے سب لوگ بھاگ گئے صرف حضرت ہی وہاں
باقی رہ گئے چونکہ آپ کے دوش مبارک پر کملی تھی اور زمین پر بیٹھے
ہوئے تھے عربوں کو غلط فہمی ہو گئی، سامان کی پوٹلی اٹھانے
کو کہا، حضرت نے اپنے سر پر پوٹلی اٹھالی، یکایک پوٹلی حضرت
کے سر مبارک سے ایک ہاتھ اوپر معلق ہو گئی۔ عرب نشے میں
تھے، انھوں نے غور بھی نہیں کیا تعمیل بیدل جانے کے بعد
جب وہ موضع مڑی کنڈہ پہنچ گئے تو حضرت کو کچھ پیسے اجرت
دینا چاہا، آپ نے انکار فرمایا، التفات نہ فرمایا، سامان پہنچا دیا۔"[1]

۱؎ نقل الکرا

اب ذرا اس واقعہ کی کیفیات پر نظر ڈالیئے، سنتِ اصحابِ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی عجیب و غریب مماثلت
ہے، سیرت نگاروں نے تواتر سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جن دنوں مدائن اہلِ کمال کا مرکز تھا اور جلیل القدر
صحابیِ رسول، سیدی آقائی و مولائی حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو بزمِ رسالت کی شمع فروزاں
تھے مدائن کے گورنر کے اعلیٰ تر عہدہ پر فائز رہنے کے باوجود نہایت سادگی سے رہا کرتے تھے کہ
کسی اجنبی شخص کو آپ کی اس سادگی کے سبب پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ مولوی عبدالسلام ندوی نے لکھا ہے:

"حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر تھے۔ لیکن طرزِ معاشرت
اسقدر سادہ رکھا تھا کہ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ ایک بار کسی شخص نے
گھاس خریدی اور بیگار پکڑ کر گٹھیا سر پر لاد دی، وہ چلے تو لوگوں نے
کہا: "یہ امیر ہیں، صاحبِ رسول اللہ ہیں"۔ اس نے کہا: "معاف
فرمائیے میں نے آپ کو پہچانا نہیں، بوجھ سر سے رکھ دیجیئے" بولے
نہیں اب تو تمہارے گھر پہنچا کر ہی اتاروں گا"۔[1]

ایسے صدہا واقعات ہیں جو آپ کی حیاتِ قدسی کو منور کیئے متوسلین کے سینوں میں روشن ہیں۔ کسی
ضرورتمند کا کوئی کام ہو، کسی ضعیف آدمی کو سہارے کی ضرورت ہو یا کسی غریب کے گھر کی دعوت ہو کبھی
انکار نہ فرماتے بھولے بسرے بھی کسی کی دل شکنی نہیں فرمائی۔ اگر کسی سے کوئی خلافِ شرع کام
سرزد ہو جاتا تو نرم لہجے میں اس کے نقصانات بیان فرماتے۔ آپ کے غیاب میں اگر کسی مرید
سے ایسا کوئی کام ہو جاتا جسے شرع نے مستحسن نہیں سمجھا تو فوری آپ پر منکشف ہو جاتا، اُسے
تنہائی میں یاد فرماتے اس کی اصلاح فرما کر عیب پوشی فرماتے۔ کسی محفل میں تشریف لے جاتے
تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ سیدی درویش محی الدین قادری کا بیان ہے:

"انکساری حد سے زیادہ تھی، جب کسی محفل میں بیٹھتے صفِ نعل
میں بیٹھ جاتے"۔[2]

۱؎ اسوۂ صحابہ حصہ اول صد ۲۱۸
۲؎ نقل الکرامات صد ۳۶، ۳۷

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ قدسی تو ایسے انمول جواہرات سے بھری پڑی ہے، ماہر القادری نے لکھا ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے یہاں تشریف لے جاتے تو
کسی اونچی جگہ اور ممتاز مقام پر بیٹھنے کی ہرگز کوشش نہ فرماتے
عام آدمیوں کے ساتھ الغفس کے برابر بیٹھ جاتے" [1]

سنتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر وقت پیشِ نظر رہا کرتی تھی، آپ نے کبھی بھولے سے بھی زندگی کے کسی معاملے میں غفلت کا شائبہ نہ آنے دیا۔ گھر کے بہت سے کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے، خاص ضرورت کے موقع پر بھی کسی سے کوئی کام نہ لیتے۔ جب آپ کے فرزندِ دلبند حضرت سید شاہ غلام سرور بیابانی قدس سرہٗ رونق افزائے بزمِ امکاں ہوئے مشیتِ ایزدی کے سبب آپکی والدہ معظمہ نے جنت الفردوس کی سیر پسند فرمائی تو حضرت قدس سرہٗ اپنے ان صاحبزادے صاحب کی پرورش مثلِ پرورشِ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ (آقائے دوجہاں صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی پرورش بہ نفسِ نفیس خود فرمائی تھی) خود اپنے ہاتھوں فرمائی۔ اپنی نگرانی میں گھر کی بھینسوں کا دودھ دوہ کر اور نہایت احتیاط سے اس پر کپڑا ڈھک کر گھر میں لے آتے اور اپنے ہاتھوں سے چولھا جلا کر دودھ گرم فرماتے اس واقعہ کو سیدی درویش محی الدین قادری قدس سرہٗ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

"شفقتِ پدری کا یہ حال تھا کہ بچے کے لیے محلہ سے دودھ
لانے کے لیے خود جاتے اور دودھ خرید کر لاتے تھے۔ دودھ پر
اپنا رومال ڈھک لیتے تھے" [2]

"محلہ سے دودھ خرید کر لانے" کا یہ بیان سیدی درویش محی الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سہوِ قلم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اول تو آپ جاگیردار تھے زرعی کاموں کیلئے گھر میں مویشیوں کی ایک

[1] درِ یتیم صفحہ ۲۱۲   [2] مفضل الکرامات صفحہ ۳۵

معتدبہ تعداد آپ کی مملوکہ موجود تھی، دوم، بازار میں ہر وقت تازہ دودھ کہاں میسر ہوتا۔ ہاں آپ جب دودھ پیالے میں لے لیتے تو ضرور اپنا رومال اس پر ڈھک دیتے تھے کہ یہ فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں تھا کہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

"مقامِ نقیع سے ایک دودھ کا بھرا ہوا پیالہ لائے، حضور صلعم
نے فرمایا کہ تم نے اس کو ڈھانک کر کیوں نہ لایا کم از کم اس
کی چوڑائی میں لکڑی رکھ دیتے تو اچھا تھا" [1]

یہ حکم جس احتیاط کے پیشِ نظر ہوا، اسے نظر لگ جانے کی علت سے بچانا مقصود تھا کہ دودھ بھی حق تعالیٰ کی اُن نعمتوں میں سے ہے جس پر کسی کی بھی نظر کا اثر بہت جلد ظاہر ہوتا ہے۔

مخلوقِ خدا سے آپ کو بے انتہا محبت تھی، ہر ایک سے اولاد جیسی محبت فرماتے، ہر ایک کا خیال رکھتے۔ خادمین ہوں کہ روزانہ کے حاضر باش، سب کے حالات پوچھتے، سب کی خبر گیری کرتے اور اگر کوئی ہر روز کے ملنے والوں میں سے ہوتا اور اس سے ملاقات نہ ہوتی تو دریافت حال فرماتے، اس کے گھر جاتے اور اطمینان حاصل فرماتے۔ مریدین و متوسلین سے اسقدر محبت فرماتے کہ احباب میں ہر کوئی متعجب ہوتا لیکن زبان سے کچھ کہنے کی جرأت نہ کرتا مگر آپ ان کے ضمائر سے واقف ہو کر فرماتے:

"اگر انسان کا گوشت کھلانا جائز ہوتا تو میں اپنے مریدین کو
اپنے بچوں کا گوشت کاٹ کر کھلا دیتا" [2]

حضرت میر میر منور علی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت متذکرہ کا یہ ارشاد حضرت شمس الدین خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ جذب کے ایامِ خود فراموشی کے تحت لکھا ہے:

"اگر آدمی کا گوشت آدمی کے لیے جائز ہوتا تو اپنے بچوں کو کاٹ کر کھلا دیتا" [3]

[1] تجرید بخاری شریف حدیث نمبر ۱۸۶۹ صفحہ ۳۳۶ مترجمہ عبد الدائم جلالی۔ [2] ملفوظاتِ کشفی صفحہ ۲ [3] ضیائے بیابانی صفحہ ۹۴

جاگیر کے مواضعات، زراعت اور قضات آپ کی معاشی ضرورتوں میں ممد تھے۔ ان سے جیسی کچھ اور جو بھی آمدنی ہوتی، شانِ استغنار کے سبب اسے کبھی ملاحظہ نہ فرماتے، بقدرِ ضرورت ہی تصرف فرماتے۔ خدامین کو حکم تھا، غربا، مساکین، مسافرین اور ضرورتمندوں پر خرچ کر دیا کریں۔ زرعی کارندوں کو قول داروں کو ان کی مرضی سے زراعت کرنے کی پوری آزادی تھی۔ فصل پر غلہ جمع ہو جاتا تو آپ کھیت کھلیانوں کی طرف تشریف لے جاتے کفِ دست پر اناج کی مقدار اٹھاتے اور حق تعالیٰ کا شکر ادا فرما کر ڈال دیتے، پھر ہر ایک کا حصہ تقسیم فرماتے، تقسیم کے کام سے فارغ حاصل ہو جاتا تو اپنے حصے کا اناج غریبوں، ضرورتمندوں میں بانٹ دیتے، اس کے بعد بھی اناج بچ جاتا تو اسے آپ کے حکم پر اٹھا لیا جاتا اور اسے مسافروں، مہمانوں اور طالب علموں کے لیے محفوظ کر دیا جاتا۔ اکثر آپ کے ہاں طالب علموں، مسافروں اور آپ سے عقیدتمندانہ ملنے آنے والوں کی کثرت ہوتی۔ اہلِ حاجت مقصد برآری کے لیے ہمیشہ آپ کے درِ دولت سے لگے بیٹھے رہتے، طالبانِ حق، کی اک بڑی تعداد دواماً آپ سے فیضان حاصل کرنے، ہر شے سے بے نیاز چلہ کش رہتی، حق تو یہ ہے کہ قلزمِ بیابانی سے جس نے اپنی پیاس بجھائی ہے وہ جانتا ہے کہ تشنگی کسے کہتے ہیں، اپنے جد سیدی آقائی سید شاہ اشرف بیابانی قدس سرہٗ جن کا آوازۂ نعم و حشم دور دور تک بلند تھا، قاضی پیٹھ میں اپنے جد کے اس طریقے کو آپ نے زندہ رکھا۔ عقیدی درویش محی الدین قادری رقمطراز ہیں:

"آپ کے ہاں مہمانوں کی کثرت ہوا کرتی تھی، کبھی سو تک اور کبھی اس سے بھی زیادہ"۔[1]

آپ کی وسعتِ قلبی اور جود و سخا بے مثال تھے۔ غربا و اہلِ قریہ ضرورتمندوں پر جیسی کچھ کرم فرمایاں

---

[1] افضل الکرامات صفحہ ۳۰

آپ کی تھیں انھیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی عطا و شانِ استغنار کا ایک واقعہ جسے لوگوں نے یاد رکھا: مشہور ہے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے کھیتوں کی طرف چلے۔ آپ کے ساتھ آپ کا غریب ملازم بھی ہمراہ ہو گیا۔ آپ اپنے کھیتوں کا معائنہ فرما کر آگے چلتے جاتے تھے ایک مقام پر پہنچ کر آپ نے اپنے نعلین مبارک اتار دیئے اور آگے پا برہنہ چلنے لگے۔ آپ کا ملازم جو آپ کے پیچھے پیچھے مودبانہ چل رہا تھا۔ آپ کے نعلین شریف کو دیکھ کر رک گیا اس کا بدن خوف و خشیت سے لرزنے لگا تھا۔ انھیں عبور کرنے اور ان پر سے ہو کر گزرنے کا خیال بھی وہ دل میں لا نہیں سکتا تھا، بیساختہ انھیں سر پر اٹھا کر چلنے لگا۔ کچھ فاصلہ پا برہنہ چل کر آپ رک گئے اور پلٹ کر دیکھا تو آپ کا ملازم، آپ کے نعلینِ مبارک کو سر پر اٹھائے آتا دکھائی پڑا۔ آپ نے اس کے ادب کو مسرت سے ملاحظہ فرما کر اس خدمت کا اسے فوری صلہ دے دیا۔ جس قدر کھیت کا حصہ اس نے آپ کے نعلین پاک کو اٹھا کر طے کیا تھا وہ سارے کا سارا اسے بخش دیا۔ جسے آج بھی لوگ "پاپوش کھیت" کے نام سے جانتے ہیں۔

آپ کا فیضان

جس مبارک دن آپ نے مسندِ قضات و سجادۂ طریقت کو رونق بخشی، تشنہ لبانِ علم و شناورانِ مئے عرفاں کا ہجوم لوک پلک قاضی پیٹھ کی طرف بڑھتا چلا آیا، ہر طرف سے توحید کے متوالے کھنچ کھنچ کر اسی ساقی کے میخانے پر چلے آنے لگے، پیاسے، شدتِ پیاس کی تاب نہ لا کر جس طرح کنوئیں پر گرتے ہیں، پروانے جس طرح نور کی چاہ لیے شمع پر مرتے ہیں، یہی منظر دکھائی دیتا تھا۔ جو بھی شخص آپ سے ایک مرتبہ مل لیتا، آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ اصفیائے عصر جن کی آنکھوں نے ہزاروں محفلوں کا رنگ دیکھا تھا، اسے بھی دیکھ لیا تو ساری محفلیں فراموش کر دیں۔ اکابر و اصاغر، دم سادھے، دامنِ فیض تھامے منتظرِ کرم بیٹھے رہتے جن کے بھاگ کھلے انھیں

سب کچھ مل گیا ورنہ

"جنھوں نے عقبیٰ چاہی انھیں عقبیٰ ملی اور دنیا چاہنے والوں کو دنیا ملی"۔ [۱]

علم و عرفان کی تڑپ جسے مضطرب کیے رہتی وہ آپ کے چشمۂ فضل و کمال سے بوند بوند اپنی پیاس بجھا لیتا۔ دیوانِ حافظ کے معرفت آفریں مضامین سے حرزِ جاں شائقینِ علم اور سعید طبع افراد کو لگا رہتا وہ آپ کے نقوشِ پا تلاش کرتے ہوئے آپ تک پہنچ جاتے اور آپ کی کفش برداری کو اپنی خوش نصیبی جانتے۔ سیدی درویش محی الدین کا بیان ہے:

"حضرت محمد خاں صاحب، حضرت قدس سرہٗ کے پہلے فیض یافتہ ہیں، جب ٹھکنڈہ رسالے کے ساتھ تشریف لائے کسی صاحب کی لیاقت کا شہرہ سن کر دیوانِ حافظ کے بعض اشعار کا مطلب پوچھنے ان کے پاس گئے انھوں نے مطلب بیان کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا "دہی بیٹھ میں جو قاضی صاحب رہتے ہیں وہ دیوانِ حافظ کے مطالب خوب بیان کرتے ہیں۔ آپ وہاں تشریف لے جائیں تو مناسب ہوگا"۔ کشش ہوگئی، خانصاحب قاضی میٹھ حاضر ہوگئے، حضرت قدس سرہٗ نے انھیں دیوانِ حافظ کیا پڑھایا عشق و محبت کا اصل سبق پڑھا دیا سوزشِ محبت قلبِ مشتاق میں پیدا ہوگئی"۔ [۲]

یہی واقعہ میر منور علی صاحب نے یوں بیان کیا ہے:

"حضرت محمد خاں صاحب دیوانِ حافظ پڑھنے کے بڑے شائق تھے اور اس شوق میں اک مدت گزار دی تھی چنانچہ آپ سے بھی استدعا کی تو آپ نے فرمایا: کہ میں دیہاتی آدمی کیا پڑھاؤں گا۔ آخر آپ کی آہ و زاری پر ترس آگیا

[۱] افضل الکرامات ص ۳۸ [۲] ایضاً ص ۶۶

پڑھنے ارشاد ہوا:

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا — کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

مصرعۂ اولیٰ تو پڑھ لیا جب مصرعۂ ثانی (کے پڑھنے) کی باری آئی تو پڑھتے پڑھتے کیفیت و حالت سے مغلوب اور بیہوش ہوگئے کچھ عرصہ بعد ہوش آیا تو قدمِ مبارک پر گر کر رونے لگے"۔ [۱]

وہ شخص کیوں کر خوش نصیب نہ ہوگا جسے آپ کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو جانے کا موقع ملا ہو۔ اہلِ نظر سے تو آپ کے مقاماتِ عالی کبھی پوشیدہ نہ رہے۔ دریائے معرفت کے کہنہ پیراک و یلمِ اسرارِ الٰہی کے تجربہ کار غوطہ زن، جب اس سمندر کے جلال کو دور ہی دور سے دیکھ لیتے تو اپنی بے ہمتی و کم طاقتی سے دست بردار ہو کر ساحل سے ٹکرانے والی عرفانِ الٰہی کی موجوں کا نظارہ ساری عمر کرتے رہتے اور جب اپنے قلب کو مضبوط و توانا پاتے تو اس بحرِ ناپیدا کنار میں چھلانگ لگا کر پیراکی کا لطف اٹھاتے۔ ہاں جس کی قسمت میں دولتِ سرمدی لکھی ہوتی آپ سے طلب فرما کر فائز المرام ہو جاتے۔ میر منور علی صاحب نے لکھا ہے:

"آپ کا فیضانِ معنوی، مقتدرانہ صفت سے متصف تھا۔ ایک ہی نظر اور توجہ سے طالبِ حق عالمِ شہادت سے عالمِ لاہوت تک پہنچ جاتا بعض پر اس کے اثرات فوراً اور بعض پر بہ دیر، کسی سے کسب لیا نہ ریاضت کرائی"۔ [۲]

لیکن جس میں طلبِ عرفان کی ہمت نہ ہوتی اسے اذنِ رخصت مل جاتا ارشاد ہوا:

"میرے پاس طالبِ مولیٰ بہت کم آتے ہیں، کوئی طالبِ دنیا کوئی طالبِ عقبیٰ آتا ہے"۔ [۳]

آپ کے درِ فیض سے ہر ایک کو اس کی ہمت کے بقدر حصہ ملا۔ آپ نے کبھی کسی کی فریاد اور التجا کو رد نہ فرمایا۔ مانگنے والے کو توقع سے کہیں زیادہ دیا جس نے مانگنے میں عار محسوس کیا اسے بھی حاجتمند نہ

[۱] و [۲] ضیائے بیابانی ص ۹۳ [۳] افضل الکرامات ص ۱۲۹

رکھا ۔سیدی درویش محی الدین قادری رح فرماتے ہیں:

"آپ کا فیضان عام تھا۔ جو شخص حاضر ہوتا حصولِ مقصد میں محروم نہ ہوتا۔" ؎۱

آپ کی فیضِ رسانی کا آغاز، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و فرمان سے ہو شہرِ ورنگل میں افواجِ رسالہ کنٹجمنٹ جس نے شکمنڈہ میں اپنا ٹھکانہ قایم کر لیا تھا اس رسالے میں اکثر عالم اور حافظِ قرآن حضرات تھے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی موجود تھے جنھیں دین کا شعور کم تھا۔

نامدار خاں صاحب جو حضرت کے عاشق و خادمِ خاص تھے شب و روز حضرت کی خدمت میں رہ کر خلوتِ خاص تک رسائی حاصل کی تھی ان کے ایک مخلص و ہمعصر رشتے کے بھائی ضابطہ خاں جن کے عقیدے کی اصلاح انھیں مطلوب تھی، ان کا ذکر حضرت قدس سرہٗ سے روزانہ اس طرح کرتے جیسے وہ یہیں کہیں قریب رہتے ہوں جبکہ ضابطہ خاں صاحب شمالی ہند میں دو ہزار میل دور مقیم تھے نامدار خاں صاحب کا معروضہ روز افزوں، ادب و احترام سے پیش ہوتا اور حضرت قدس سرہٗ لطائف الحیل سے ان کا معروضہ ٹال دیتے۔ ایک دن ضابطہ خاں صاحب کا ستارۂ اقبال اوج پر پہنچا۔ سرکارِ کرم کی جناب میں نامدار خاں صاحب کی مؤدبانہ گزارش، قبولیت کا شرف حاصل کر گئی۔ سیدی درویش محی الدین قادری رح فرماتے ہیں:

"ضابطہ خاں صاحب کی بداعتقادی کے زمانے میں نامدار خاں صاحب اکثر حضرت سے عرض کرتے کہ "میاں ضابطہ خاں کو بھی غلامی میں شامل کر لیجیے۔" آپ فرماتے تھے کہ تم تو کہتے ہو مگر وہ قبول نہیں کرتے، نامدار خاں صاحب کو ضابطہ خاں صاحب سے بہت الفت تھی، وہ برابر عرض کرتے جاتے تھے، ایک روز عرض کیا

؎۱ افضل الکرامات صـ ۱۰۱

"میاں ضابطہ خاں تو انسان ہیں، آپ چاہیں تو شجر و حجر پر بھی تصرف فرما سکتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: "اچھا مصری لاؤ" اور مصری کو لب لگا کر فرمایا: کہ "یہ بھیج دو" ضابطہ خاں مرید ہو جائے گا۔" ضابطہ خاں صاحب ہندوستان میں تھے، مصری وہاں بھیج دی گئی۔" ؎۱

آپ کی حیاتِ قدسی سراسر مریدین، متوسلین کی زندگی کے ہر شعبے کے لیے اک نمونہ تھی، اخلاق و کردار کے سنوارنے کا معاملہ ہو کہ روحانی تربیت کی بات، آپ کی شخصیت میں وہ تاثیر تھی کہ لوہا بھی مس ہو کر کندن ہو جاتا۔ اپنے خادمین اور مریدین سے مشفقانہ برتاؤ اور بے انتہا محبت کو دیکھ کر، کبھی جو غیر متعارف شخص آپ کی جناب میں پہنچتا، اُسے ان خادمین پر اہلِ خانہ ہونے کا گمان ہوتا۔ ان خادمین کو برابری اور وقار سے رہتے دیکھ کر ان سے باادب ملتا بوقتِ رخصت احترام کی نزاکت کو مجروح نہ ہونے دیتا کہ ان خادمین کی ہمہ وقت حاضری ان کے اعزاز کا سبب بن جاتی۔ سیدی درویش محی الدین قادری رح بیان کرتے ہیں:

"کسی کو یہ نہیں معلوم کہ کیا کیا چیزیں ان سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں جن سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔" ؎۲

آپ کے دربارِ قضا کی شہرت تینوں عالموں تک وسعت پذیر تھی، عالمِ اجسام میں آپ افضل بادشاہ بیابانی، عالمِ مثال میں، نائبِ غوث الوریٰ، اور عالمِ ارواح میں سلطان المتجردین، سے جانے جاتے تھے۔ زمانہ نام آوری میں شانِ رفاعیہ کا کچھ ایسا جلوہ دکھایا کہ ہر قوم اور ہر طبقے کے لوگ کھنچ کھنچ کر قاضی پیٹھ چلے آنے لگے۔ سیدی درویش محی الدین قادری رح فرماتے ہیں:

؎۱ افضل الکرامات صـ ۹۰ ؎۲ ایضاً صـ ۳۸

"اس زمانے میں حضرت کا دریائے عشقِ الٰہی عجیب طرح
جوش زن تھا فیضانِ عام اور عقیدتمندوں کی کثرت کی
وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نہ تو حضرت ہی موضع میں
رہ سکیں گے اور نہ ہی آپ کے عقیدتمندوں اور ارادتمندوں کے
لیے گنجائش ہوگی"۔[1]

مندرجۂ بالا بیان کا حوالہ دے کر حضرت قبلہ شاہ محمد کشفی بیابانی قدس سرہٗ نے یہ ارشاد فرمایا تھا:

"زمانۂ قربِ قیامت، خلقت کا ہجوم آپ کے در کی
جبہ سائی کو اپنی خوش نصیبی سمجھے گا۔ زمانہ ہر طرف سے اُمڈ اُمڈ کر
آپ کے آستانے پر پہنچے گا اور ہر طرح کا فیضان حاصل کرتا
رہے گا۔ لوگ خواہ کسی سلسلے سے وابستہ ہوں، اُن کے مقاصد
کی تکمیل آپ ہی کے دربار سے ہوتی رہے گی۔

پھر کچھ توقف فرما کر یوں ارشاد فرمایا:

دادا پیر قدس سرہٗ کا یہ وصف تمام اولیائے کاملین میں سب سے
ممتاز ہے کہ آپ اپنے مریدین، متوسلین کی خلفا در خلفاء سات
پشت تک نگرانی فرماتے ہیں، داخل سلسلہ ان تمام مریدین و
متوسلین کے حوصلے وہمت، ادب، طلب صادق کے مطابق انھیں
برگزیدہ، وشانِ مجید عطا فرما کر فیضِ روحانی سے درجۂ ولایت پر
فائز فرماتے ہیں"۔

پھر اصفیائے زمانہ کا یہ قول بضمن حفظِ دامان ارشاد فرمایا:

---

[1] افضل الکرامات ص ۸۰

"مَن حمل ہٰذا الحرز ہر کہ خواہد برآید بحقِ شاہِ افضل بیابانی"۔[1]

اقصائے ہند سے اولیا و مجاذیب آپ کے دربار میں حاضر ہوتے اور سر جھکائے منتظرِ حکم رہتے، ادب و احترام سے نظر اٹھا کر نہ دیکھتے، جب تک اجازت نہ ملتی بیٹھے ہی رہتے۔ آپ ہی کے حکم و فرمان پر مجاذیب و ابدال کی تعیناتی عمل میں آتی، مختلف مقامات پر جہاں آپ چاہتے ان کے علاقے اور حدود متعین فرما کر روانہ فرماتے، تقرر و خدمات کی مدت آپ کی اختیاری ہوتی۔

سیدی درویش محی الدین قادری رح کا بیان ہے:

"حضرت عبدالنبی شاہ صاحب مجذوب علیہ الرحمۃ، جن کا مزار گنبد
مبارک ہنمکنڈہ میں ہے، حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں
اکثر حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے یہاں
ہنمکنڈہ میں حضرت قاضی صاحب نے بٹھایا ہے"۔[2]

خلوت ہو کہ جلوت، سفر ہو کہ حضر ہر آن ہر لمحہ انوارِ مصطفائی و مشاہدۂ جمالِ الٰہی سے سرشار رہتے کسی کو داخلِ سلسلہ بھی فرماتے تو سنتِ عالیہ ترک نہ ہوتی اور ارادتمند کی خواہش بھی پوری ہو جاتی، فیضانِ قدسی اور ارادتمند کی تکمیلِ آرزو کا عجیب واقعہ صاحبِ افضل الکرامات نے نقل کیا ہے:

"ایک بار حضرت قدس سرہٗ رسالے میں مریدین کی خواہش پر
تشریف لے گئے۔ اہلِ رسالہ مرید ہو رہے تھے۔ ایک ہندوستانی
شخص نے جو وہاں موجود تھا معتقد ہو کر حضرت سے عرض کیا
کہ میں بہ دل حضرت کا مرید ہونا چاہتا ہوں بیعت سے سرفراز

---

[1] یہ تعویذ کے ذیل کے کلمات ہیں۔ [2] افضل الکرامات ص ۷۵

فرمایا ہے مگر غلام کی ایک عرض بھی ہے کہ مجھ سے اور میری بیوی سے
اس بات کا اقرار ہے کہ ہم دونوں ایک ہی پیر کے مرید ہوں گے
آج کل میری اہلیہ ہندوستان میں ہے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ حضرت
جیسی کامل اور مقدس ذات خوش قسمتی سے مجھے نصیب ہوئی ہے
حضرت نے فرمایا: "جناب خدا قادر ہے، آپ کی بیوی بھی مرید
ہو جائیں گی"۔ ایک عرصہ بعد جب وہ صاحب ہندوستان گئے ان
کی بیوی نے اُن سے کہا کہ "یہاں ایک بزرگ تشریف لائے تھے
اور مجھ سے فرمایا کہ "تمھیں چونکہ اپنے خاوند سے عہد تھا اس لیے
میں تم کو مرید کرنے آیا ہوں، میں تاماضی درگلی ہوں، تم میری
مرید ہو جاؤ"۔ لہٰذا میں اُن کی مرید ہو گئی"۔ تاریخِ بیعت اور شمائل
بیوی نے بیان کیے"۔ ۱؎

اب سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس متابعت کو اس واقعہ سے ملا کر دیکھیے۔ مفتی احمد یار خاں صاحب نے نقل کیا ہے

"خرپوتی شریف، شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ یمن کا سردار،
حبیب ابنِ مالک، ابوجہل کی دعوت پر مکہ معظمہ آیا تھا۔
تاکہ اسلام کا زور کم کرے، لوگوں کو اسلام سے روکے، اس نے
ابوجہل وغیرہ کے ساتھ یہ مطالبہ کیا تھا کہ آسمانی معجزہ یعنے چاند
دو ٹکڑے کر کے دکھائیں۔ حضور انور نے اس سب کو کوہِ صفا پر
لے جا کر یہ معجزہ دکھایا پھر بولا: کہ اب یہ معجزہ دکھائیں کہ میرے
دل کو کیا دکھ ہے، فرمایا: تیری ایک بیٹی ہے سطیحہ جو آنکھوں

۱؎ افضل الکرامات ص ۹۴

سے اندھی، کانوں سے بہری، پاؤں سے لنگڑی، زبان سے گونگی
ہاتھوں سے لنجی ہے۔ جا اللہ نے اُسے شفا دی، حبیب نے فوراً کلمہ
پڑھا، گھر پہنچا تو دروازہ کھولنے ہی لے دست و پا لڑکی سطیحہ آئی
باپ کو دیکھ کر اس نے کلمہ پڑھا، حبیب بولا: "تجھے یہ کلمہ
کون پڑھا گیا۔ ابھی تو اس ملک میں یہ کلمہ نہیں آیا"۔ وہ بولی:
میں نے اس حلیے کے بزرگ کو خواب میں دیکھا جو کہتے تھے
بیٹی ہم تیرے باپ کو مکہ میں کلمہ پڑھا رہے ہیں تو یہاں کلمہ
پڑھ لے تجھے اللہ نے شفا بھی بخش دی"۔ میں جاگی تو
تندرست تھی اور یہ کلمہ زبان پر جاری تھا"۔ ۱؎

یہ خواب "عالمِ مثال متصل" تھا۔ حضرت بی بی سطیحہ رضی اللہ عنہا کی سعید روح نے دین و دنیا دونوں کی فلاح پائی، نہ صرف آقائے دوجہاں کی چاہت ملی بلکہ صحت جسمانی و پاکیزگی نفس بھی حاصل ہو گئی۔ دولتِ ایمان جو ملی کہ صفِ صحابیات میں شامل ہو کر انعاماتِ خداوندی کی مستحق ہو گئیں۔ حضرت قدس سرہ نے بھی ان ہندوستانی صاحب کی اہلیہ کو جا کر داخلِ سلسلہ فرمایا۔ یہ ان خاتونِ محترم کی خوش نصیبی تھی کہ حضرت قدس سرہ نے شمالی ہند پہنچ کر اپنی اس مرید سے محبت کا اظہار فرما کر اپنے فیضان کا کرشمہ دکھا دیا۔ اتباعِ رسالت کی یہ عجیب و غریب شان ہے۔

مسندِ معرفت پر آپ کے رونق افروز ہوتے ہی ہزاروں ہزار دور دراز علاقوں سے لوگ آپ کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہونے چلے آئے کچھ حصولِ برکات کا ارادہ کر کے حاضر ہوتے اور کچھ طوقِ غلامی گردن میں حمائل کر کے اٹھتے، مذہب کی کوئی تخصیص نہ تھی، بے شمار افراد مشرف بہ اسلام ہو کر اٹھے اور خدمت میں دو دو سال رہ کر مدارجِ روحانی طے فرمائے عرصہ دراز تک کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا

۱؎ مراۃ المناجیح جلد ہشتم ص ۱۱۶

کہ یہ فرزندانِ توحید کی تازہ تعداد ہے، مستجاب الدعا ایسے کہ ادھر سائل کے لیے دستِ کرم دعا کے لیے بلند ہوئے اُدھر شرفِ قبولیت سے سرفرازی ہوئی، ارشاد ہوا:

"میں خدا کا کیا شکر ادا کروں کہ کبھی میری دعا کو رد نہ فرمایا مجھے اللہ تعالےٰ نے سب کچھ عطا فرمایا۔" [۱]

حضرت درویش محی الدین قادریؒ فرماتے ہیں:

"حضرت کے ارشادِ مبارک میں یہ تاثیر تھی کہ جو زبانِ مبارک سے نکل جاتا وقوع پذیر ہو جاتا۔" [۲]

سرکار غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے:

"اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "اے میرے بندے ہر چیز میرے قبضۂ قدرت میں ہے، میں جس چیز کو حکم دیتا ہوں وہ ہو جاتی ہے اور جس چیز کو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی، اے میرے بندے اگر تو میرا حقیقی بندہ و عبد ہو جائے تو میں تجھے بھی اس قابل بنا دوں گا کہ جس سمت توجہ کر کے کن کہے گا، اشیا تخلیق ہو جائیں گی۔" [۳]

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ نے اس کی وضاحت میں ارشاد فرمایا:

"بیشک اہل اللہ کا طریقہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انھیں لفظِ "کن" کا تصرف عطا فرمائے تو وہ اس تصرف کو ادباً استعمال میں نہیں لاتے کیوں کہ اس کا مقام دارِ آخرت ہے لیکن وہ تصرفات میں بجائے کن کہنے کے "بسم اللہ" کہہ لیتے ہیں تاکہ تکوین کی نسبت بھی اللہ کی طرف ہو جائے جیسے کہ باطناً ہے۔" [۴]

۱۔ افضل الکرامات صہ ۱۳۱ ۲۔ ایضاً صہ ۹۵ ۳۔ فتوح الغیب مقالہ ۱۶ ۴۔ الیواقیت والجواہر صہ ۱۴۷ مترجمہ

یہ بات آپ کی عظمت و شانِ برگزیدگی کی قوی دلیل ہے کہ آپ نے اپنی حیاتِ ظاہری میں جن افراد کو داخلِ سلسلہ اور انھیں حضرات کو اسلام کی برکتوں کا حصہ دار بنایا جو ادب و اخلاص عقیدہ و آداب میں بخت آور تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہر معاملے میں ایسا اختیار دیا تھا کہ جو کچھ اور جیسا کچھ آپ چاہتے ہو جاتا تھا۔ آپ کے بعد ساتویں پشت تک داخلِ سلسلہ ہونے والوں کو اگر ان کے خلوص و ادب کے کمال کے باوجود سرفرازی سے محرومی رہی ہو تو ایسے افراد کو اس عالم سے پردہ کر جانے کے بعد ان کی نسبتِ قویہ، حوصلہ و ہمت کے مطابق وہ تمام مقاماتِ بزرگی انھیں عطا فرماتے ہیں جن کے وہ حضرات مستحق تھے۔ یہی سبب تھا کہ آپ کی تمنائے شہادت پوری نہ ہوئی کہ ولایتِ برزخی کا مدار آپ کی ذات سے خاص تھا۔[۱]

اقصائے عالم کا شاید ہی کوئی خطۂ السیارہ گیا ہو جہاں آپ کے فیض یافتہ موجود نہ ہوں۔ جہاں تک اسلام کی روشنی گئی آپ کے تربیت یافتہ اہلِ ایمان حضرات کے ایمان کی حفاظت کے لیے وہاں مامور ہو گئے۔ حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی اولادِ اطہار سے ایک صاحبزادے بغرضِ سیاحت ہند عراق سے تشریف لائے جنھیں صاحبِ تفضیل الکرامات "بغدادی حبیب" کے نام سے یاد رکھا ہے۔ سیدی سرورِ اقطاب سید شاہ غلام سرور بیابانی قدس سرہٗ نے فرمایا:

"ایک بار ایک صاحب جو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے "بغدادی حبیب" کہلاتے تھے، جہاز پر سوار

۱۔ حضرت قبلہ شاہ محمد کشفی بیابانی قدس سرہٗ نے فرمایا تھا: دنیا میں ہر زمانے میں ایک لاکھ پچیس ہزار اولیاء اللہ ہمیشہ موجود رہتے ہیں، اسی طرح عالمِ برزخ میں بھی اتنی ہی تعداد ولایت کے درجے پر فائز کی جاتی ہے لیکن یہ حضرات فیض رساں نہیں ہوتے۔ اور یہ تمام حضرات ایک لاکھ پچیس ہزار اقطاب ہیں ہر قطبِ وقت کے تابع اتنی ہی تعداد میں ولایت کے مستحق حضرات اس سے سرفراز کیے جاتے ہیں۔ الحمد للہ

رہتے ہوئے کسی سے حضرت کا نامِ نامی سنا، حضرت کے
اشتیاقِ ملاقات میں قاضی پیٹھ پہنچے حضرت سے مل کر اور بھی
معتقد ہو گئے، سب باتیں سن کر ہمارے حضرت سے کہنے
لگے۔ "آپ ولی اللہ ہیں، شانِ ولایت کی وجہ سب حالات
آپ کو معلوم ہوتے ہیں۔" پھر انھوں نے حضرت سے بیعت
کی جس روز مرید ہوئے اسی شب بفضلہ تعالیٰ فائزِ مرتبہ
معنی بھی ہوئے اور دوسرے روز معلوم ہوا کہ وہ کہاں
چلے گئے۔[1]

آپ کے فیض یافتہ حضرات کی تعداد حدِ شمار سے باہر ہے۔ آپ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے حضرات جو ولایت پر فائز ہوا کرتے چالیس سے کم نہ رہتے۔ انہیں کوئی قضائے الٰہی سے واصل ہو جاتا تو اس کی جگہ کسی دوسرے کو موقع ملتا۔ باکمال حضرات جنھوں نے رفاعی دستار سے سعادت و سیادت کا پر سرخاب کلاہِ قادریہ سے جنیؔ تب وتاب لگائے پرچم سبز سر بلند کر رکھا تھا، دنیا کے گوشہ گوشہ میں ھُوَ اللہ کی صدا بلند کرتے موجود ہیں۔ مریدانِ باصفا دنیا کے کسی گوشے میں ہوں، یا کوہ و بیاباں میں معتکف بہ یادِ الٰہی پڑے ہوں، شرفِ روحانی و شانِ قدسی صاف کہے دیتی ہے کہ یہ پروردہ خانقاہِ بیابانی ہے۔ حدائق زہد و احسان و مدارج نقر و عرفاں طے فرما کر جب یہ طائفہ عرفا بزم آرائے مجلسِ اصفیا ہوتا تو قادری رنگ، رفاعی ترنگ اور بیابانی ڈھنگ چھپائے نہیں چھپتا، خوش نصیبی سے کسی نے اس سرکار کی جناب میں صفِ نعلین میں جگہ پائی وہ بھی شانِ قدسی سے سنور گیا اور جہاں جہاں یہ پہنچا آسمانِ ولایت کا شمس و قمر بن کر چمک گیا۔ اسرارِ الٰہی کی بات ہو کر عام

[1] افضل الکرامات ص ۹۲، ۹۳

علم کے جویا، معرفتِ الٰہی کے شیدا دور دراز علاقوں سے جیسی کچھ سہولتِ سفر میسر آتی، چلے آتے اور آپ کے درِ قدسی سے لگے پڑے رہتے، ہفتہ میں دو دن تدریس کے لیے ہوتے، عشا کے بعد محفل منعقد ہوتی۔ اکثر رات کا بڑا حصہ خدشاتِ علمی رفع کرنے میں گزر جاتا۔ ایک مرتبہ مریدانِ باصفا اور طالبِ علمانِ نو کا جتھہ، حضرت قدس سرہٗ کا کچھ ارشاد سننے کے لیے حضرت نامدار خاں صاحب کے ذریعہ حضرت قدس سرہٗ کی جناب میں معروضہ کرایا، نامدار خاں صاحب نے "نہایت ادب سے معروضہ کیا، آپ نے کسی قدر سکوت کے بعد

ارشاد فرمایا: "نامدار ہمارے مالک صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات
میں کسی معجزے کو فضیلت ہے تو وہ صرف معجزۂ شریعت ہے
کچھ معجزے تو موقتی تھے اور کچھ ذاتِ اقدس سے وابستہ تھے جن
کی یاد اب تک ہے مگر معجزۂ شریعت قیامت تک قائم رہے گا۔"[1]

ایک صاحب جو نو وارد تھے، حضرت قدس سرہٗ کے علم و فضل کا شہرہ سن کر قاضی پیٹھ آئے تھے، علمی مجلس میں باریابی کا موقع ملا تو دیر تک حضرت قدس سرہٗ سے معرفت آگیں کلام سن کر دل ہی دل میں حضرت قدس سرہٗ کے معتقد و ہمہ دانی کے معترف ہو گئے اور حضرت قدس سرہٗ کی توجہ کی خاطر اور شرفِ ہمکلامی کے لیے "معرفتِ الٰہی کیا ہے؟" سوال کیا۔ سردیوں کی راتیں تھیں۔ خادمین انگیٹھیاں سلگائے بیٹھے تھے، آپ نے سوال کرنے والے کی طرف نہیں دیکھا بس اتنا ارشاد فرمایا "فعلِ خداوندی اور مرضیِ مولا کا جان لینا ہی معرفتِ الٰہی ہے۔" پھر دہکتی ہوئی انگیٹھی پر نظر ڈالی

"آگ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: کیا بغیر مرضیِ مولا یہ آگ جلاتی
ہے اور اپنا ہاتھ انگیٹھی میں ڈال دیا۔ کوئی اثر نہ ہوا۔"[1]

[1] افضل الکرامات ص ۶۰

وہ صاحب جو یہ منظر دیکھ رہے تھے، ان سے اب رہا نہ گیا، وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور روتے ہوئے قدمبوس ہوئے اور اپنے عقاید باطلہ سے توبہ کی اور زمرۂ خدامین میں شامل ہو گئے، کچھ عرصہ بعد طائفہ اہل اللہ کے سرخیل ہو کر وسطِ ہند اقامت اختیار فرمائی۔ اکثر لوگ جن کے عقاید میں بگاڑ ہوتا آپ کے رعب کے سبب سامنے آتے ہوئے گھبرا جاتے جنھیں اصلاح، رشد و ہدایت مطلوب ہوتی وہ اُن محبین کے توسط معروضہ پیش کرتے جنھیں رسوخ حاصل تھا۔ معروضہ قبول ہوتا تو حاضر ہو کر ہدایت کے طالب ہوتے آپ انھیں صرف اتنا ہی کہتے

"کسی صاحبِ حال کی صحبت میں رہو۔" [1]

اقلیم ہند کا ہر باکمال جس نے کسی بھی سلسلے سے سرفرازی پائی ہو، چادرِ عز و شرف کی عطا کے موقع پر آپ ہی کے دستِ قدسی سے دستارِ فضیلت حاصل کرتا۔ آپ اسے اس کی ہمت و حوصلے کے مطابق جس مقامِ ولایت پر چاہتے فائز فرماتے، عمایدینِ سلطنت ہوں کہ امرائے ریاست، فرماں روایانِ مملکت ہوں کہ کارپردازانِ حکومت، ہر ایک کو اسی جناب سے روشنیِ ہدایت ملتی، اصفیائے زمانہ نے دواماً آپ کے در کی جبہ سائی اور آپ کی کفش برداری کو ذریعہ تقربِ الی اللہ جانا اور جو چاہا آپ سے مانگ لیا۔ سیدی درویش محی الدین قادری قدس سرہٗ نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے:

"ایک روز حضرت قدس سرہٗ کی مجلس میں تذکرہ تھا کہ جنت میں منجملہ نعمائے الٰہی، نمک سے مندوں کو مچھلی کے کباب سے سرفراز ہوں گے، ناداروں اور خوش حالوں نے عرض کیا: میاں وہ کیسے کباب ہوں گے، حضرت نے فرمایا: اچھا ہم تم کو دکھا دیں گے اتنے میں آپ نے ایک طبق مچھلی کے کباب کا ان کے سامنے

رکھدیا اور فرمایا کہ وہی کباب ہیں جو جنت میں مسلمانوں کو سرفراز ہوں گے۔" [1]

آپ کہیں بیٹھے ہوں کسی حال میں ہوں اپنے مریدین کے احوال سے باخبر رہتے، ضرورت پڑتی تو یدِ قدرت بڑھا کر امداد فرماتے کوئی کسی مکروہ ماحول میں گھرا ہوتا تو اپنے موجود ہونے کا منظر دکھا کر اس کی حفاظت فرماتے۔ اپنے کسی مرید یا فیض یافتہ کی عزت و توقیر کے بڑھانے کا موقع آتا تو اوصافِ رفاعیہ سے اس کی پیشانی کو چمکاتے اور بیابانی وقار سے مجلسِ دیارِ عرب و عجم میں پہنچاتے۔ سیدی درویش محی الدین قادری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"حاجی محمد صاحب، حضرت کے مریدین میں سے تھے۔ جب حجِ بیت اللہ شریف کو حاضر ہوئے، تخمیناً دو ماہ بعد حضرت قدس سرہٗ نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ "ہمارے حاجی صاحب کا جہاز طوفان میں آیا ہے۔" پیراں صاحب نامی ایک مرید اور ہمارے حضرت اس وقت وہاں موجود تھے۔ حاجی صاحب یہ سن کر کہنے لگے جناب اس سے زیادہ سنئے گا۔ جب میں مکۂ معظمہ گیا وہاں ایک بزرگ مولوی قدرت اللہ صاحب جو وہاں کے مقتدا اور مرجعِ خاص و عام تھے، میری بڑی تعظیم کرتے تھے میں نے ایکبار عرض کیا، مجھ جیسے غریب کی آپ کیوں تعظیم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کہ جب تم کو دیکھتا ہوں حضرت قاضی صاحب یاد آجاتے ہیں، میں نے کہا۔ آپ حضرت کو کیسے جانتے ہیں تو مسکرا کر فرمایا: وہ یہاں تشریف لایا کرتے ہیں۔ ہم سے ملاقات

ہوا کرتی ہے۔ وہ اللہ کے عاشق ہیں، آتے ہیں جاتے ہیں"[1]

فی الحقیقت تیرھویں صدی ہجری میں آپ کی ذات گرامی سے ہزاروں ہزار افراد کو فیض پہنچا۔ لاکھوں نے آپ کا دامن تھام کر آخرت سنوار لی، اس شخص کی محرومی کا کیا ذکر جس نے باوجود ہر طرح کی آسانیاں حاصل ہونے کے اپنی سوئی ہوئی قسمت کو جگا نہ سکا اور زمرۂ خدامین میں نہ سہی معتقدین میں بھی اپنی جگہ نہ بنائی جبکہ عراق و ایران، ہند و افغانستان کے گوشے گوشے سے بکثرت لوگ حاضر ہوتے اور دامنِ دولت سے وابستہ ہو کر اپنے حصے کی نعمت پاتے۔

میر منور علی صاحب کا بیان ہے:

"ہمارے دادا پیر قبلہ قدس سرہٗ کے ہزاروں مرید تھے، شہری، دیہاتی فوجی حضرات نے آپ سے شرفِ مریدی حاصل کیا تھا"[2]

مولوی محمد سلطان صاحب سررشتہ دار تعلیمات ورنگل لکھتے ہیں:

"آپ کے زمانۂ حیات میں بہت سے لوگ آپ کے مرید و معتقد تھے"[3]

حضرت سیدی سرورِ اقطاب سید شاہ غلام سرور بیابانی قدس سرہ کا ارشاد ہے:

"حضرت قدس سرہ کے دستِ اقدس پر تخمیناً بائیس ہزار اشخاص شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے"[4]

سیدی درویش محی الدین قادریؒ نے لکھا ہے:

"حضرت قدس سرہٗ کے فیض یافتہ و مریدین بہت تھے۔ ان میں بعض کو درجۂ امتیاز حاصل ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جو آپ کے فیض سے درجۂ کمال پر سرفراز ہوئے اور دولتِ معنوی سے مالا مال ہوئے"[5]

---

[4]، [5] فضل الکرامات ص ۶۵

[1] فضل الکرامات ص ۸۶ [2] ضیائے بیابانی ص ۹۲ [3] وقائع ورنگل ص ۵۵

اہلِ زمانہ، ہندوستان، بلادِ مشرق پر عموماً اور ساکنانِ دکن پر خصوصاً جیسے کچھ آپ کے روحانی احسانات ہیں انھیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ شہرت و نام و نمود سے گریز فطرت کا خاصہ تھا اس لیے کوئی نہیں جانتا تھا کہ جس مقدس ہستی کے سبب خطۂ ارضِ ہند ہر آفت و مصیبت سے محفوظ و مصؤن رہا وہ آپ ہی کی ذات ہے۔ اقلیم ہند کے جسقدر کربناک حالات آپ کی پیدائش سے قبل ہر طرف موجود تھے تاریخ نگار خوب جانتے ہیں کہ اسے سوائے غیبی امداد کے کوئی سنبھالا نہیں دے سکتا تھا، آپ کے مقامِ قطبیت پر فائز ہونے تک حالات بدستور تھے۔ آفاتِ سماوی ہوں کہ جبر و استبدادِ زمانہ، ہر محاذ پر آپ کی ذاتِ مبارک سینہ سپر تھی۔ کارپردازانِ مملکت کا مسئلہ ہو کہ کاربرآری خدامِ سلطنت کے احکام، تقرراتِ نظمِ افواج و دفترِ شاہی ہوں کہ کارگزارانِ ریاست کی معطلی کا معاملہ، دینی و سیاسی امور کا قضیہ ہو کہ عامۃ المسلمین کے آپسی اختلافات کا تصفیہ، ہم وطنانِ عزیز کی مشکلات ہوں کہ پچھڑے ہوئے طبقات کا احساسِ کمتری، تعلقات حاکم وقت ہو کہ پیچیدہ مسئلہ مافات، جتنی عرضیاں، جتنے مقدمات اور جتنے امور تصفیہ طلب ہوتے، آپ کے ملاحظہ میں آتے، آپ انھیں دیکھتے اور فیصلہ و فرمان جاری فرماتے۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ کا بیان ہے:

"حضرت محمد (میاں) صاحب حضرت کے مرید تھے، فرماتے تھے کہ حضرت قدس سرہ کی نشست گاہ میں اقلیم ہند کے اقطاب کے پاس سے روزانہ کاغذات آتے تھے، میں دیکھا کرتا تھا کہ ان کاغذات کے تودے لگ جاتے تھے آپ ان کو ملاحظہ فرما کر احکام صادر فرماتے تھے"[1]

آپ کی فراست، آپ کا تدبر، آپ کی اصابتِ رائے اور علمی تبحر سب پر آئینہ تھا۔

---

[1] فضل الکرامات ص ۷۹

حدودِ دائرۂ سلطانی کے شجر و حجر، مخلوقاتِ بحر و بر، فضائے بسیط میں تیرنے والے لشہ وسیک
ہر ذی حیات خشک و تر، کاواک راستوں کے مسافر ہوں یا تیرہ و تار محفلوں کے اصاغر و اکا
قصورِ دینی و تقصیرِ ذہنی کے قد آور ہوں کہ فسخ و فجور کے کوتاہ قد، صاحبِ کمال ہوں یا
حسن و جمال۔ سبھی اس آفتاب نصف النہار سے روشنی و نورِ ہدایت حاصل کرتے اور انحرافِ فکر
ذہن سے دست بردار ہو کر آپ کے اشارۂ ابرو پر فدا ہو جانے تیار رہتے۔ آپ کے مقامات و
مراتبِ عالیہ کو تلغرافی عبارت میں سمیٹا جائے تو سیدی سرورِ اقطاب رضی کا یہ شعر اس کی
بہترین مثال ہوگا: ؎

حکم میں آپ کے ہیں بحر و بر شجر و حجر — جسم و جاں دونوں پہ نافذ تیری سلطانی ہے

حضورِ حق میں دواماً شرفِ حاضری و سجدہ ریزی، دنیا و رغبتِ دنیا سے بے تعلقی او
خلوت گزینی آپ کا اختصاص تھا مگر اسے رہبانیت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ رہبانیت سے
اسے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اپنے متبعین کے لیے تو متاہلانہ زندگی کا بہترین نمونہ رکھ
اور قربِ حق چاہنے والوں کے لیے مجاہدۂ نفس کی مثال قائم کر دی تھی۔ سب سے ملنے، سب کے سا
گزر اوقات کرنے، اپنوں کے ساتھ ہنسنے بولنے اٹھنے بیٹھنے رہنے اور دنیاوی کاموں کی
انجام دہی، سب کا جدا جدا قابلِ عمل نمونہ چھوڑا تھا۔ دوستوں سے بے تکلفانہ ملتے، مریدوں ا
معتقدوں سے مشفقانہ پیش آتے، بذلہ سنج بھی تھے اور خوش مزاج بھی تھے۔ سیدی سرورِ ا
قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"ہم چھ، سات خادم، قدمِ مبارک میں حاضر تھے، اتنے
میں ہمارے مالک یکایک اٹھ کھڑے ہو گئے اور ہم خادموں کو
مخاطب کر کے فرمایا: "کیا اچھی چاندنی ہے، تاڑبن چلو
آج آنکھ مچولی کھیلیں گے۔" اتنا فرماتے ہوئے آپ نے

تاڑبن کا رخ فرمایا اور ہم بھی ہمراہ ہو گئے۔

نامدار خاں صاحب بیان کرتے ہیں کہ پیر و مرشد کو اتنے خوش دل اور خوش مزاج کبھی نہ دیکھا تھا۔ بالکل بچپن کی سی حرکاتِ مبارک تھیں اور خود بخود ہی ہنستے جاتے تھے۔ تاڑبن پہنچتے ہی کھیل شروع ہو گیا۔ اپنی خوشی سے آپ نے چور بن کر ہم سے فرمایا: "بلا رعایت چھپ جانا۔" اس پر ہم لوگوں نے خیال کیا کہ آپ کی نگاہِ مبارک سے ہم کہاں چھپ سکتے ہیں کیوں کہ حاضر و غائب آپ کے لیے یکساں ہے۔ تاہم ہم لوگ دوڑنے اور چھپنے لگے اگرچہ میں بہ کوشش تمام دوڑا مگر آپ نے میرا پیچھا کر کے مجھے پکڑ ہی لیا۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ "میاں ان سب میں میں اکیلا ہی تھا جو مجھے ہی چور بنایا" اس پر آپ نے فرمایا: "نامدار تم کو ستانے میں لطف آتا ہے۔"

نامدار خاں صاحب کہتے ہیں: "اب میں چور بنا، سب ادھر ادھر ہو گئے، سب کو چھوڑ کر میں نے پیر و مرشد کی تلاش کی، دیکھا کہ آپ کا تمام جسم مبارک درخت کی پیڑ کے اندر پوشیدہ ہے اور سرِ اقدس درخت کی پیڑ سے باہر ہے اور مجھے ملاحظہ فرما رہے ہیں مجھے دیکھ کر سرِ اقدس بھی چھپا لیا۔ اس پر میں نے عرض کیا: "کہ میاں یہ شرط نہ تھی کہ آپ مقتدر ہیں، چھپنا ظاہر ہونا کیا مشکل ہے۔" آپ درخت کی پیڑ سے نکل آئے اور درخت پر کوئی علامت نہ تھی۔ اور فرمایا: "اچھا نامدار ہم اب اس طرح نہ چھپیں گے۔" پھر بھی میں ہی چور تھا۔ سب دوڑنے بھاگنے لگے میں نے پیر و مرشد کی تلاش کی مگر پتہ نہ لگا۔ اتنے میں آپ نے

آواز دی، میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی "پتہ نہ دارد" آپ نے فرمایا:
"میں یہاں ہوں۔" پھر مجھے عرض کرنا پڑا کہ "میاں اس طرح بھی چھپنے کی شرط نہ تھی۔ اس پر آپ ظاہر ہوگئے اور ہنستے ہوئے فرمایا:
"اچھا نامدار! ہم اب اس طرح بھی نہ چھپیں گے۔" پھر بھی میں ہی چور قرار پایا۔ سب دوڑنے بھاگنے لگے، پھر میں نے پیر و مرشد کا پیچھا کیا۔ جب میں چھو لینے کے قریب ہو جاتا تو آپ قریب رہنے کے باوجود، بیس قدم آگے نظر آتے۔ اس طرح دو چار بار ہوا آخر میں تھک کر بیٹھ گیا۔"

سرور اقطاب قدس سرہٗ نے فرمایا: اس کھیل میں ہمارے پیر و مرشد سے عمداً تین کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ ایک کرامت درخت کے پیڑ کے اندر چھپ جانا، میں نے اپنے قصیدے کے ایک مصرعے میں آپ کی حکومت کو ظاہر کیا ہوں ع

حکم میں آپ کے ہیں بحر و بر و شجر و حجر

دوسری کرامت جو آپ ہر وقت نظروں سے غائب ہو رہے تھے، جس سے ربع مقدس اور جسم مطہر الطف تر تھا۔ تیسری کرامت۔ ایک قدم میں بیس قدم کے فاصلے پر ہو نا طی الارض کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"مولوی صاحب ایسی جلیل القدر جلیل المرتبت اور صاحب قدرت ہستی کو بادی النظر میں کھیل کود سے کیا واسطہ۔ دراصل اس حال و کیفیت سے معصومیت کا اظہار ہے، جس کے باطن میں آپ کے اعلیٰ مراتب کی حقیقت مضمر ہے۔" [1]

---

[1] ضیائے بیابانی ص ۹۸، ۹۹

کھیل کھیل میں آپ نے نورِ الیقین کے عرفان کا سبق پڑھا دیا۔ آپ کی اس آنکھ مچولی سے سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کے لطیف تر ہونے کا بدیہی ثبوت اور جسمِ قدسی کے بے سایہ ہونے کی حتمی دلیل فراہم ہوگئی۔ چاندنی رات میں حضرت قدس سرہٗ کے چھپنے، ظاہر ہونے کا یہ معاملہ بے مقصد نہ تھا، چاندنی رات میں جب آپ کا جسم ہی دکھائی نہ دیتا تھا اور نہ ہی آپ کے جسم کا سایہ ہی نظر آیا تھا تو پھر آقاؤں کے آقا، مالکِ کل کائنات کے نورانی جسمِ قدسی کا سایہ کیوں کر نظر آسکتا تھا، یہی ثابت کرنا تھا۔ سیدی سرورِ اقطاب قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"وجودِ اقدس اطہر و الطف تر، بلحاظِ لطافتِ روحی جسمِ عناصری بھی الطف تر۔ جسدِ پاک و اطہر باعتبار عنصریت محسوسات میں رہنے کے باوجود الطف تر، اس لیے ہر روشنی سایہ دیے بغیر آر پار ہو جائے گی۔ مثلاً ایک سادہ بے قلعی آئینہ کو کسی روشنی کے مقابل رکھنے سے وہ شیشہ روشنی کو آر پار جانے سے حائل نہ ہو سکے گا۔ اس کے باوجود یہ بے سائگی ہمارے دو جہاں کے مالک کے لیے مختص ہے اس لیے بے سائگی کا ظہور بصورتِ معجزہ ہر وقت ہوتا رہا ہے۔" [1]

حضرت قدس سرہٗ کی مقدس زندگی کے ایک ایک ورق کا جس نے مطالعہ کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس مجموعۂ کمالات مقتدر ہستی سے صرف نسبت کا پیدا کر لینا ہی دنیا و دین میں سرخروئی کی کتنی قوی دلیل اور کس قدر پکی سند ہے۔ افضل الکرامات کے صفحات کی زینت بنے ایک ایک لفظ کو پڑھ لیجیے اور آپ کی علوِ مرتبت کے تصدق جائیے۔ انصاف پسند اور حق آگاہ نگاہیں جو ایک دفعہ اس حقائق سے بھری کتاب کو پڑھ لے دل نورِ عقیدت سے

---

[1] ضیائے بیابانی ص ۱۰۳

روشن ہو جائے۔ آج بھی پروانۂ نظر اس کتاب کی روشنی پر دیوانہ وار نچھاور ہونے کو بیتاب ہے۔ بادۂ عرفان کے متوالے ہر ساقی کے در پر دستک دے کہ جب اس صہبائے حقیقت کی چوکھٹ پر اپنی پیاس بجھانے آئے تو بوند بوند مئے عرفان سے مخمور و سرشار سیراب ہوئے۔

میر منور علی صاحبؒ نے لکھا ہے:

"آپ کا فیضانِ معنوی اب تک جاری ہے۔ اکثر تشنہ کامانِ معرفتِ الٰہی اس دریائے فیض سے اب تک سیراب ہو رہے ہیں۔"[1]

سیدی درویش محی الدین قادریؒ فرماتے ہیں:

"یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیات کے ہر پہلو میں وہ کشش ہے جو اکابرین اولیا سے مخصوص ہے۔"[2]

بچپن کی سعید ساعتیں جس پاکیزہ ماحول اور بابرکت خطہ میں گزری تھیں اس کی فضاؤں میں زمانۂ ہوش کے آنے تک کائنات کے حسین و جمیل چہرے اور اس کے دل موہ لینے والے مناظر سے اپنے قلب و نظر اور امر مکروہ سے اپنے دامن کو کبھی آلودہ ہونے نہ دیا۔ والدۂ معظمہ کی بے پناہ محبت اور ممتا سے بھری ان کی آغوش میں شعور و آگہی جو حاصل فرمائی تھی اس کے ایک ایک لمحے کو حق تعالیٰ نے شرفِ قبولیت سے مشرف کیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ صالحیت آپ کی طبیعت کا جزوِ لاینفک بن گئی تھی۔ دنیا سے تعلق برائے نام رکھا تھا۔ مولوی محمد سلطان صاحب نے لکھا ہے:

"دنیاوی تعلقات سے نہایت بے لوث رہے۔"[3]

زمانۂ حیاتِ ظاہری میں ہر کوئی آپ کی علمی عظمت اور روحانی شان کا معترف رہا۔ باوجود خصوصی دینی شرف، علم و فضل کے ہمیشہ طالب علمانہ علم کے جویاں رہتے۔ استغنا کا

---

[1] ضیائے بیابانی صد ۹۲ [2] افضل الکرامات صد ۲۹ [3] وقائع دکن صد ۵۵

یہ عالم کہ ہر چیز قبضۂ قدرت میں ہونے کے نہ کبھی اس کا اظہار کیا نہ کسی پر اس کے منکشف ہو جانے سے فخر و افتخار کی تشہیر روا رکھی۔ میر منور علی صاحبؒ نے حضرت سیدی سرورِ اقطاب قدس سرہٗ کا یہ بیان نقل فرمایا ہے:

"اکثر ایک سادھو حاضر ہو کر مجلسِ مبارک کا رنگ دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن تنہائی میں معروضہ کی خواہش کی۔ آپ نے جنگل کا رخ اختیار فرمایا، تنہائی کا موقع پا کر سادھو نے اپنی جھولی سے ایک اینٹ سونے کی نکال کر پیش کرتے ہوئے التماس کی "یہ میری عمر بھر کی کمائی ہے اس کا جائز مصرف بجز آپ کے کسی سے نہیں ہو سکتا۔" آپ نے فرمایا: "اللہ نے ہم کو جاگیر اور روپیہ بہت دیا ہے، ایسی اینٹیں ہمارے پاس بھی موجود ہیں"، چنانچہ آپ نے زمین پر ایک ٹھوکر لگائی، مٹی ہٹ کر سونے کی اینٹیں جمی ہوئی نظر آئیں۔"[1]

یہی واقعہ ذرا سے فرق کے ساتھ صاحبِ افضل الکرامات نے صد ۱۱۶ پر درج فرمایا ہے کہ آپ کا فقر فقرِ اختیاری تھا ورنہ شان و شوکت کا نہ سہی کوئی سادہ لیکن پختہ گھر بنوا لینے میں ہرج ہی کیا تھا جبکہ آپ کی والدۂ معظمہ مہمانوں کی کثرت کو دیکھ کر سخت اصرار کرتیں کہ کوئی اچھا سا مکان اپنے رہنے کے لیے آپ بنوا لیں لیکن آپ نے اس اصرار کے باوجود کبھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی بس ایک خس پوش جھونپڑا تغیراتِ موسم سے متعلقین کے تحفظ کی خاطر بنوا لیا تھا۔ اسی میں رہتے بھی تھے اپنے دربار قضا کو آراستہ بھی فرماتے اور اسی میں اپنے مہمانوں کے رہنے کا انتظام بھی فرماتے۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ فرماتے ہیں:

"آپ کی رہائش گاہ موضع قاضی پیٹھ میں ایک خس پوش جھونپڑا تھا۔"[2]

---

[1] ضیائے بیابانی صد ۹۷ [2] افضل الکرامات صد ۳۰

دنیاوی امور، ضروریاتِ زندگی اور بے شمار عائلی مصروفیتوں کے کبھی ان سے رغبت و وحشت کا اظہار نہ کیا۔ جس حد تک ان سے تعلق لازم تھا قائم رکھا اور جو عزت حق تعالےٰ نے آپ کو دی اُسے جی جان سے لگائے رکھا۔ دولت و ثروت کی طرف بھول بسرے بھی توجہ نہیں فرمائی، علم و عرفان کے ہمیشہ مشتاق رہے۔ بہتر معاشی وسائل کے ہوتے قناعت پر گزر اوقات تھی۔ فتوحات و آمدنی اس قدر کہ امیرانہ شان و شوکت کے اظہار کو کفایت کر جاتے لیکن شانِ غنا، اسوۂ عثمانی رضؓ کی رہینِ منت تھی اس لیے ہر خواہش سے رُخ پھیر لیا اور عدمِ رغبت کے سبب سادہ طرزِ معاشرت کو اختیار کیا۔ ارشاد ہوا:

"الحمدللہ، اللہ تعالےٰ نے اپنی نعمتِ فقر سے ہمارے خاندان میں
کم و بیش ہر ایک کو سرفراز فرمایا۔ میری اگر کروڑہا زبانیں ہوں
تو بھی اس کا کسی طرح شکر ادا نہیں کر سکتا۔" [۱]

مہمانوں کی کثرت سے ہمیشہ حرمِ بیابانی آباد رہتا۔ طالب علموں اور مسافروں کی دیکھ ریکھ کا انتظام خدامین کے سپرد تھا۔ دسترخوان عمدہ و نفیس کھانوں سے بھرا ہوتا۔ ہر ایک کی ضیافت یکساں اہتمام سے ہوتی، اصاغر و اکابر پہلو بہ پہلو بیٹھتے اور اپنے حصے کی نعمت پاتے، سب کے فارغ ہو جانے کے بعد آپ کے لیے دسترخوان چنا جاتا، جس پر روکھی سوکھی روٹی، سادہ چاول، دہی یا مرچ کی چٹنی سجی ہوتی۔ دو چار لقمے تناول فرما کر متوسلین کو کھانے کے آداب سے واقف کر لیتے۔ حق تعالےٰ کے ذکر کے لیے اور کمر سیدھی رکھنے کو غذا کی یہ مقدار کفایت کر جاتی، کھانا کبھی اس سے زیادہ آپ نے جزوِ بدن نہیں فرمایا۔

اسبابِ خانہ داری ہونے کے برابر رکھے تھے، دو چار بڑے برتن مٹی سے بنے موجود تھے جن میں مہمانوں کی آمد پر پکوان ہوتا۔ میر منور علی صاحب قبلہؒ نے لکھا ہے:

---

[۱] ضیاے بیابانی ص ۱۰۳

"آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ آپ کے پاس سونے چاندی کا
کچھ سامان نہ تھا۔ پکوان اور کھانے کا سامان مختصر سا تانبے کا تھا
باقی مٹی کا۔" [۱]

مولوی محمد سلطان صاحب نے لکھا ہے:

"آپ فقرِ اختیاری رکھا کرتے تھے، قلندرانہ مشرب تھا۔" [۲]

سیدی درویش محی الدین قادریؒ فرماتے ہیں:

"حضرت قدس سرہٗ کی شانِ فقر کے ہر پہلو میں، عزت، حکمت اور
وہ قوت ہے جو ہر ایک کے لیے دعوتِ عمل ہے۔" [۳]

آپ کا رہن سہن، ورع و تقویٰ، سادگی و اخلاق اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ اکثر بکمالِ شفقتِ مادرانہ، آپ کے دربارِ قضاۃ کی شان، اس کے رعب و جلال اور جاہ و منزلت کو ملاحظہ فرما کر اک پختہ، صاف ستھرا کشادہ مکان بنا لینے کا مشورہ دیتیں، آپ سرِ نیاز خم مسکرا کر والدۂ مکرمہ کی توجہ کسی اور جانب پھیر دیتے، کبھی گفتگو کا موضوع بدل دیتے اور کبھی لطائف الحیل سے بات ٹال دیتے۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ کا بیان ہے:

"آپ کی والدۂ ماجدہ اصرار فرماتی تھیں کہ آپ عادل و قاضیِ
وقت ہیں اور جاگیردار ہیں۔ آپ کے لیے کوئی شایانِ شان مکان
ہونا چاہیے لیکن آپ اکثر اس بارے میں گریز سے کام لیتے،
جب ایک بار والدۂ ماجدہ کا اصرار بہت ہوا تو آپ نے کچھ عجیب سا
جواب دیا کہ: "حویلی میں رہنے والوں کے پاس چوریاں ہوا
کرتی ہیں۔" والدہ صاحبہ نے سمجھ لیا کہ آپ کا ارادہ خس پوش

---

[۱] ضیاے بیابانی ص ۹۴   [۲] وقایع ورنگل ص ۵۵   [۳] فضل الکرامات حاشیہ ص ۱۱۷

رہائش گاہ بدلنے کا نہیں ہے۔ اور خاموش ہو گئیں۔" [1]

مریدین و متوسلین بھی آپ کے آرام اور دربارِ قضات کی سہولت کا اک علیحدہ قدر و منزلت والا مکان تعمیر کرنے کی اجازت چاہتے لیکن اُن کا معروضہ شرفِ قبولیت سے محروم ہو جاتا۔ لیکن آپ کے اوصافِ کریمانہ کسی کی دل شکنی کے متحمل نہ تھے اس لیے سرکارِ کرم کی جناب میں

"مولوی غلام حسین صاحب جو حضرت کے مرید اور عمایدین بلدہ سے تھے۔ قاضی پیٹھ حاضر ہوئے، ایک روز حضرت سے عرض کیا کہ "حضرت کے لیے غلام اک مکان تیار کرنا چاہتا ہے جس سے حضرت کے لواحقین اور خادمین کو بھی آرام ملے گا۔" آپ نے فرمایا: "جناب ہم غریبوں کے لیے یہ گھانس پھوس کے مکان کافی ہیں۔" لیکن انھوں نے دیوار کا پایہ کھدوا کر دیوار اٹھوانا شروع کر دیا، جب دیوار تین گز اٹھی یک بیک رات کو گر پڑی۔ پھر انھوں نے دوبارہ اٹھایا اور پھر دیوار گر پڑی، اس وقت ان کو خیال آیا کہ میں نے صراحتاً اجازت حاصل نہیں کی، شاید حضرت کی مرضیِ مبارک نہیں ہے۔ پھر انھوں نے حضرت کے پاس حاضر ہو کر نہایت عجز و الحاح سے عرض کیا کہ "میں نے اس کام کو سعادتِ دارین سمجھ کر آغاز کیا ہے، حضرت اجازت سرفراز فرمائیں کہ حضرت کی اجازت و رضامندی کے بغیر اس کی تکمیل ناممکن ہے۔" بالآخر حضرت نے ان کو اجازت دی اور مکان تیار ہو گیا۔" [2]

اوائل عمر ہی سے آپ کی طبعِ قدسی برائیوں سے نفور رہی۔ عفو و درگزر طبیعت کا خاصہ تھا۔ ہمیشہ

---

[1] افضل الکرامات ص ۱۳۱ [2] ایضاً ص ۱۴۱

ضرورتمندوں، مسکینوں اور محتاجوں کا خیال فرماتے۔ ایک طرف آپ کا جود و سخا اک عالم کو جنبشِ ابرو کا منتظر بنائے رکھتا تھا، دوسری طرف آپ کی حیاتِ قدسی کا ایک ایک لمحہ کمالاتِ بندگی کا آئینہ دار تھا۔ کسی بھی فرد کی کوئی خطا ہو معاف فرما کر خیر کی ترغیب دیتے۔ آپ کے مقام و مرتبہ سے ناواقف آداب کو ملحوظ نہ رکھتا تو آپ اس کا ذرا خیال نہ فرماتے، طیش نام کی کوئی چیز آپ میں نہ تھی۔ کسی نے کبھی آپ کو غصہ کرتے نہ دیکھا۔ سیدی درویش محی الدین قادری نے ایک واقعہ لکھا ہے:

"شمس الدین خاں صاحب جو محمد خاں صاحب کے چھوٹے بھائی تھے حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں بارادۂ مباحثہ حاضر ہوئے اور حضرت سے کچھ سوالات کیے، آپ نے کچھ التفات نہ کیا جب آپ گھر میں تشریف لے جانے لگے اور دروازے تک پہنچے شمس الدین خاں صاحب وہاں پہنچ کر مُصِر ہوئے۔ دروازے کے قریب ایک بادلی تھی، حضرت نے خاں صاحب سے فرمایا کہ "اس میں تمہارا جواب ہے دیکھ لو، دیکھتے ہی شمس الدین خاں صاحب کی حالت دگرگوں ہو گئی، کپڑے پھاڑ کر بھاگ نکلے اور چھپٹا پلی کے پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئے۔" [1]

یوں ہزاروں ہزار کو توجہ کی ایک نظر فرما کر زمرۂ واصلین میں شامل فرمایا۔ وہ عظمتیں اور وہ کمالات جن سے سرکار شہنشاہِ اقلیمِ ولایت کی حیاتِ طیبہ آراستہ تھی، آپ میں بھی بکمال امتیاز جمع تھیں یہی سبب تھا کہ

"اولیائے وقت آپ کی تعظیم کرتے تھے۔" [2]

---

[1] افضل الکرامات ص ۶۹ [2] وقائع درگل ص ۵۵

لیے عاشق کی ذات کو کسی لمحہ بھی ذکرِ حبیب کے بغیر چین نہیں آتا۔ عشق کی آگ جس دل میں لگی
اس آگ کو بجز آنسوؤں کے پانی کے کسی اور پانی سے بجھایا نہیں جا سکتا۔ خوش آوازی ا
خوش نغمگی، ٹوٹے ہوئے افسردہ و مجروح دلوں کے لیے مرہم راحت ہے اندمالِ جراحتِ پنہا
کا اس سے بہتر کوئی علاج نہیں، حضرت یحییٰ بن معاذ رازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"اچھی آواز، عشقِ الٰہی سے معمور دلوں کے لیے سرمایۂ راحت ہے۔"[1]

جسے نفس و روح کے اس نازک فرق کا علم ہو وہ خوب جانتا ہے کہ سماع کس کے
مفید ہے، یہی سبب تھا کہ عرفا نے ہر ایک کو سماع کی سماعت سے منع فرمایا کہ کہیں تغ
و خوش آوازی سے ان کا نفس دلیر ہو کر سماع کے تقدس کو پامال نہ کر دے۔

کبار اولیائے کرام کی مثل آپ کو بھی سماع مرغوب تھا۔ اہلِ رسالہ، معتقدین او
مریدانِ باصفا، ہر ہفتہ محفلِ سماع منعقد کرتے، آپ سریر صدر پر تشریف فرما ہو
عشا کے بعد اس محفل کا انعقاد ہوتا تہجد سے قبل اس کا اختتام عمل میں آتا۔ صاحب فضل الکر
کا بیان ہے:

"اہلِ رسالہ ہفتہ میں ایک بار قاضی بیٹھ آ کر محفل سماع کیا کرتے
تھے، شب بھر سماع ہوتا تھا۔"[2]

(داتا کی حاشیہ ص۷۵) پہلے حق تعالیٰ نے آدم کا مجسمہ دکھا کر فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کی حمد و ثنا کریں
آدم کو حق تعالیٰ کی محبت کا نذریعہ جل جاکر اس کی حمد و ثنا سے بیقرار ہو گئی نفس، خود سرانہ لحن
لحن و آہنگ سے حظ لیتا رہا اور جذبۂ عشقِ حقیقی سے محروم رہا۔ سماع کے انعقاد کا مقصد نفس
کی تربیت ہے تا اسے ہر آواز میں محبوب کی صفات کا اثر دکھائی دے۔

[1] کتاب اللمع ترجمہ سید اسرار بخاری ص۴۴۶ [2] ص۱۱۶

آپ جب محفلِ سماع میں رونق افروز ہوتے تو آپ کی تشریف آوری کے ساتھ ہی ساری
محفل عود و عنبر کی خوشبو سے مہک جاتی اور تا ختمِ سماع اس کی فضا معطر رہتی۔ کسی نے
اس کیفیت کے ظہور کی تحقیق میں جسارتِ مودبانہ سے بھی کام نہیں لیا کہ خوشبو کہاں سے آتی
ہے عود و عنبر کس نے مہکایا ہے۔ محفلِ سماع میں آپ کے تشریف فرما ہوتے ہی ہر کوئی دم سادھے
خاموش دو زانو ہو کر بیٹھ جاتا کہ کسی کو مجالِ دم زدن نہ تھی۔ آپ کے اشارۂ ابرو پر سماع شروع
ہو جاتا تو آدابِ محفل سب کے پیشِ نظر ہوتے۔ اگر کوئی جذبات سنبھالنے پر قدرت نہ رکھتا تو اسے
فوراً رخصت کر دی جاتی۔ سیدی سرورِ اقطاب قدس سرہٗ کا ارشاد ہے:

"(ایک مرتبہ) سماع کی محفل میں کسی کو وجد آ گیا اور انھوں نے نعرہ مارا
آپ نے محفل سے ان صاحب کو برخواست کر دیا۔"[1]

سماع، دراصل، سماعت کی اس کیفیت انہماک کا نام ہے جس میں شخص اپنے تمام ذہنی و قلبی
خدشات سے دست بردار ہو کر متوجہ ہو۔ اگر کوئی ایسا کمال اور جذبِ استقامت رکھتا ہے تو سماع
کی حقیقت اس پر منکشف ہو جاتی ہے اور اس کی برکتوں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ سیدی ابو النصر سراج قدس سرہٗ
فرماتے ہیں:

"سماع سے مراد حضورِ قلب، ادراک اور جملہ اوہام سے خالی الذہن
ہو کر نہایت غور سے مائل بہ سماعت ہونا ہے۔"[2]

سماع کی ابتدا حمد و صفاتِ ربِ ذوالجلال سے ہوتی اور مدح و ثنائے سرورِ کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم سے محفل نورانی ہو جاتی، جب ذکر و مناقبِ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سامع نواز ہوتا
تو دل میں اک عجیب کیف و سرور پیدا ہو کر نشۂ عرفانِ قادر کے سبب ہر شخص دم بخود ہو جاتا۔ اکثر
بعض شعرائے کرام کا کلام فردوسِ گوش ہوتا جنھیں دربارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سندِ قبولیت حاصل

---

[1] فضل الکرامات ص۳۶ [2] کتاب اللمع مترجمہ سید اسرار بخاری ص۴۵۳

ہوئی ہو، جب ایسا کلام محفلِ سماع کی زینت بنتا تو اُن شعراء کی ارواح بھی رونق افروزِ محفل ہوکر اپنے کلام سے لطف اندوز ہوتیں۔ سیدی سرورِ اقطاب قدس سرہٗ کا ارشاد ہے:

"ایک روز سماع ہو رہا تھا اور حافظؒ کی ایک غزل ہو رہی تھی، حضرت قدس سرہٗ یکایک بازو ہٹ گئے اور اسی طرح ختمِ سماع تک تشریف رکھے رہے بعد برخواستِ سماع حضرت پیر و مرشد قبلہ نے عرض کیا کہ آپ مجلس میں یکایک بازو کیوں ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا: "حضرت حافظؒ اور حضرت سعدیؒ صاحب کے ارواح تشریف لائے تھے، اس لیے بازو ہٹ گیا اور جگہ بنا دی"۔[۱]

آپ کے محفلِ سماع کی یہ ایک منفرد و بے مثال خصوصیت تھی کہ جس کی مثل آج تک کوئی محفلِ سماع منعقد نہ ہو سکی۔ ایسا اکثر ہوتا کہ جب بھی محفلِ سماع میں اہلِ طریقت یا اہلِ شریعت شعراء حضرات کا کلام سامعہ نواز ہوتا تو اُن شعراءِ کرام کی ارواح بھی حاضری کے شرف سے مشرف ہوتیں۔ مذکورۂ بالا محفلِ سماع میں حضرت حافظؒ و حضرت سعدی[۲] علیہ الرحمہ کے ارواحِ مبارک کی شرکت اکثر ہوا کرتی کہ انھیں حضرات کے کلام سے حضرت قدس سرہٗ اکثر محظوظ ہوا کرتے تھے۔ اس شخص کی خوش نصیبی کا کیا کہنا جسے آپ کی اس محفل میں شرکت کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔ سیدی عبدالعزیز دباغ قدس سرہٗ نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے۔

---

[۱] فضل الکرامات ص۷۹ [۲] واضح رہے کہ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اہلِ طریق سے تھے اور آپ کا کلام عشق و محبت کے مضامین سے پُر ہوتا اور قلبی و ذہنی تشفی کے سامان فراہم کرتا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ اہلِ شریعت تھے، چونکہ آپ شریعت و طریقت دونوں ہی مسندوں کے صاحب تھے اس لئے ان حضرات کی ارواح نے محفل میں شرکت کا لطف اٹھایا۔

ارشاد ہوا:

"عشقیہ مضامین کا سننا اہلِ عرفان کے لیے بمنزلہ کشتی کے ہے جس کے ذریعہ وہ مشاہدہ کا سمندر عبور کرتے اور وہ عجائبات دیکھتے ہیں جن کی کیفیت بھی ناقابلِ بیان ہے اور جس کی وجہ یہ ہے کہ جس کا مشاہدہ مطلوب ہے یعنی اللہ سبحانہٗ، وہ حی و قدیم ہے جس کی نہ کوئی نظیر ہے نہ مثال۔ اس لیے طالب کی ذاتِ ترابی کے لیے بجز حادث الفاظ اور ہیجان والی عبارت کے اور ہے کیا جس کا سہارا پکڑے کہ ذاتِ ترابی اسی کی عادی ہے اور اسی پر پیدا کی گئی ہے"۔[۱]

جب تک محفلِ سماع جاری رہتی سرورِ صدر کی عظمت دلوں پر چھائی رہتی۔ حاضرین آپ کے بیٹھنے کی جگہ سے بہت دور ہٹ کر بیٹھتے، آپ اپنی سیدھی جانب سے تین نشستیں چھوڑ کر تشریف فرما ہوتے۔ آپ کی اس طرح محفل نشینی پر حاضرین اور شرکائے محفل متعجب ہوتے لیکن کوئی اس کا سبب جاننے کی جسارت نہ کر سکتا تھا۔ مجلسِ عرفا کی اس روحانی ساعت سے مستفیض ہونے والے خوش نصیب شرکا کو کچھ یوں محسوس ہوتا کہ آپ کے قریب ان مقامات پر بھی کچھ عظیم المناقب ہستیاں ضرور موجود ہیں لیکن دکھائی نہیں دیتیں۔

زبانوں سے واقفیت

کلامِ نفسی ہو کہ کلامِ لفظی، آپ دونوں ہی طرح کے کلام کی خوبیوں سے بحدِ کمال بہرہ ور تھے۔ ہر فرد سے اور مخاطب ہونے والی ہر شخصیت سے اُس کے مزاج، سوجھ بوجھ علم و عقل کے مطابق گفتگو فرماتے۔ عربی، فارسی، اردو اور تلگو زبان کے صاحبِ قلم اور عظیم المرتبت زباں داں تھے۔ علومِ عقلی و نقلی کے ذکر کے ضمن میں حضرت قبلہ شاہ محمد کشفی بیابانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ دادا پیر قدس سرہٗ کتنی زبانوں پر عبور رکھتے تھے کیوں کہ مالک[1] فرمایا کرتے تھے کہ اکثر آپ کی مجلس میں کچھ اجنبی حضرات بھی دیکھے جاتے تھے جنھیں دیکھ کر آپ بوقتِ خطاب اُن سے کسی نامانوس زبان میں ہمکلام ہوتے جو کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آتی۔" [2]

اس بیان کی تائید میں مجھے سیدی عبدالعزیز دباغ قدس سرہٗ کا یہ بیان ملا۔ ارشاد فرمایا ہے:

"حق تعالیٰ نے سات سو زبانیں حضرت آدمؑ کو تعلیم فرمائیں اور وہ تمامی لغات جانتے اور سمجھتے تھے بلکہ آپ سے نیچے والے یعنی اولیاے امتِ محمدیہ (اغواث و اقطاب) بھی ان سب زبانوں کو جانتے اور سمجھتے ہیں۔" [3]

۱۔ حضرت قبلہؒ اپنے پیر و مرشد آقائی مولائی سید شاہ غلام افضل بیابانی قدس سرہٗ کو "مالک" فرمایا کرتے تھے۔
۲۔ درس و تدریس کی ایک نشست کا ارشاد۔
۳۔ تبریز ترجمہ ابریز، مترجمہ عاشق الٰہیؒ ص ۲۳۴

آپ کے گرد و پیش اکثر اہلِ موضع و آپ کے اصحاب منقل شرفِ باریابی سے مفتخر رہا کرتے تھے اُردو اور تلگو دونوں ہی بول چال کی زبانیں تھیں، آپ انھیں کی زبان میں مخاطب فرماتے اور جس بات کا انھیں خلاصہ مطلوب ہوتا نہایت محبت آمیز لہجے میں ذکر فرماتے، لب و لہجہ کی نرمی اور دل آویزی دل موہ لیتی۔ ہر ایک کو "آپ" کہہ کر مخاطب فرماتے، کوئی اپنا مقصد بیان کر رہا ہوتا تو نہایت توجہ سے اس کی بات سنتے اور سماعت کی شان سے "جی" کہتے جاتے۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ فرماتے ہیں:

"آپ مختلف زبانوں میں بول چال فرماتے تھے۔ مخاطب سے بلحاظِ موزونیت اردو اور تلگو میں عام طور پر بات چیت کرتے تھے کوئی فارسی داں ہوتا تو اس سے فارسی میں اور عربی داں سے عربی میں کلام فرماتے۔" [1]

غذا

آپ کی غذا بہت کم اور بے حد سادہ تھی، بقدرِ ضرورتِ جسمانی جو کچھ موجود ہوتا سادہ چاول یا روٹی کسی بھی سالن یا شہد سے تناول فرماتے۔ اکثر روزہ رکھتے مگر اس کا کوئی خصوصی اہتمام نہ ہوتا۔ عام دنوں میں بھی روزوں کی کثرت سے شب و روز کا پیمانہ چھلکتا رہتا۔ بالی عمر ہی سے روزوں کا اہتمام آپ کی اولوالعزمی کا ثبوت ہے۔ رات میں تلاوتِ قرآن فرماتے اور دن میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ سنِ شعور کو پہنچے تو ہر مہینے کی مناسبت سے اس کی خصوصیات کو پیشِ نظر رکھ کر عبادتوں کا اہتمام فرمایا تھا۔ طبعِ قدسی نے دواماً اسے ساری عمر کا شیوہ ہی بنا ڈالا۔ موسمی میوؤں اور پھلوں کو ملاحظہ فرماتے تو انھیں اللہ کی نعمت جان کر چکھ لیتے، شکر

۱۔ افضل الکرامات ص ۲۳

بے حد پسند تھا۔ اس کی خوبیوں کا اپنے خدام سے تذکرہ فرماتے حضرت قبلہ شاہ محمد کشفی بیابانی رحؒ نے آپ کی اس پسند کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

"دادا پیر قدس سرہٗ کو یہ پھل اس لیے مرغوب تھا کہ اس پھل میں فقیرانہ صفت بے نیازی پائی جاتی ہے، سوکھے ویران پتھریلے مقامات میں اُگتا ہے اور کثرت سے نہایت شیریں پھل دیتا ہے۔"

حیاتِ انسانی میں غذا کو بڑی نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، اولیائے کرام و اصفیائے زمانہ نے ہمیشہ کھانے پینے کی چیزوں میں احتیاط کے کسی پہلو سے روگردانی نہیں فرمائی۔ غذا اتنی ہی اور ایسی ہی پسند فرمائی جو حلال ہو اور حق تعالیٰ کی عبادت کیلئے کمر جھکائے کھڑے رہنے کی قوت دے سکے۔

آپ نے کبھی ایسی غذا کو ہاتھ بھی نہیں لگایا جس میں اشتباہ کا ذرا سا پہلو بھی نکل آتا ہو۔ پر تکلف اور مشتبہ دعوتوں سے ہمیشہ محترز رہے البتہ متوسلین، معتقدین و محبین کے بلانے پر بلا تکلف اُن کے گھروں کو تشریف لے جاتے اور صاحبِ خانہ کی ضیافت کے اہتمام پر خوشنودی کا اظہار فرماتے۔ جس دن حضرت خواجہ خضر کی کھلائی ہوئی روٹی جزو بدن فرمائی تھی، بھوک و پیاس، لذائذِ دنیا سے دل سیر ہو گیا تھا یہی سبب تھا کہ

"آپ کو کھانے کی آرزو نہ تھی، آپ کی غذا بہت معمولی ہوا کرتی، خشکہ میں دھی پانی اور نمک ملا کر ملاحظہ فرما لیتے کبھی کانجی پر اکتفا کرتے تھے، بس یہی آپ کی غذا تھی۔ ویسے کبھی شوربہ اور خشکہ بھی ملاحظہ فرما لیتے تھے۔ مچھلی پسند فرماتے اور میٹھا بھی پسند فرماتے تھے۔" [۱]

[۱] افضل الکرامات صفحہ ۳۰

لباس

پاکیزگی اور ستر پوشی فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے۔ کوئی بھی شخص برہنہ رہ کر خود کو زمرۂ آدمیت میں شمار نہیں کر سکتا۔ جس نے برہنگی اختیار کی اس نے حیوانوں کا شعار اپنا لیا۔ فی الحقیقت عریانیت، انعاماتِ خداوندی سے محرومی کا سبب ہے۔ حق تعالیٰ نے جسے آدمیت کا مقام و مرتبہ عطا فرمایا اُسے ذوقِ خوش لباسی بھی دیا۔ حضرت آقائی ابوحنیفۃ النعمان امام اعظم رضؓ کی خوش پوشاکی مثالی تھی سرکارِ غوث پاک رضؓ اور سیدی آقائی مولائی سید احمد کبیر الرفاعی قدس سرہٗ اپنے آخری ایام میں نہایت قیمتی شاہانہ لباس زیبِ تن فرمایا کرتے تھے۔

آپ نے نہایت سادہ و کم قیمت لباس پسند فرمایا اور ہمیشہ سنتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو پیش نظر رکھا۔ آپ کا لباس دو طرح کا، سادہ و معمولی اور قاضیانہ، جدا جدا ہوا کرتا۔ سادہ و معمولی لباس ہمیشہ پہنا کرتے کہ آپ کے گرد و پیش غریب و مفلوک الحال کم مایہ بندگانِ خدا کی اک بڑی تعداد موجود تھی آپ انہی کی طرح کا نہایت معمولی لباس پہن کر انہیں گھل مل کر اٹھتے بیٹھتے کہ انہیں اپنی خرابیِ حال کا احساس نہ ہو۔ اکثر سفید رنگ کا انگرکھا و تہبند زیبِ بدن ہوتا۔ نمازِ جمعہ، عیدین یا کہیں دعوت میں تشریف لے جاتے تو متقدمین فقہا کی طرح قاضیانہ لباس سے سنور جاتے۔ سیدی نا درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں:

"جب ہنکنڈہ، نمازِ جمعہ کے لیے یا کسی دعوت یا ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے تو سفید انگرکھا، سفید عمامہ استعمال فرماتے اس لیے کہ خدمتِ قضات کا تعلق تھا۔ جب واپس گاؤں آتے تو جلد ہی اپنا لباس بدل لیتے، کبیچہ، تہبند زیبِ تن فرما لیتے۔" [۱]

---

[۱] افضل الکرامات صفحہ ۷۵

سفید رنگ دنیا و آخرت دونوں ہی جگہوں میں حق تعالیٰ کا پسندیدہ رنگ ہے۔ اکثر فرشتے اسی رنگ کے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں، آپ نے بہ زمانۂ طالب علمی جس جماعت کثیر کو مشعلیں تھامے آگے پیچھے مشایعت کرتے دیکھا تھا، اُن کے لباس بھی سر سے پاؤں تک سفید تھے[1]۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے اپنا پسندیدہ رنگ قرار دیا تھا، اِسے تقویٰ کا رنگ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ حضرت قدس نے سوائے اس رنگ کے کسی اور رنگ کے کپڑے کبھی نہیں پہنے البتہ عمامہ شریف صندلی رنگ سے رنگا ہوتا۔ میر منور علی صاحب قبلہ فرماتے ہیں:

"دادا پیر قدس سرہٗ کا لباس شریف بالکل سادہ تھا، جس سے نہ جاگیرداری معلوم ہوتی تھی نہ مشائخی، ایک لنگ بندھی ہوئی جس پر تسمہ بندھا ہوا تھا، تھا اور جسم مبارک مغلئی وضع کا کیسچہ اور فرقِ مبارک پر کبھی تاج اور کبھی چھوٹا رومال بندھا ہوتا۔ کبھی ننگے سر اور دوش مبارک پر ہر وقت کمبل شریف اور دستِ مبارک میں اک لانبی چھڑی اور پیروں میں چپل۔ کبھی کسی دعوت میں تشریف لے جاتے تو ململ کا جبہ اور سرِ اقدس پر ایک چھوٹا سا سفید عمامہ"[2]

حضرت میر منور علی صاحب قبلہ نے آپ کے عمامہ شریف کا رنگ بھی سفید لکھا ہے ممکن ہے شرع شریف کی محفلوں یا قضات کے کاموں کے وقت آپ اسے فرقِ مبارک پر باندھتے ہوں گے لیکن اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں نے صندلی رنگ ہی عمامہ شریف کے لیے پسند فرمایا ہے۔ کبھی کبھی جو آپ سر برہنہ رہتے تو یہ اس سنت کی تکمیل میں ہوتا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہ ایامِ حج سرِ قدسی کو برہنہ رہنے دیتے تھے، یوں بھی حق تعالیٰ کی جناب میں ننگے سر رہنا گنہگاری کا اقرار کرنا ہے۔ بہ زمانۂ حج بندہ خود کو اسی حالت میں پیش کر کے عفو و کرم کا خواستگار ہوتا ہے۔ لیکن حالتِ نماز میں ننگے سر رہنا بے ادبی ہے کہ بندہ نہ صرف حق تعالیٰ کے حضور میں ہوتا ہے بلکہ حضورِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

---

[2] ضیائے بیابانی ص ۹۵ [1] بیان حضرت شاہ محمد شفیع بیابانی رحمۃ اللہ علیہ

بھی ہوتا ہے۔

مجاہدانہ شان

آپ نہایت چھوٹی عمر ہی سے دلیر و شجاع مشہور تھے بچپن شریف میں آپ کے والدِ محترم نے صحتِ جسمانی بنائے رکھنے کی خاطر چند ورزشی اصولوں سے آپ کو واقف کرایا تھا۔ بعض ماہرینِ فنِ حرب سے آپ نے کمسنی ہی میں شمشیر زنی، بنوٹ، پیرائی، پنجہ آزمائی، گھڑ سواری اور کشتی کی تعلیم حاصل فرما کر مشق کی تھی۔ روحانی اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے بھی آپ کے جسم کی تربیت چونکہ لازمی تھی اس لیے اس جانب خصوصی توجہ سے علومِ حربیہ حاصل فرمائے کہ ارشادِ باری عز اسمہ ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

شرافتِ نفس، مجاہدانہ زندگی اور سنتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین کا یہ ایک لازمی شعبہ ہے مومن کے لیے ازبس ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ حالتِ جہاد میں رہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے

"(میری) ایک تمنا باقی رہ گئی ہے۔ شہادتِ ظاہری نصیب نہ ہوئی"[1]

یہی سبب تھا کہ کبار اولیائے کرام فنِ حرب کے ماہر ہوا کرتے تھے نہ معلوم کب جہاد کا اعلان ہو جائے۔ آپ نے ورزش کے مختلف ضروری شعبوں میں جو درک حاصل فرمایا تھا اس نے ریاضتِ شاقہ کی جگہ لے لی تو اس کی مشق ترک فرمائی لیکن بعض دوسری مشقیں جاری رہنے دیں سیدی درویش محی الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"آپ تلوار چلاتے اور بنوٹ کھیلتے تھے، لیکن بچپن ہی سے آپ کو

---

[1] افضل الکرامات ص ۱۳۱

تیر نے اور گھوڑے کی سواری کا شوق تھا۔" ۱؎

آپ کے ہمعصر آپ کی شجاعت اور بہادری اور بلند ہمتی کے معترف تھے۔ مختلف آزمائشی موقعوں اور ناموافق حالات میں آپ نے اس کا ثبوت بھی دیا۔ اگرچہ بلا ضرورت آپ نے اظہارِ قوت کا کبھی مظاہرہ نہیں فرمایا نہ کسی نے آپ کو پنجہ آزمائی، کشتی، یا تلوار زنی کی چنوتی دی لیکن بعض خدامین، ثقہ راویوں نے تواتر سے بیان کیا ہے کہ بعض خصوصی راتوں میں جنوں کی ایک جماعت آپ سے پنجہ آزمائی کے لیے موجود ہوتی اور آپ اُن پر سبقت لے جاتے۔ کشتی کا مظاہرہ آپ کے متوسلین نے بارہا مرتبہ مشاہدہ کیا۔ نامدار خاں صاحبؒ جن کی باطنی نسبت بڑی زبردست تھی اکثر حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ رہا کرتے تھے ان کا بیان، حضرت درویش محی الدین قادریؒ نے نقل فرمایا ہے:

"ایکمرتبہ میں حضرت کے ساتھ تھا، حضرت تالاب بندم پر
تشریف لے گئے میں نے دیکھا کہ وہاں ایک بزرگ نمودار ہوئے
وہ بزرگ اور حضرت دونوں آپس میں بڑی دیر تک بانگ
کھیلتے رہے کوئی کسی پر غالب نہ آتا، دونوں حضرات نیم برہنہ
تھے، فقرائی لنگوٹ کسا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بزرگ غائب
ہو گئے اور حضرت نے اپنی دولت سرا کی طرف ارادہ فرمایا" خاں صاحب
فرماتے ہیں کہ میں نے راستہ میں حضرت سے پوچھا کہ "وہ دوسرے
بزرگ کون تھے" آپ نے فرمایا: "وہ بوعلی شاہ قلندر تھے" ۲؎

۱؎ افضل الکرامات ص۳۳ ۲؎ ایضاً ص۱۷۱

خصائص و اوصاف

امامِ جادۂ طریقت، فرماں روائے ملکِ شریعت، غواصِ دریائے حقیقت، کاشفِ اسرارِ معرفت، عارفِ ربانی وزیرِ غوث الصمدانی سیدی آقائی مولائی افضل بادشاہ بیابانی قدس سرہٗ، تیرھویں صدی ہجری کے تمام مجاذیب، اقلیم سند کے قلندر تمام اولیاء کاملین و اصفیائے واصلین کے بلا فرقِ مراتب بادشاہ تھے، آپ کا تبحرِ علمی اور بے مثال تشرع و تقدس آپ کو ممتاز بنائے ہوئے تھا۔ آپ نہ صرف اک عظیم المرتبت فقیہ بلکہ سلسلۂ عالیہ رفاعیہ کے متاعِ گرانقدر و مسلکِ قادریہ کے سرمایۂ افتخار تھے۔ عبادتیں اتنی کیں کہ بندگی کا حق ادا کر دیا۔ ریاضت ایسی کی کہ مثال ناپید ہو گئی۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ کا بیان ہے:

"علم و عرفان، ایقان و ایمان، تزکیۂ نفس و تہذیبِ باطن،
ریاضت و مجاہدہ میں بے نظیر تھے۔ خلوت در انجمن کے بیمثال
مظہر تھے، آپ کی ولایت، آپ کی قطبیت، آپ کا فیضان
عرفان کا زندۂ جاوید چشمہ ہے۔" ۱؎

خصائلِ کریمانہ، نجابت و شرافتِ خاندانی، زہد و اتقا کی شان آپ کی ایک ایک ادا سے جھلکتی نظر آتی تھی۔ پیچیدہ و لاینحل دینی و معاشرتی مسائل کو چٹکیوں میں حل فرما دیتے، اقصائے بلادِ ہند و بلادِ عجم میں دور دور تک آپ کا مُہر و فتویٰ مشہور تھا۔ مولوی محمد سلطان صاحب لکھتے ہیں:

"بڑے بڑے مشکل مسائل کو ایک آن میں ایسا حل فرما دیتے
تھے کہ جس کا سمجھنا فہم انسانی سے بعید قیاس کہا جاتا تھا۔" ۲؎

منصبِ قضاۃ فی الحقیقت بہت بڑا آزمائشی اور کٹھن ترمقام ہے۔ حضرت امام اعظم رضؓ

۱؎ افضل الکرامات ص۳۷ ۲؎ وقائع درگل ص۵۵

نے مصلحتاً اسے قبول کرنے سے محض اس لیے انکار فرمایا تھا کہ اس عہد کی حق ترو ہانہ صفت اور اس کی صداقت ریز قوت کا آپ کا زمانہ متحمل نہ تھا۔ البتہ تاریخی سچائی ہے کہ آپ جیسی عظیم المرتبت و مہتم بالشان شخصیت زمانہ کبھی نہ پیدا کر سکا اگرچہ آپ کے تربیت یافتہ اور قابلِ قدر ذہن، ہر دور کی رونق بنتے رہے لیکن آپ کا بدل کوئی نہ ہو سکا۔ حق تو یہ ہے کہ عدل و انصاف کی اِس مسند پر وہی شخصیت رونق افروز ہو سکتی ہے جس میں اوصاف قدسیہ ہوں اور طرزِ فکر مجتہدانہ ہو۔ یہ آپ (قدس سرہٗ) کی عالمانہ فکر و نظر کا کرشمہ تھا کہ ہر معاملے کی تہہ تک آپ کا ذہنِ رسا پلک جھپکنے کی دیر میں پہنچا اور حقیقت کے عین مطابق فریقین کو انصاف مل جاتا۔ سیدی درویش محی الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے :

"آپ افتاء کا کام بھی کرتے تھے اور قضات کے تعلق سے
بحیثیت با اختیار عادل کے تصفیہ قضایا انجام دیتے تھے۔"[1]

جس روز، آقائے دوجہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو با اختیار فرماں روا بنا کر حدودِ اقلیمِ ہند متعین فرمایا تھا۔ اسی روز سے آپ کی عملداری کے علاقے کے ہر فرد نے بلا فرقِ عقیدہ اپنا دامن، آپ کے خوانِ نعمت و کرم سے چھلکانے لگا۔ سیدی آقائی سید شاہ غلام محی الدین پاشا بیابانی نبیرہ حضرت قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ فرمایا :

"ہمارے دادا حضرت قدس سرہٗ کی شان، آپ کی قطبیت
آپ کی فیض رسانی ہر دور اور ہر زمانے کے لیئے ہے، آپ کے
زمانہ حیات میں آپ ہی کی اجازت سے اولیائے اقلیمِ ہند فیض رساں
تھے۔ آپ کی اجازت کے بغیر کوئی ولی کسی کو فیض نہیں پہنچا
سکتا تھا۔"[2]

---

[1] افضل الکرامات ص ۳۵ [2] ملفوظاتِ کشفی بیابانی

حضرت سیدی سرورِ اقطاب قدس سرہٗ نے فرمایا:

"آپ کو اقلیمِ ہند کی قطبیت حاصل تھی۔"[1]

ساری کائنات میں بیک وقت سات قطب ہوتے ہیں اور ہر قطب جیسے فتح کا نور حاصل ہوتا ہے مجلسِ دیوان کی حاضری و حضوری کے شرف سے مشرف ہوتا ہے۔ یہ مجلس، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی منعقد کردہ مجلس ہوتی ہے جو ہر شب ساعتِ آخر میں اپنے انوار بکھیرتی ہے۔ حضرت قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی سرکارِ نبوت کے اس دربار کی حاضری سے مشرف تھی۔ اِسی مجلس میں جس شب آپ مسندِ افادہ اور کرسی قطب الارشاد پر تکریم سے بٹھائے گئے، تاجدارِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اقلیمِ ہند کے دینی و سیاسی کربناک حالات کی طرف آپ کو متوجہ فرما کر ارشاد فرمایا: کہ "ان کے قلوب صداقت کے نور سے منور فرمائیں"[2] آپ نے اقتضائے فطرتِ سلیمہ مودبانہ التجا فرمائی :

"دنیا میں مجھے گم نام و پوشیدہ رہنے دیجیئے۔"[3]

اس گزارش پر دربارِ رسالت سے فوراً ارشاد ہوا :

"اور فوجیوں کی ارواح دکھائی گئیں" کہ یہ لوگ کھلے دل کے
ہوتے ہیں اور آپ کی ماموری عمل میں آئی۔"[4]

اقلیمِ ہند کی مقتدرانہ فرماں روائی کیساتھ اجازت نشرِ انوارِ عرفان جو حاصل ہو گئی اپنے احوال، مقام و مرتبہ کو اور بھی پوشیدہ رکھا۔ لیکن ہر اس فرد کی جانب اسی وقت توجہ مائل

---

[1] افضل الکرامات ص ۸۰، سیدی حبیب علی شاہ صاحب قدس سرہٗ گلمنڈی نے لکھا ہے :
"قطب اصطلاح میں اکمل انسان کو کہتے ہیں جو مقامِ فردیت پر متمکن ہے اور احوالِ خلائق اسی پر دور کرتا ہے، اور وہ، قطب، قطب ہے بہ نسبت اس چیز کے جو عالمِ شہادت میں مخلوقات سے امر ایزدی تک ہے۔" ۔ حبیب الصوفیہ ص ۲۲۷، [2] ملفوظاتِ کشفی [3] [4] افضل الکرامات ص ۳۵

ہو جاتی جب اخلاص وادب، طلب صادق لیے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اکثر انکساری، سادگی و مسکنت اور مشاہدۂ انوارات الٰہی کے سبب

"کبھی جذب رہتا اور کبھی سلوک، کبھی مکان میں ہوتے تو
کبھی گھوڑے پر، کبھی پتھر پر تو کبھی املی کے درخت کے
نیچے زمین پر"۔[1]

فی الحقیقت عالم گمنامی میں رہنے کی آپ کی یہ خواہش حق تعالیٰ سے شدید تر محبت کے سبب تھی۔ آپ چاہتے کہ ہر طرف بس اسی کا چرچا ہو، اسی کی عظمت کا ذکر ہو اور اسی کی حمد و ثنا سے در و دیوار گونجتے رہیں۔ اسی کی دین و عطا اور اسی کی نعمتوں کا اظہار ہوتا رہے۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ کسی بھی کام اور نام کی نسبت سے شہرت حاصل ہو۔ آپ کی ذات سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچتا تھا، سب کی مصیبتیں اور مشکلیں دور ہوتی رہیں مگر کوئی آپ کو مشکل کشا نہ سمجھے، سب کی مرادیں آپ کے در سے پوری ہوتی رہیں لیکن کوئی آپ کے آستانے کو باب عطا نہ جانے۔ کتنے ہی تہی مئے عرفاں کے پیاسے کتنے ہی صہبائے حقیقت کے تشنہ لب آپ کے میکدۂ خود فراموشی میں پہنچتے اور اپنی پیاسی زبانیں تر کر لیتے کہ دنیا و مافیہا فراموش ہوں۔ آج آپ کے آستانے کی عظمت و رفعت وہی ہے، اپنے سائلوں پر وہی فیض و امداد اور وہی شانِ کرم جو حیات قدسی میں موجود تھی، جاری ہے۔

تقسیم ملک کے ان سپاہی پیشہ افراد کا ستارۂ عروج روشن جو ہوا آپ نے ان فوجیوں کی تربیت باطنی فرمائی اور انھیں اس لائق بنا دیا کہ خود ان سپاہیوں نے اپنی زندگی میں بہ کثرت ایسے کام انجام دیئے کہ نہایت کم عرصہ میں اس کے دور رس نتائج سامنے آئے۔ جس کسی شخص کا نصیبہ جاگا اس نے بڑھ کر آپ کا دامنِ فیضان تھام لیا اور توجہ کی

[1] افضل الکرامات ص۴۷

ایک نظر میں منزل مقصود پر پہنچا دیا۔ میر منور علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"آپ کا فیضانِ معنوی مقتدرانہ صفت سے متصف نظری
و توجہی تھا۔ ایک ہی نظر اور توجہ سے طالب حق، عالم شہادت
سے عالم ہاہوت تک پہنچ جاتا تھا بعض پر اس کے اثرات
فوراً اور بعض پر بہ دیر کسی سے کسب لیا نہ ریاضت کرائی"۔[1]

حق تو یہ ہے کہ جب کسی کا مزاج معلوم ہو جائے تو اس کی اصلاح دشوار نہیں رہتی۔ بہ زمانہ تربیت علمی آپ نے سپاہیانہ نظام حیات سے جو واقفیت حاصل فرمائی تھی اس کے اظہار کی ساعت آ گئی تھی۔ قدرت اپنے چہیتے بندوں سے اپنے اپنے موقعوں پر کام لیتی رہتی ہے۔ عرصہ دراز تک آپ ان فوجیوں کی بے شمار تعداد کو اپنے خوانِ کرم سے حصہ پہنچاتے رہے اور

"علم و عرفان کی تبلیغ کے مرحلۂ اول میں اربابِ فوج
کے قلوب کو روشن فرمایا"۔[2]

وہ جنھوں نے، دامنِ فیض تھام لینے میں سبقت کی اپنے ستارۂ اقبال کو اور چمکایا اور جنھوں نے تامل کیا اور جن کے مقدر میں تلاش و جستجو، تجسس و تفکر تھا وہ مضطربانہ شوق سے آپ کے درِ فیضان پر آ کر رک گئے۔ ان میں سے جس کو آپ نے چاہا اپنی چوکھٹ سے لگائے رکھا، جسے آپ کی نگاہ نے رد کر دیا ان کے دل غلبۂ شوق سے محروم کر دیے گئے، اپنے خادمِ خاص حضرت نامدار خاں صاحبؒ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"نامدار ہم جس کو چاہتے ہیں وہی ہمارے پاس آتا ہے ہم
جس کو نہ چاہیں نہ وہ آ سکتا ہے نہ رہ سکتا ہے"۔[3]

[1] ضیائے بیابانی ص۹۳ [2] افضل الکرامات ص۳۵ [3] ایضاً ص۸۸

آپکے امورمن اللہ ہوتے ہی تصرفات وکرامات کا شہرہ دور دور تک پہنچا۔ جہاں جہاں تک بات گئی لاکھوں لوگوں نے آپ کا آوازۂ کمال سنا اور کھنچے کھنچے چلے آئے، ہر قوم اور طبقے کے لوگوں کا میلہ سا لگا رہنے لگا۔ بیشمار بندگان داخلِ سلسلہ ہوتے اور سندِ غلامی لے کر اٹھتے، آپ کی عظمت و رفعتِ شان کو دیکھ کر ایک گوسائیں بھی قدمبوسی کا مشتاق ہوا اور اپنا عریضہ، آپکے مرید سرورشاہ صاحبؒ کی وساطت سے خدمتِ عالی میں پیش کیا لیکن حضرت قدس سرہ نے اُس کی گزارش رد کردی۔ سرورشاہ نے دوبارہ مودبانہ اجازت کا معروضہ پیش کرکے اصرار سے کہا کہ "اتمامِ حجت کیلئے اس کی آرزو پوری فرمائیں، کیا عجب ہے کہ آپکے توجہ فرمانے سے حقیقتِ اسلام اس پر منکشف ہو" آپ نے ارشاد فرمایا: "جس کے کان حق بات سن نہیں سکتے جس کی آنکھوں کو حق دیکھنے کا شعور نہ ہو، وہ حقانیتِ اسلام سے بیگانہ ہوگا۔" سیدی درویش محی الدین قادری رحؒ نے اس واقعہ کو اس طرح قلم بند فرمایا ہے:

"ایک گوسائیں، بہت ریاضت کرنے والے تھے، نواب ناصر الدولہ نے انھیں طلب کیا تھا۔ رفتہ رفتہ ہنمکنڈہ پہنچے، بڑے بڑے گوسائیں اُن کے پاؤں دبایا کرتے تھے، بعض مسلمان بھی ان کی ریاضتوں کی وجہ سے ملنے کے مشتاق رہتے تھے۔ ایک روز حضرت کے مرید حضرت سرورشاہ صاحبؒ کے پاس (وہ گوسائیں) آئے سرورشاہ صاحب کا ارادہ ہوا کہ اپنی قوتِ باطنی سے ان پر غالب آجائیں، گوسائیں سے فرمایا کہ اگر آپ مسلمان ہوتے ہیں تو حقانیتِ اسلام کے لیے جو کرامت طلب کرتے ہو بتلائی جاسکتی ہے۔ گوسائیں نے کہا: "اگر آپکے مرشد میرے دیول (سدا ہمیشہ مقفل) میں بہ جسمہٖ چلے جائیں تو میں مسلمان ہوجاؤں گا۔"

۱؎ ملفوظاتِ کشفی بیابانی رحؒ

"سرورشاہ نے آکر حضرت سے عرض کیا: "حضرت اس گوسائیں کی خواہش پوری فرمائیں" آپنے فرمایا: "کہ اس کی قسمت میں اسلام نہیں ہے۔" سرورشاہ صاحب نے عرض کیا کہ "اتمامِ حجت ہوجائے" آپنے فرمایا: "بہت خوب" چنانچہ دوسرے ہی روز جب وہ گوسائیں دیول کا دروازہ مقفل کرکے پوجا پر بیٹھ گئے دیکھتے کیا ہیں کہ آپ مورتی کے بازو بجسمہٖ رونق افروز ہیں۔ ؎

پری رو تابِ مستوری ندارد
چو در بندی ز روزن سر برآرد

تھوڑی دیر تک گوسائیں حضرت کو دیکھتے رہے اور جب وہ کسی دوسری طرف متوجہ ہوئے حضرت قدس سرہٗ وہاں سے غائب ہوگئے پھر جب گوسائیں نے سرورشاہ صاحب سے ملاقات کی تو کہنے لگے "واقعی حضرت دیول میں موجود تھے مگر مجھ سے کچھ ارشاد نہ فرمایا" یہ سن کر حضرت نے فرمایا: "وہ ایسے ہی عذرات کریں گے، اسلام اُن کے حصے میں نہیں۔" ۱؎

جس طرح کسی سخت چٹانی زمین میں زرخیزی نہ ہونے کے باعث کہ وہاں ڈالے گئے تخم سے برگ و بار کی توقع نہیں کی جاسکتی، اسی طرح جس دل میں اسلام کے برکات اٹھانے کی صلاحیت نہیں ہوتی اُس سے مسلمان ہوجانے کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی حضرت قدس سرہٗ نے کشف کے ذریعہ معلوم کرلیا تھا کہ "اسلام اس کے حصے میں نہیں"، لیکن کریم آقا نے اپنے مرید کو یقین کی تینوں حالتوں سے واقف کرادیا تھا کہ حضرت سرورشاہ صاحبؒ سے اکتسابِ فیض کے وقت یہ شعبہ سہواً چھوٹ گیا تھا۔ فی الواقعی خشک زمین پر تخم ریزی رنگ لاتی تو سبزی و شادابی سے کوئی خطۂ زمین خالی نہ

۱؎ فضل الکرامات صفحہ ۸۵، ۸۶

حضرت خواجہ عبدالوحید المعروف ابولبیان سبحانی شاہ بیابانی رفاعی القادری۔

رہتا۔ اسی طرح بیک جنبشِ ابروے ابرار حقانیتِ اسلام ہر ایک پر منکشف ہو جاتی اور دنیا میں کو
بھی فرد اس نعمت سے محروم نہ رہتا اگرچہ

"حضرت قدس سرہٗ نے سب کو دعوتِ الی اللہ دی، طالبانِ حق
کی ایک جماعت نے آپ کی اس دعوت پر لبیک کہا اور بہت
شیخ سے دیکھتے ہی دیکھتے اپنے مقصود کو پہنچ گئے" [1]

لیکن جس کے ساتھ ازلی سیہ بختی تھی اس نے طالف الحیل سے گھر آئی ہوئی دولت و نعمت کو اپنی کور باطنی سے کھو دیا سچ ہے دل کی آنکھیں بے نور ہوں تو حق و باطل کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔

آپ کا یہ در فیضان سب کے لیئے تھا کسی کی کوئی تخصیص نہ تھی جو شخص جس مقصد و ارادے سے حاضر ہوتا وہ اپنے ارادے و مقصد میں کامیاب ہو جاتا جس زمانے میں جمعیتِ افواجِ برطانیہ، ہنمکنڈہ میں لشکر آرا تھی، بلا خوف و خطر صدہا سپاہی پیشہ افراد اس دولت سے وابستہ ہوئے اور ہزاروں کی تعداد مطلب برآری کے لیے ہر روز حاضر ہوتی کوئی محروم نہ روزانہ کے حاضر باش، مریدین و معتقدین و خادمین خصوصی توجہ سے سرفراز ہوتے۔ ایک واقعہ جو سیدی درویش محی الدین قادری قدس سرہٗ نے بیان فرمایا بے محل نہ ہو گا، لکھا ہے :

"نامدار خاں صاحب فرماتے ہیں کہ مرید ہونے کے بعد میں نے
خواب میں دیکھا کہ حضرت کے ساتھ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا ہوں
حضرت آگے ہیں اور میں پیچھے کھڑا ہوں، حضرت سرورِ عالم صلی اللہ
علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں : "بیٹا سید افضل تم نے ان کو مرید
کیا ہم کو معلوم ہوا" حضرت ہاتھ جوڑ کر عرض کرتے ہیں کہ
"میں بھی آپ کا ہوں اور یہ بھی آپ کا ہے"" [2]

۱۔ افضل الکرامات ص۳۸ ۲۔ ایضاً ص۴۷

ہنمکنڈہ میں جن دنوں فوجی فرودگاہ قائم ہوئی انھیں ایام میں مرزا افضل بیگ صاحب بھی اس سے وابستہ تھے۔ ابھی حضرت قدس سرہٗ کے زمرۂ خدامین میں داخل ہوئے تھے، ان کے وابستہ قدماں ہونے کا واقعہ خاصہ عقیدت افروز ہے کہ کئی دن تک حضرت کی خدمت میں ارادتمندانہ حاضر ہوتے رہے اور ہر مرتبہ بے نیل و مرام لوٹا دیئے جاتے رہے، حاضری و حضوری کا یہ سلسلہ ماہ و سال کو محیط ہو گیا لیکن حضرت قدس سرہٗ نے داخلِ سلسلہ نہ فرمایا اسی دوران افواجِ رسالہ کو اذنِ روانگی مل گیا۔ مرزا صاحب بے انتہا ملول و دل برداشتہ ہو کر زمین پر بچھ گئے اور اپنا سر حضرت کی چوکھٹ سے ٹکرانے لگے لیکن حضرت نے توجہ نہ فرمائی اور ارشاد فرمایا:

"تمھارے حصے میں نہیں ہے میں مجبور ہوں" [1]

اتنا ہی سننا تھا مرزا صاحب کا پیمانۂ صبر چھلک اٹھا، بیقرار ہو کر حضرت کے پائے اقدس پکڑ لیے اور الحاح و زاری کرنے لگے حضرت نے پھر بھی التفات نہ فرمایا۔ وہی مجبوری ظاہر فرمائی بشدتِ گریہ نے حاضرین و خدامین کا دل دہلا دیا، حضرت سے یہ منظر دیکھا نہ گیا اُٹھ کر دولت سرا میں تشریف لے گئے۔ مرزا صاحب اسی طرح بیخودانہ حضرت کی چوکھٹ سے لگے بیٹھے حضرت کے نعلینِ مبارک کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا، سر آنکھوں پر رکھ لیا ہونٹوں سے لگا کر زبان نعلین پر رکھ دی، فرشِ زمین پر ماہیِ بے آب کی طرح لوٹنے لگے تڑپنے لگے کہ رحمتِ الٰہی کو جوش آ گیا۔ ستارۂ اوجِ اقبال چمک اٹھا، سوئی قسمت، طلبِ صادق کے اثر سے جاگ اٹھی۔

حضرت کو رحم آ گیا۔ خادمِ خاص کو حکم فرمایا :

"اس کو بلاؤ ——— مرزا صاحب حاضر ہوئے۔

آپ نے فرمایا: "آج تم رہ جاؤ اگر پروردگار تم کو قبول نہ کرے تو
میں اپنا سر زمین میں گاڑ دوں گا" [2]

۱۔ افضل الکرامات ص۴۷ ۲۔ ایضاً ص۴۷

مرزا صاحب کا اخلاص و ادب رنگ لایا۔ حضرت قدس سرہٗ کی دعا سے برکتِ دائمی سے طمانیتِ قلب جو حاصل ہو گئی اپنی جگہ سے اٹھے اور حصولِ نعمتِ بیعت میں بہائے گئے آنسوؤں کے پانی سے حضرت قدس سرہٗ کے نعلینِ مبارک کو دھو ڈالا اور ایک سچے عاشق کی طرح درِ قدسی پر جبینِ نیاز جھکائے ساری رات کاٹی۔ صبح کا آغاز نوری جلوؤں سے فرما کر مژدۂ جاں فزا سماعت کیا۔ سیدی درویش محی الدین قادری رح فرماتے ہیں:

"مرزا صاحب بے انتہا خوش ہو گئے اور ایک شب رہ گئے
اور توجہ و فیضانِ حضرت قدس سرہٗ اسی شب میں منتہائے
دولتِ فقر یعنے دیدارِ الٰہی سے سرفراز ہوئے۔" [1]

مرزا صاحب میخانۂ خدا شناسی سے جام بکف اٹھے اور نشۂ عرفانِ الٰہی سے ساری عمر سرشار رہے۔ آپ چاہتے تو وہ گوسائیں بھی دولتِ دین و ایمان پا کر سرخرو ہو جاتا لیکن وہ خود کو صاحبِ کمال اور تسخیرِ نجوم میں یکتا و فردِ فرید جانتا تھا، اسے اپنی ریاضت اور روحانی قوت پر بہت غرور و ناز تھا۔ حضرت قدس سرہٗ کو دیول سدھیشور میں اپنے دیوتا کے بازو بحسبہٖ تشریف فرما دیکھا تو ڈھیٹ ہو گیا اور دل میں یہ گمان پیدا کر لیا کہ حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ میرا دیوتا بھی تو موجود ہے جس طرح وہ خاموش ہے آپ بھی چپ ہیں۔ بس اُسے اسی خیال نے اغوا کر لیا اور ڈھٹائی سے اُس نے جو یہ عذر پیش کیا کہ "حضرت نے مجھ سے کچھ ارشاد نہ فرمایا" گھر آتی ہوئی نعمت سے محرومی کا اس کے لیے سبب بن گیا۔ یہاں تو سر جھکانے والوں کے سر اٹھائے جاتے ہیں، متکبروں کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ آپ کی دین و عطا کے ڈھنگ بھی نرالے ہیں۔ جسے آپ نے دینا چاہا اُسے گھر بلا کر بے دریغ عطا فرمایا اور جسے اس دنیا میں دینا پسند نہ فرمایا اس کی آخرت سنوار دی۔ لوحِ محفوظ آئینہ تھا۔ جس کسی کے لیے کچھ ارشاد فرمایا اُسے اُس کی تقدیر کا لکھا بتا دیا۔ سیدی درویش محی الدین قادری رح

---

[1] افضل الکرامات صـ ۷۲

نے لکھا ہے:

"مرزا ذلفن بیگ صاحب نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ "ضابطہ خاں صاحب کو اولاد نہیں ہے، حضرت دعا فرمائیں" ارشاد ہوا: "اس کے حصے میں نہیں ہے۔" انھوں نے کہا: "حضرت دعا فرمائیں تو کیا بڑی بات ہے" آپ نے فرمایا: "آدمی سے آدمی کا پیدا ہونا عادتِ جاریہ ہے، فقیر چاہے تو دیوار سے بچہ پیدا کر سکتا ہے ع

شرع گوید لب بہ بند عشق گوید نعرہ زن

مرزا صاحب کہتے تھے کہ ایک روز خواب میں حضرت قدس سرہٗ نے مجھے لوحِ محفوظ دکھلائی اور فرمایا "اس میں دیکھو"۔ میں دیکھتا ہوا جب ضابطہ خاں کے نام پر پہنچا تو دیکھا "لاولد" لکھا ہوا ہے۔" [1]

قرب و جوار کے اہلِ غرض صبح و شام آپ کے لطفِ خصوصی کے منتظر رہتے۔ آج بھی بعض ایسے گھرانے دکن کے مختلف شہروں و مضافات میں موجود ہیں جنھیں آپ نے اپنے یدِ قدرت سے تا عمر اور عرصہ دراز بلکہ رہتی دنیا تک اثر و تاثیر رکھنے والی کوئی شئے عنایت فرمائی تھی جس کے باعث وہ گھر منبعِ برکات و حسنات بنا آج بھی موجود ہے اور اس کی اثر پذیری میں کوئی کمی نہیں آئی۔ ہزاروں کرامتیں لوگوں نے دیکھیں، لاکھوں کی مشکل کشائی آپ نے فرمائی۔ کہیں امساکِ باراں کو دور فرما کر ندی نالے بہا دیے تو کہیں سیلِ رواں کی آفت سے مخلوقِ خدا کو بچا لیا۔ کسی لاعلاج مریض کو دستِ شفقت پھیر کر شفا دی تو کسی لاولد کی گود

---

[1] افضل الکرامات صـ ۹۰

اولاد سے بھر دی، کسی کو جنت کی نعمتوں سے بہرہ ور کر دیا تو کسی کو جنت کے مناظر دکھا کر سرشار کر دیا۔ کسی کو چشم زدن میں حج بیت اللہ کے لیے مکۂ مکرمہ پہنچا دیا تو کسی کو دردِ دلت پہ بلا کر کعبۃ اللہ کا نظارہ کرا دیا۔ کسی کی خضر علیہ السلام سے ملاقات کرا دی تو کسی کو توجہ کی ایک نظر میں حق سے ملا دیا۔ کسی نے لق و دق صحرا میں گھبرا کر آپ کا نام لے لیا تو درندوں نے حفاظت کی، کہیں شیر سے کسی کا سامنا ہو گیا تو اُس نے لو پہچان کر آپ کے غلام کی مشایعت کی اور اطاعت و فرماں برداری میں اپنی گردن جھکا ڈالی۔ صدہا بندگانِ خدا کو آپ کی ذاتِ گرامی سے فیوض و برکات کا کبھی نہ ختم ہونے والا فراغ حاصل ہوا۔

وصالِ پُر ملال شریف

عمر شریف ۶۳ سال کی ہوئی۔ گیارہ سال کی عمر میں کلامِ الٰہی کا حرف حرف حفظ فرما لیا تو اس کے انوارات و تجلیات سے سینہ شریف کشادہ روشن و منور ہو گیا۔ اسی نور کی رہنمائی میں گیارہ سال تک اکتسابِ علوم کیا اور حسنِ تعلیم سے آراستہ ہو گئے۔ فواضل و فضائل میں یکتا و یگانہ ہو کر اکیس سال تک سخت ریاضت و مجاہدہ نفس فرمایا اور اپنے تایا سیدی آقائی مولائی سید شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ کے حجرۂ تقدیس میں مشاہدۂ عوالم و انکشافِ سِرِّ روح فرما کر حق تعالیٰ کی محبت کے ذوق آشنا ہوئے اور اس راہ کے سب ہی مراتب طے فرما کر قضات کے تختِ معلیٰ کو رونق بخشی۔ اکیس سال ذکرِ الٰہی کی ملازمت کیساتھ مخلوقِ خدا کی ہدایت اور بیمار و مفلوک الحال انسانیت کی ہر مشکل کو حل فرمایا۔ معشوقِ حقیقی کے وصالِ دائمی سے تین سال قبل جبکہ سیدی آقائی سرورِ اقطاب سید شاہ غلام سرور بیابانی قدس سرہٗ کی عمر شریف تیرہ سال ہو چکی تھی، قضات و جاگیر کے کاغذات آپ کے نام منتقل فرمائے۔ میر منور علی صاحبؒ کا بیان ہے:

"آپ کا سِنِ مبارک بارہ یا تیرہ سال کا ہوگا کہ ہمارے دادا پیر قبلہ حضرت سید شاہ افضل بیابانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال شریف سے کوئی تین سال پہلے سنہ ۱۲۶۹ھ یا سنہ ۱۲۷۰ھ میں قضات اور جاگیر ہمارے پیر و مرشد قبلہ قدس سرہٗ کے اسمِ گرامی پر منتقل فرمائی تھی۔"[1]

اس کام سے فارغ ہو چکے تو جن جن کے جو حق تھے انھیں طلب فرما کر اُن کے حق انھیں ادا فرمائے جنھیں جو کچھ دینا تھا انھیں دے دیا جن جن سے مراسم تھے اُن سب سے ملاقات فرمائی۔ حقوق العباد کے کسی پہلو سے دامن کش نہ ہوئے، نام بہ نام اپنے مریدوں کو یاد فرمایا ان کے ایمان و امان کی دعا فرمائی اور وصالِ مبارک سے ذرا پہلے سیدی آقائی مولائی سید شاہ غلام سرور بیابانی قدس سرہٗ کو

"تخلیہ میں یاد فرمایا اور علومِ سینہ اور نعمتِ معنوی سے سرفراز فرما کر حضرت کے منہ میں اپنی زبان دیدی اور فرمایا اسے چوسو اور بار بار سینے پر پشت پر دستِ مبارک پھیرتے رہے۔"[2]

سرورِ اقطاب قدس سرہٗ، جب سعادت و خیر کے اس سرچشمے سے بوند بوند سیراب ہو چکے تو کچھ دیر شفقت و محبت سے سینۂ قدسی سے لگائے رکھا اور فتح کا نور آپ کے سینے میں منتقل فرماتے رہے[3] پھر جدا فرما کر مریدین و متوسلین کا بطورِ خاص خیال رکھنے کی ہدایت فرمائی اور کہا:

---

[1] ضیائے بیابانی ص ۱۰۸ [2] فضل الکرامات ص ۱۳۷ [3] سیدی عبدالعزیز دباغ قدس سرہٗ فرماتے ہیں: "فتح کا نور شیخ کی ذات میں ہوتا ہے پس اگر اس کا وارث (جو اس کی جگہ قطب بننے والا ہے) اپنے شیخ کی حیات کے آخر حصے میں اس کے اٹھانے پر قادر ہو گیا ہے تب تو وہ شیخ کے اس دارِ فانی سے اُٹھ جانے پر اس کو لے لیتا ہے۔" تبریز ترجمہ ابریز حصہ دوم ص ۲۲۲ مترجمہ عاشق الٰہی میرٹھی

"مرشد پر مرید کی اہم ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ مرید سلسلے میں داخل ہوتے ہی مرشد کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ اس سے مرشد مرید کی لغزشوں کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ مرشد کی بیعت مرید کے ساتھ ایسی ہو کہ حاضر و غائب قرب و بعد حال معیت ہو جو جو امور مانع سلوک ہوں اُن کو اپنی معیتِ روحانی سے دور کرتا ہے۔" [1]

پھر ارشاد فرمایا:

"عقیدتمندوں کی عزت کرو۔" [2] اور معاً جیسے کچھ یاد آگیا ہو، سرورِ اقطاب قدس سرہٗ کو قریب بلا کر سرگوشی فرمائی،

"آج سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کو ہجرت کر جانے کا دن ہے۔" [3]

---

[1] ضیائے بیابانی ص۱۰۱ [2] فضل الکرامات ص۱۳۲ [3] ملفوظاتِ کشفی بیابانی رح

(۱): حافظ ابن حجرؒ نے صحابی رسول کریمؐ ابوبکر بن حزام رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ صفر کی ابھی تین راتیں باقی تھیں کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی۔ فتح الباری ص۹۸

(۲): انسائیکلوپیڈیا (اسلامی) ڈاکٹر قاسم محمودؔ نے لکھا ہے: ۲۷ صفر ۱۳ نبوت ص۱۳۲۱

(۳): ابوالکلام آزاد نے تصریح کی ہے "قاضی سلمان منصورپوری کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ۲۷ صفر ۱۳ نبوی کو کاشانہ مبارک سے بہ قصدِ ہجرت روانہ ہوئے۔" رسولِ رحمت ص۱۸۴

اور فوراً حالت متغیر ہو گئی، حجرۂ خیر و حسنات نور سے منور ہو گیا۔ عطر بیز ہوا کی لپٹیں دور دور تک پھیل گئیں، درِ قدسی سے لگے بیٹھے خادمین، مریدین و معتقدین لاشعوری میں کھڑے ہو گئے، حضرت سرورِ اقطاب قدس سرہٗ نے چند خاص خادمین کو حجرۂ عالی میں آنے کی اجازت دی۔ یہ خادم نہایت ادب سے سر جھکائے پہنچے اور سلام عرض کر کے اُلٹے پاؤں لوٹ آئے ان حضرات کے باہر نکلتے ہی، حالتِ استغراق میں آپ نے اللہ اللہ اللہ فرمایا۔ آپ کے ارشاد فرماتے ہی حجرۂ قدسی کے در و دیوار پر اور سارے کمرے میں نور کی چادر پھیل گئی۔ روشنی کی چکا چوند سے حاضرین کی نگاہیں چندھیا گئیں معاً خوشبو کا ایک تیز جھونکا فضا میں تیر گیا، آپ معشوقِ حقیقی کے جامِ وصال سے سرشار ہو چکے تھے مردانِ غیب نے تعزیت کے بعد کہا:

سلام اے سیدی آلِ بیابانی فضل بیابانی   سلام اے اخترِ افلاکِ عرفانی

دنیا نے ایک بار پھر تقدس و اتقا کا روشن چہرہ دیکھ لیا۔ ضعفائے زمانہ نے اسوۂ صحابہ اور اخلاقِ نبوی کا اکمل ترین نمونہ دیکھ لیا۔ اِنّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم والی بے مثال زندگی نگاہِ انصاف نے دیکھ لی۔ اقلیمِ ہند کا فرماں روا، دکن کا سرتاج اور شہنشاہِ بغداد کا وزیر و نائب ہزاروں ہزار تیرہ و تار قلوب کو نورِ ایمان و ایقان سے منور کر کے ۲۷ صفر المظفر ۱۲۷۳ھ م ۱۸۵۶ء کو بزمِ حضرت باری عز اسمہٗ میں جلوہ گر ہوا۔ میر منور علی صاحب رقمطراز ہیں:

"غدر سے (تقریباً) تخمیناً چھے ماہ قبل ۲۷ صفر المظفر ۱۲۷۳ھ کو بعمر مسنونہ ۶۳ سال آپ کا وصالِ شریف ہو گیا۔" [1]

حضرت قدس سرہٗ کے بقائے جاودانی کا لطف اُٹھانے کے چند روز بعد حضرت مرزا زلفن بیگ صاحب نے خواب دیکھا:

---

[1] ضیائے بیابانی ص۹۲

"کہ حضرت اورنگ آباد میں تشریف لائے ہیں، مرزا صاحب
کے زانو پر سر رکھے لیٹے ہیں، حضرت کی حالت دگرگوں
ہونے لگی، انھوں نے سب حاضرین سے کہا کہ شاید حضرت
کا آخری وقت ہے، آپ لوگ کلمہ پڑھیں، سب لوگ کلمہ
پڑھنے لگے اتنے میں حضرت کی روح پرواز کر گئی ؎

چہ کنم با کہ تواں گفت کہ او   در کنارِ من و من مہجورم

اس وقت حضرت کے دست مبارک میں چنبیلی کا
ایک پھول تھا، حضرت نے ان سے فرمایا: "مرزا صاحب
ہماری روح ایسی نکلی کہ نہ جھاڑ کو صدمہ پہنچا نہ پھول کو دھکا
لگا۔"[1]

آپ جس شان سے عازم خلوتِ حضرت باری ہوئے اُس کا منظر خود حضرت قدس سرہ نے دکھا دیا۔ وصالِ مبارک کے وقت کی عالمِ اجسام کی جو کیفیت آپ پر طاری ہوئی تھی پچھلے صفحات میں اس کا بیان زیب قرطاس کیا جا چکا ہے، عالمِ مثال میں آپ نے اسی کیفیت کے مثالی پہلو کی طرف اپنے مرید کو متوجہ کیا ہے۔ یہ آپ کی اُس خصوصی شان کا اظہار تھا جو آپ کے جد سیدی آقائی مولائی سلطان الواصلین سیدنا احمد کبیر الرفاعی رضی اللہ عنہ کی شامِ وصلت کی کیفیت کے مشابہ تھا جونہی آپ کے وصالِ مبارک کی خبر دور دور تک پہنچی، لوگوں نے کام چھوڑا جس حالت میں موجود تھے اسی حالت میں قاضی پیٹھ کی طرف عازم ہوئے، ایسے ہر مذہب و ملت کے ماننے والوں کا ہجوم پابرہنہ حضرت کے آستانے پر سر جھکائے موجود تھا لوگوں کا اتنا بڑا اژدہام ورنگل کے کوچہ و بازار نے کبھی نہیں دیکھا۔ فی الحقیقت

---

1. فضل الکرامات ص ۱۱۰

اولیاے کرام پر دنیا سے پردہ کر جانے کا لمحہ اک کیفیتِ غنودگی ہے۔ شاہ مست قلندر صاحب نے حضرت قدس سرہ سے بہ زمانۂ طالب علمی اک بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ سیدی درویش محی الدین قادری رح نے بیان کیا ہے:

"حق تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو بڑی قوت عطا فرمائی ہے وہ
اس دنیا میں ایک مقام پر مرتے ہیں اور دوسری جگہ پیدا
ہوتے ہیں۔"[1]

اولیاے کرام کا یہ پیدا ہونا مرنا تناسخ یا آواگمن کی صورت نہیں ہے[2] دراصل اولیاے کرام حق تعالیٰ کے فرمان کے مطابق موت کا مزہ چکھتے ہیں کہ دنیا کے جھٹکارے کی یہی ایک صورت ہے پھر ان کی روح انھیں کے جسموں میں واپس لوٹا دی جاتی ہے تب وہ اپنی مرضی سے اپنے جسم کے ساتھ جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں، رہتے ہیں اور ظاہر ہوتے ہیں[3]

---

1. فضل الکرامات ص ۱۴۱ [3] اقبال نے کہا ہے: جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں، ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

2. تناسخ کے ماننے والوں کا عقیدہ ہے کہ روح اپنا جسم چھوڑ کر کسی ایسے جسم میں داخل ہو جاتی ہے جو زندگی سے محروم ہے ایسی کیفیت کے نتیجے میں وہ جسم جسے روح نے چھوڑ دیا بیکار ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک ایک ہی روح متعدد جسموں میں یکے بعد دیگرے داخل ہوتی رہتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کے منشائے تخلیق کے سراسر خلاف ہے کیونکہ ہر نئے جسم کے لیے نئی روح ہے اور جس کسی جسم کے لئے روح پیدا کر دی گئی ہے تو وہ ہمیشہ کیلئے اسی جسم سے وابستہ ہو گئی۔ جزا و سزا اسی پر مرتب ہوتی ہے۔ اگر روح اپنے گنہ گار جسم کو چھوڑ کر کسی معصوم جسم کو اپنا لے اور اسمیں داخل ہو کر رہ جائے تو گنہ گار جسم کیساتھ رہنے کے زمانے کی آلودگی سے روح گویا صاف بچ گئی اور یہ انصاف کے تقاضے کے خلاف ہے یا پھر کسی اسفل مخلوق کے جسم میں داخل ہو جائے تو اس جسم سے خیر کی کیا توقع کی جا سکتی ہے اس لیے تناسخ کا عقیدہ سراسر غلط اور گمراہ کن ہے۔

غسلِ شریف

شریعتِ مطہرہ نے ہر ظاہری حالت کی تبدیلی اور اس کے اثر سے پیدا ہو
والی کیفیت پر اک جدا حکم رکھا ہے اور غسل کا حکم بھی ایسے ہی موقعوں پر نافذ ہوتا
روح، جب جسم کو چھوڑنے لگی ہے تو اس کے صدمہ سے جسم کا رواں رواں ٹو
کثافتوں کے اثر سے آلودہ ہو جاتا ہے یہی سبب ہے کہ قبضِ روح کے بعد جسم کو غسل
ضروری ہو جاتا ہے جبکہ جہاد کے وقت شہادت کی صورت میں بیک وقت جسم و
متوجہ بفرمانِ الٰہی رہتے ہیں اس لیے نہ ہی جسم آلودہ ہوتا ہے اور نہ ہی روح اس آلودگی کی
میں جسم سے جدا ہوتی ہے بلکہ دونوں ہی دوامًا لذتِ نظارۂ حق سے محظوظ ہوتے ہیں اس
ایسے جسم پر غسل کا حکم نہیں ہے۔

حضرت قدس سرہٗ کے غسلِ شریف میں خدامین خاص ہی کو یہ شرف و فضیلت حا
رہی۔ ہر ایک نہایت ادب سے ایک دوسرے کی مدد کر رہا تھا۔ سب کی زبانیں جیسے
گنگ ہو گئی ہوں، خاموشی سے اشاروں کنایوں میں ہمکلام ہوتے لیکن آواز سے کچھ کہنے
ہمت نہ کرتے۔ غسل سے فراغت ہو چکی تو بعض عارفانِ حق شناس و مریدانِ خاص
آپ کے غسل کے بعد آپ کے جسم کو پاک و صاف کپڑوں سے پونچھ کر بھیگے ہوئے ان کپ
کو اپنی آنکھوں سے لگا لیا اور خشک ہونے تک انھیں جدا نہ کیا۔ صہبائے حقیقت کے
متوالوں نے ترا دیدۂ آب ان پارچوں کو اپنے چہرے و بدن سے مس کر کے اس کی سار
نمی کو جذب کر لیا آپ کے وارفتۂ کمال شیدائیوں نے بھیگے کپڑوں کو بوند بوند نچوڑ کر پی
سیدی درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں:

"شیخ کالے صاحب نے بوقتِ غسل جو لنگی، حضرت کے جسم شریف
پر تھی نچوڑ کر پی لی تھی"۔ (افضل الکرامات ص ۱۱۸)

شیخ کالے صاحب نے تہبند کا پانی کیا پی لیا تھا کہ اسی لمحے ان کا قلب روشن ہو گیا۔
کیفِ عرفانِ فضل رنگ لایا۔ حجابات سارے کے سارے اٹھ گئے۔ غسل سے
تر بہ تر لنگ شریف کو دونوں ہاتھوں میں لے کر بوند بوند لبوں سے لگا کے پی لیا بس مستیِ
محبت کی ترنگ سر میں سما گئی کہ آٹھوں پہر
اک کیفیت سی رہتی تھی"۔ [1]

جہاں بیٹھ جاتے تو گھنٹوں بیٹھے رہتے اور انھیں اپنی خبر نہ رہتی۔ ساری عمر انھیں یہ معلوم ہی
نہ ہو سکا کہ پیڑ پتھر، پہاڑ جھاڑ کہاں ہیں، بیخودی میں ہر مزاحم شئے میں سے ہو کر گزر
جاتے جس سمت نکل جاتے راستہ نکل آتا، ندی ہو کہ دریا، سر بفلک پہاڑ ہوں کہ تالاب
سب پر سے یوں گزر جاتے جیسے کوئی مسطح راہ پر تیز قدم ہو۔ ما کان لہم الخیرۃ کی
جیتی جاگتی تصویر بنے رہے انھیں اپنے محبوب کے سوا کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آیا۔

تعمیرِ گنبدِ مبارک

وصال شریف سے کچھ عرصہ قبل حضرت قدس سرہٗ نے، حضرت نامدار خاں صاحب
کو پلاس کے جھنڈ میں اس مقام کی نشاندھی کروائی تھی اور گنبدِ مبارک کا نمونہ بھی دکھلا
دیا تھا صاحبِ افضل الکرامات نے حضرت نامدار خانصاحب کا یہ بیان نقل کیا ہے:

"نامدار یہ دیکھو" دیدارِ خدا صاحب جمال" کا مکان ہے
ایسا ہی بنانا، نامدار خانصاحب فرماتے ہیں کہ وہ مکان بہ شکل
اک گنبد ہے جس کے سامنے کمانیں ہیں۔ نامدار خانصاحب کو

---

[1] افضل الکرامات ص ۱۱۸

خیال ہوا کہ میں ایسا گنبد کیسے بنا سکوں گا۔ بہرحال حضرت
کے وصالِ مبارک کے بعد خانصاحب نے آپ کا گنبدِ مبارک
اسی نمونے کا تیار کروایا جیسا کہ دیکھا تھا۔" ۱؎

آپ کا آستانہ مبارک اُسی مقام پر رونق افروز ہے جہاں پہلی مرتبہ آپ کو تجلی
سے سرفرازی ہوئی تھی اور آپ نے اسی مقام پر اپنے آخری ایام کا بڑا عرصہ بسر فرمایا
متبرک پلاس کا جھاڑ آپ کے روضۂ عالی سے متصل، تعمیرِ گنبد مبارک کے بعد بھی
موجود تھا، پھر یکایک عدم موجود ہو گیا۔ حضرت قدس سرہٗ اس مبارک جھاڑ کو اکثر تکتے
کرتے تھے اور آپ پر محویت سی طاری ہو جایا کرتی۔ سیدی درویش محی الدین قادری نے
لکھا ہے:

"آپ نے ایک پلاس کے جھاڑ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:
"ہم نے اس جھاڑ پر بھی کچھ دیکھا ہے۔" اس کے ساتھ
ہی اس مبارک جھاڑ کی سمت بڑھے اور اس سے لپٹ کر
رونے لگے۔" ۲؎

حضرت قدس سرہٗ کے زمانۂ "فیضِ عام" میں حضرت مرزا زلفن بیگ صاحبؒ نے ایک
خواب دیکھا تھا کہ وہ قاضی پیٹھ شریف حاضر ہیں، حضرت کا وصال ہو چکا ہے، حضرت
قدس سرہٗ کا مزارِ برکت انوار ۳؎ بشکل قبر کچا ہے ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ
مزارِ مبارک شق ہو گیا اور کسی نے مرزا صاحبؒ کو مخاطب کر کے کہا:

"حضرت نے تم کو اندر بلایا ہے، مرزا صاحبؒ کہتے ہیں کہ
میں اندر گیا، حضرت اقدس چارپائی (کے تخت) پر کروٹ کی

۱؎ افضل الکرامات ص۱۱۱ ۲؎ ایضاً ص۵۸ ۳؎ مرزا زلفن بیگ صاحبؒ نے جو (باقی

شطرنجی پر لیٹے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: "مرزا صاحب
اللہ تعالیٰ نے مجھے جو مکان سرفراز فرمایا ہے اُسے تم جا کر دیکھو
میں نے اُسے جا کر دیکھا اس مکان کا کیا بیان ہو سکے،
بہشتِ بریں کے اعلیٰ مکانوں میں تھا، میں نے عرض کیا
کہ "پیر و مرشد، آپ کا جیسا مرتبہ ہے ویسا ہی مکان،
حق تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے۔" ۱؎

گنبد مبارک کی تعمیر کے کارِ خیر میں متوسلین و مریدین نے بھی حصہ لینے کی غرض
سے حضرت سیدی آقائی مولائی سرورِ اقطاب سید شاہ غلامِ سرور بیابانی قدس سرہٗ کی خدمت
میں معروضہ پیش فرمایا کہ "حضرت ان کا نذرانہ قبول فرمائیں اور اس سعادت سے غلاموں
کو سرفراز فرمائیں۔" حضرت قدس سرہٗ نے اجازت دی تب تعمیرِ گنبد شریف کے لیے پہلی
نذر حضرت نامدار خانصاحبؒ نے پیش کی۔ ان کے بعد حسبِ حوصلہ مریدانِ خاص کی
ایک بڑی تعداد نے حلال ذریعوں سے کمایا ہوا روپیہ نذر کیا۔ مرزا زلفن بیگ صاحبؒ نے
بھی اپنی نذر پیش کی۔ سیدی درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں:

"مرزا زلفن بیگ صاحب تعمیرِ گنبد کے زمانے میں اپنے گھوڑے
کی سلحداری فروخت کر کے بارہ سو روپے تعمیر میں دیے۔" ۲؎

(پچھلے صفحے کا حاشیہ) خواب میں آپ کا مکان دیکھا تھا اس کی تعبیر موجودہ جدید تعمیر شدہ سنگِ سبز
کا گنبدِ مبارک ہے، جسے حضرت سید شاہ غلامِ سرور بیابانی فاروق پاشاہ زید مجدہم موجودہ سجادہ
نشین بارگاہِ عالیہ نے زرِ کثیر صرف فرما کر تعمیر کروایا ہے۔ کتاب ہذا کی اشاعت کے وقت یہ پایۂ
تکمیل کو پہنچ چکا ہے کہ یہ سعادت انہی کا حق تھا۔

۱؎ افضل الکرامات ص۱۱۱ ۲؎ ایضاً ص۱۲۶

حضرت سرورِ اقطاب قدس سرہٗ خود چاہتے تھے کہ اپنے ذاتی خرچ سے گنبدِ مبارک تعمیر ہو جائے لیکن متوسلین و محبین کی گزارش اور ان کے والہانہ اظہارِ محبت کو دیکھ کر اس کارِ خیر میں سب کو حصہ دار بنایا۔ ہر ایک کی نذر قبول کی۔ صاحبِ تفضل الکرامات نے قبولیتِ نذر کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے لکھا ہے کہ مرزا زلفن بیگ صاحب رحؒ نے

"ایک روز خواب میں دیکھا کہ حضرت قدس سرہٗ ان کو مدینہ منورہ لے گئے۔ جب حرمِ مبارک میں داخل ہوئے حضرت نے فرمایا "حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شباکِ مبارک میں رونق افروز ہیں، تم نذر گزرانو" مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ میں نے انگریز کی نوکری کی ہے۔ میرا جسم نجس ہے اس لیے ہاتھ پر دستی لپیٹ کر دو روپیہ نذر گزرانا حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر قبول فرمائی، پھر میں الٹے پاؤں واپس ہوا اور حرمِ شریف میں آگیا، جب میں بیدار ہوا مجھے اس کا اطمینان ہوا کہ گنبدِ مبارک (کی تعمیر) میں میری نذر قبول ہو گئی ہے"۔[1]

حضرت سرورِ اقطاب قدس سرہٗ نے تعمیر روضۂ مبارک میں اسقدر احتیاط کو پیشِ نظر رکھا تھا کہ اگر کوئی آپ کا نام لے کر تعمیری اشیا کی خریدی میں کفایت کرالیتا تو آپ رقم دگنی ادا فرماتے اور خدامین کو ہدایت فرماتے کہ بلا کسی کمی کے قیمت پوری دے کر مال خریدے۔ تعمیر گنبدِ مبارک میں سب سے زیادہ رقم آپ ہی کی مشغول کردہ تھی غالباً تین چوتھائی ذاتی رقم اس تعمیر میں آپ نے خرچ فرمائی تھی سیدی درویش محی الدین قادری فرماتے ہیں:

"حضرت قدس سرہٗ کی گنبد، اگرچہ مریدین کے روپے سے تعمیر پائی

---

[1] تفضل الکرامات ص ۱۲۶

اور اس کا سہرا نامدار خانصاحبؒ کے سر ہے تاہم اس میں بھی حضرت (سرورِ اقطاب) کا بہت کچھ حصہ ہے"۔[1]

گنبدِ مبارک کی تعمیر کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تو متوسلین و محبین کی قدر شناسی و پذیرائی کے لیے، حضرت سرورِ اقطاب قدس سرہٗ نے روضۂ مبارک کے سامنے خیمہ نصب فرما کر دعوت کی، غربا و مساکین بھی شامل ہوئے، سب کی ضیافت کا انتظام فرمایا اور بعد فراغتِ طعام سب میں تبرک تقسیم فرمایا۔ آپ نے خوش دلی، دلجمعی اور شک و شبہ سے بالا و پاک رقم خرچ فرما کر شاہانہ انداز کا قلعہ نما پتھروں کی بڑی بڑی سلوں کا نہایت مضبوط روضہ تعمیر فرمایا کہ مثال نہیں مل سکتی۔ گنبدِ مبارک کی وضع کی تکمیل کے زمانے میں آپ کی طبیعت پر تغیراتِ موسم کا اثر پڑا، ایسی حالت میں بھی آپ کے مشاغلِ ذکر و اذکار جاری رہتے جب تک تمام مزدور کام سے فارغ نہ ہو جاتے آپ برابر روضۂ مبارک کے سامنے کھڑے رہ کر تعمیری کام کی نگرانی فرماتے، معتقدین و محبین دور دور سے حاضر ہوتے حسبِ مقدور نذرانہ گزرانتے جنھیں کششِ روحانی کھینچ لاتی وہ والبتہ داماں ہو کر اپنی خوش نصیبی پر اترا تا کہ حضرت نورِ ہدایت سے اس کے قلب کو منور فرما چکے ہوتے۔ شبانہ روز کی تعمیری سرگرمیوں کے سبب آپ کی صحت روبہ انحطاط ہو گئی اور آپ فریش ہو گئے آپ کی ایسی حالت دیکھ کر آپ کی عفیفۂ دہر صاحبزادی حضرت سیدہ اشرف اماں صاحبہ قدس سرہا نے درگاہ شریف میں حاضر ہو کر منت مانی کہ "آپ صحت مند ہو جائیں تو اپنے ذاتی خرچ سے ساری درگاہ شریف کو سبز رنگ سے رنگ دوں گی" مراد پوری ہوئی اور سرورِ اقطاب قدس سرہٗ پوری طرح صحت یاب ہو گئے تو خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر صاحبزادی صاحبہ نے عرض کیا:

"آپ کی صحت کی منت سے گنبد شریف کو رنگ کیا جا رہا ہے"۔ آپ نے فرمایا: "خدا تجھے ایمان کا

رنگ دے"۔ [1]

روضۂ مبارک کی تعمیر کے بعد غالباً یہ پہلی منت تھی جس کی تکمیل آپ کی ولیۂ عصر پوتی صاحبہ کے دستِ قدسی سے انجام پذیر ہوئی۔

اظہارِ نسبت و عقیدت کا آخری مستحسن طریقہ

آپ کی پوتی صاحبہ قدس سرہا نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ قبل اپنے متعلقین کو وصیت فرمائی کہ "جب وہ اس دارِ فانی سے دار البقا کی طرف مراجعت فرما ہوں تو بعد غسل و کفن و نمازِ جنازہ، تھوڑی دیر کے لیے جنازہ کو روضۂ مبارک کے سامنے کفن چہرہ سے ہٹا کر رکھا جائے پھر آخری منزل کے لیئے اٹھا لیا جائے"۔ تذکرۃ الاولیا میں حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ نے اور نفحات الانس میں حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ اور خود شیخ ابو النصر سراج قدس سرہ [2] نے اپنی گرانقدر تصنیف کتاب اللمع میں اپنا یہ قول ارشاد فرمایا ہے:

"جو میت میرے مزار کے سامنے سے گزاری
جائے گی اس کی بخشش ہو جائے گی"۔ [3]

۱؎ افضل الکرامات ص ۱۵۹ ۲؎ حضرت ابو النصر سراج قدس سرہ کا اسمِ گرامی عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ تھا، لقب ابو النصر اور طاؤس الفقرا تھا۔ ابو محمد عبد اللہ بن المرتعش قدس سرہ سے بیعت و خلافت تھی، جو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کے جلیل القدر خلفا میں سے تھے۔ آپ بمقام طوس پیدا ہوئے حصولِ علم کی خاطر بڑی بڑی مشقتیں اٹھائیں اور طویل مسافتیں طے فرمائیں، مشہور علمائے وقت سے اکتسابِ علم کیا سخت مجاہدے کیے۔ آپ چوتھی صدی ہجری کے قطب تھے۔ وصال ۳۷۸ھ میں ہوا۔ ۳؎ مترجمہ سید اسرار بخاری ص ۱۵

محمد حسین ہیکل نے لکھا ہے:

"خلیفۂ برحق، صاحبِ رسول، ثانی اثنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کا وصال ہو چکا تو ان کی وصیت کے مطابق مسجدِ نبوی میں
ان کا جنازہ رسول اللہ کے مزار اور منبر کے درمیان رکھا گیا"۔ [1]

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصال سے قبل ارشاد فرمایا تھا کہ "میرا جنازہ رسول اللہ کے مزار کے سامنے رکھ دیا جائے پھر تدفین کی اجازت کے بعد دفنا دیا جائے"۔ ( ) بس یہی سنت صدیق اکبر ہے کہ امت کے گنہ گاروں کے جنازوں کو، چونکہ روضۂ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک لے جانا ممکن نہیں ہے [2] اس لیے متوسلین و مریدین اپنے پیر یا اولیائے کبار کے مزار کے سامنے جنازہ لے جا کر رکھ دیتے ہیں تا قبر کی پہلی منزل آسان ہو جائے۔

۱؎ حضرت ابو بکر صدیق اکبرؓ۔ مترجمہ شیخ احمد پانی پتی ص ۴۵۹

۲؎ سنہ ۱۹۷۴ء میں، میں نے خواب میں دیکھا:

"میں قاضی بیٹھہ شریف حاضر ہوا ہوں۔ ذرا دور سے میں نے روضۂ مبارک کی طرف نظر جو ڈالی میں نے دیکھا کہ احاطہ درگاہ شریف میں اس مقام پر جہاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثارِ مبارک موجود تھے، گنبدِ خضرا کے پیچھے نظر آنے والا مینار نہایت چمکدار سبز رنگ میں مع خوشنما چاند استادہ نظر آیا۔ میں نے یہ خواب اپنے بزرگ سید افضل الدین صاحب (گرگرہ دیرہ) کو جو سنایا تو محترم بزرگ نے فرطِ مسرت میں میرا ہاتھ تھام لیا اور کہا: "یہ خواب دلیل ہے کہ جس شخص کو مدینہ طیبہ میں روضۂ مقدس پر حاضر ہونے کا شرف حاصل نہ ہو سکا یہاں حاضر ہو جانا مدینہ طیبہ کی حاضری کا شرف رکھتا ہے"

نتیجہ خیز بات

سنہ ۱۸۴۰ء میں اقلیم ہند جس سخت آزمائشی و کربناک حالات سے گزر رہا تھا وہ ایک ناقابلِ بیان تاریخی حقیقت ہے۔ وقت کے ان خونیں لمحات کو مورخین نے اپنی چشمِ تر سے دیکھا اور خونِ جگر سے لکھا۔ اخلاقی تنزل و تہذیبی انحطاط، سیاسی توڑ جوڑ، ضعیف الاعتقادی اور ہر قسم کے فتنہ و فساد کے علاوہ انگریزوں کی فتنہ گری، مفاد پرستی اور ان کے دل دہلا دینے والے لرزہ خیز مظالم نے ماضی کے ظالم حکمرانوں کے رسوائے زمانہ کارناموں کو بھی مات دے دی تھی۔ ان صلیب بردار سفاکوں نے ہزاروں معصوم اور لاکھوں بے گناہ انسانوں کو بڑی بے دردی سے صلیب پر چڑھا کر رسمِ صیہونیت کو زندہ کر دیا تھا۔ ظالم نیرو اور خونخوار ہلاکو کے کارنامے ان کے آگے گرد ہو گئے تھے۔ ان مادرِ وطن کے جیالوں کا خونِ ناحق جسقدر بہنا تھا بہہ چکا تو مشیت نے ان مفسدوں کو رسوا و برباد کرنے کا سبب ڈھونڈھ نکالا۔ شیرِ میسور سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں کے حوصلے جونہی بڑھ گئے مسلمانوں کو ہر طرف سے حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ ان لعینوں نے اسلامی ہند میں اک مساوی باطل دینی نظام کو فروغ دینے کا منصوبہ بنا کر قادیان سے اپنے مقصد کا ایک آدمی تلاش کر لیا اور اسے اسلام اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل لا کھڑا کیا۔ انگریزی حکومت کے ملازم اور سادہ لوح مسلمان بہت جلد اس فتنہ کی زد میں آ گئے۔ عام آدمی انگریزوں کے ظلم و ستم کے سبب کسی بھی دینی و اصلاحی سرگرمیوں میں آزادانہ حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ اگر ایسا کام کرنے کا موقع انھیں فراہم ہو بھی جاتا تو وہ بذاتِ خود ایسا کوئی دینی شعور بھی نہیں رکھتے تھے کہ بہت جلد اس ظاہر ہونے والے فتنہ کا دفاع کر سکیں جو قادیان سے اٹھنے والا تھا۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی جد و جہد کوششوں سے انگریزوں کی مفسدانہ کاروائیوں پر قدرے روک لگی تھی لیکن اک مقتدرِ اعلیٰ روحانی قوت کے بغیر اس اٹھنے والے فتنہ کا سدِباب ممکن نہ تھا۔

کیوں کہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں مسلم بادشاہ کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اسلام دشمن طاقتیں یک جٹ ہو رہی تھیں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنے دلی کرب کا اظہار اپنے ایک خط مرقومہ سنہ ۱۷۹۶ء میں یوں کیا ہے:

"عہدِ سابق میں اسلام کافی عرصہ سے ہندوستان میں کمزور چلا آتا ہے۔ کافی دیر تک رافضیوں کی وکالت (مراد نجف خاں کی وزارت سے) اور کافر سکھوں کے حملے کی تشویش رہی۔ تقریباً دس سال سے مرہٹوں کا تسلط ہے گو دنیوی اعتبار سے چنداں تکلیف دہ نہیں ہے۔ مگر رسومِ کفریہ کے غلبے اور اہلِ اسلام کی مغلوبیت درویشوں کو پریشان خاطر رکھتی ہے بادشاہِ اسلام اور مسلمانوں کے لشکر، جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کی توفیق نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کے درمیان آپسمیں پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ عہدِ سابق میں چند مرتبہ احمد شاہ درانی، خدا اسے اپنی رحمت میں آسودہ کرے، ہندوستان آیا اور مسلمانوں کے ضعف میں مزید اضافے کا باعث بنا اور کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔"[1]

عرصہ دراز قبل سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آزمائشی حالات اور فتنۂ قادیان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ سے ارشاد فرمایا تھا:

"آپ ان فوجیوں میں علم و عرفان کی تبلیغ فرمائیں۔"[2]

تاکہ اس فتنے کے ابھرنے کی صورت میں ہر فرد اپنا دینی دفاع خود کر سکے۔ یہی سبب تھا کہ ایک طرف آپ کی دور رس نگاہیں معاشرے کی تہذیبی زبوں حالی پر لگی تھیں تو دوسری طرف عرصہ دراز سے چلے آ رہے دینی جمود و تعطل اور تصوف کی غلط و گمراہ کر دینے والی اسلام دشمن طاقتوں کی پھیلائی ہوئی باتوں کی اصلاح پر بھی تھیں۔ آپ نے دینی شعور اور تصوف سے

[1] لوائح خانقاہِ مظہریہ: غلام مصطفےٰ خاں ص ۲۳۸، ۲۳۹۔ [2] فضل الکرامات ص ۲۵

سے بے بہرہ اِن مسلمان فوجیوں کے قلوب نورِ معرفت سے منور فرما کر ان کے دینی شعور اور عرفانِ حق کی دو نسلوں تک حفاظت فرمائی اور اپنے مریدانِ باصفا کو اس فتنے کے بہت جلد قادیان سے سر اٹھانے کی خبر دی تھی مولوی محمد سلطان صاحب نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

"آپ تیرھویں صدی کے قطب تھے۔ بیشتر آئندہ واقعات
کی اکثر خبر دیتے تھے۔" [1]

سچ تو یہ ہے کہ کسی کا قبولِ اسلام کے بعد اس کی اصلاح کا کام اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا کسی پیدائشی مسلمان کے بگڑے ذہن کی اصلاح کا کام مشکل ہوتا ہے۔ حضرت سیدنا مہدی علیہ السلام کی قربِ قیامت سے قبل بعثت اسی مصلحت کے تابع ہے کہ آپ کا کام اصلاح المسلمین ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں سیدی ابو النصر سراج قدس سرہ کے سامنے بھی ایسے ہی حالات تھے، اخلاقی گراوٹ اور روحانی نظام کے متزلزل ہو جانے کے سبب امتِ مرحومہ سخت انتشار اور کڑے آزمائشی حالات سے گزر رہی تھی۔ خلافت کی جگہ ملوکیت آ گئی تھی۔ اس شاہی نظام نے اسلام کی جو صورت بنا رکھی تھی وہ ہر طرح روحانی امداد و توجہ کی محتاج تھی۔ ہندوستان میں بھی بعینہ یہی حالات تھے فرق تھا تو بس اتنا کہ سیدی ابو النصر سراج قدس سرہ کے سامنے فسق و فجور سے بھرے قلوب کی اک بڑی تعداد تھی جبکہ آپ کے پیشِ نظر ہر قوم اور ہر طبقے اور ہر مذہب کے مفلوک الحال و دینی افلاس زدہ لوگوں کی تعداد تھی۔ آپ نے ہر ایک کی اصلاح فرمائی کسی کو جذبہ حب الوطنی عطا فرمایا تو کسی کو قوتِ استقلال دی۔ کسی کو حوصلۂ رہنمائی عطا فرمایا تو کسی کو دار و رسن کو گلے لگانے اور وطنِ عزیز کیلئے جان دے دینے کی ہمت دی۔ ہر ایک کو فیض پہنچایا اور ہر ایک کو اس کی ہمت کے بقدر اس کے دامنِ پراگندہ کو لائقِ انعام و اکرام بنایا۔ جن کے مقدر میں آپ سے فیض اٹھانا لکھا تھا انھوں نے اپنا دامن آپ کے سامنے پھیلائے رکھا اور جن کی قسمت میں محرومی تھی وہ ابلیسِ برطانیہ کے آلۂ کار بنے رہے انہی

میں وہ مسیح الدجال بھی تھا جو قادیان کے گلی کوچوں میں نیم مجذوبانہ کیفیت میں پھرا کرتا تھا۔ آپ کے وصال سنہ ۱۸۵۶ء کے بعد اس نے اپنے پاؤں باہر نکالے اور براہین احمدیہ شائع کی۔ سنہ ۱۸۹۱ء میں اک پورا متوازی باطل دینی نظام ترتیب دے کر مسیح، مہدیٔ منتظر اور کرشن کے اوتار ہونے کا دعویٰ کر کے اک نیا فتنہ کھڑا کر دیا بقول مولانا السید ابو الحسن علی ندوی

"ظہورِ اسلام سے لے کر اس وقت تک کوئی فتنہ اسلام
کی تاریخ میں اتنا نازک اور ابتلا کا نہیں تھا جتنا قادیانیت کا
تھا۔" [1]

لیکن چونکہ ہندوستان میں اس فتنہ کا ظاہر ہونا ایسا ہی مقدر ہو چکا تھا بالکل اسی طرح جس طرح ابلیس کا آدم علیہ السلام کی آزمائش کے لیے جنت میں داخل ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ ایسے بڑے فتنے کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے اک طاقتور دینی ذہن اور اس کے لیے اک مددگار روحانی طاقت کی ضرورت تھی، مشیت نے آپ کی ذات کو سب کے لیے فیض رساں بنایا تھا نام و نمود اور شہرت کے بغیر یہ کام پورا ہو چکا جسے آپ کی ذات نے کر دکھایا۔ حکومت کے ملازم اور نمک خوار مقصد عام فوجی چونکہ جلد متاثر ہو سکتے تھے اس لیے سر پر صدر سے ان کے قلوب علم و عرفان سے بھر دینے کا حکم ہوا اور فوجیوں کی ارواح دکھائی گئیں۔

آپ کا روضہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ بھی ہے اور حدائق بخشش و عطا بھی بے انتہا ادب و احترام کا مقام بھی ہے اور بے حد و حساب فیض کی جگہ بھی۔ جس نے ادب کو ملحوظ نہیں رکھا وہ فیض سے محروم ہو گیا جس نے درِ دولت پر اخلاص، ادب و احترام سے ناصیہ فرسائی کی وہ سربلند ہو کر اٹھا۔ قبولیتِ دعا کے لیے آپ کے اسماءِ خطابیہ کا وسیلہ تیر بہدف کہا جاتا ہے بزرگوں نے کہا ہے پورے آداب کے ساتھ جو شخص بھی آپ کے روضہ مبارک کے احاطے میں معتکف بہ ذکر رہے گا جلد اپنے مقصد کو پا لے گا کہ جس طرح سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ

---

[1] نبیِ خاتم صفحہ ۳۴

کی بادشاہت کسی ایک زمانے سے خاص نہیں ہے ہر زمانے کے لیئے ہے اسی طرح آپ کی وزارت ونیابت بھی ہر زمانے کے لیے قائم و دائم ہے۔ سیدی درویش محی الدین قادریؒ کا بیان ہے:

"جہاں تک شش جہات عالم میں حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت جاری و ساری ہے وہاں وہاں تک حضور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی ولایت مشہور و معروف ہے۔" [1]

فدوی اس بیان حکمت نشان پر نہایت ادب و احتیاط سے اتنا اضافہ اور کرتا ہے کہ حدِ منتہا اور جہاں جہاں تک سرکار غوثِ پاک رضؓ کی ولایت اور آپ کا پرچم سبز بالائے کوہ سربفلک چوٹیوں پر لہرایا جاتا رہے گا وہاں وہاں تک حضرت قدس سرہٗ کا حکم و فرمان بھی جاری و ساری رہے گا، کیوں کہ

"خلیفہ احکام و اوامر کے اجرا و دیگر تصرفات میں اصل کا نائب ہوتا ہے۔" [2]

آپ کے اعلیٰ تر مقام و مرتبہ سے واقف آپ کی پوتی صاحبہ ولیۂ عصر حضرۃ سیدۃ اشرف اماں قدس سرہا نے متوسلینِ بارگاہ اور وابستگانِ حریمِ بیابانی کے ہر فرد کی اس آخری کٹھن منزل کو سر کرنے کا بہت آسان نسخہ تجویز فرمایا تھا۔

---

[1] دیباچہ افضل الکرامات ص ۵ [2] القرآن حکیم کنز الایمان حاشیہ تفسیر نعیم الدین مراد آبادی ص ۱۰

شجرۂ طریق

آقائے دوجہاں سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امام الاشجعین امیر المومنین سیدنا علی ابنِ ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ

حضرت امام حسن البصری قدس سرہٗ

حضرت خواجہ حبیب عجمی قدس سرہٗ

حضرت داؤد طائی قدس سرہٗ

حضرت خواجہ معروف کرخی قدس سرہٗ

حضرت ابوالحسن سری سقطی قدس سرہٗ

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہٗ

حضرت خواجہ ابوبکر شبلی قدس سرہٗ

حضرت ابوالعباس احمد بن عبدالعزیز یمنی قدس سرہٗ

حضرت ابویوسف طرطوسی قدس سرہٗ

حضرت ابوالحسن قریشی علی الہکاری قدس سرہٗ

حضرت ابوسعید مبارک مخزومی قدس سرہٗ

غوث الثقلین قطبِ ربانی ہیکلِ صمدانی ولیِ ہر دوجہانی میراں محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضؓ

حضرت ابوبکر سید عبدالرزاق قادری قدس سرہٗ

حضرت ابوصالح نصر قادری قدس سرہٗ

حضرت ابی نصر محی الدین قادری قدس سرہٗ

حضرت تاج الدین قادری قدس سرہٗ

حضرت سیدنا شمس الدین قادری قدس سرہٗ

حضرت خواجہ عبدالوحید المعروف ابولبیان سبحانی شاہ بیابانی رفاعی القادری۔

حضرت سیدنا نجم الدین قادری قدس سرہٗ
حضرت سیدنا سیف الدین قادری قدس سرہٗ
حضرت سیدنا برہان الدین قادری قدس سرہٗ
حضرت ابراہیم سپہ سالار ذکریا قادری قدس سرہٗ
حضرت محمد ذکریا قادری قدس سرہٗ
حضرت سید احمد ذکریا قادری قدس سرہٗ
حضرت سید علی ساگر سے سلطان مشکل آسان داتا گنج بخش قدس سرہٗ
حضرت سید مخدوم ضیاء الدین بیابانی قدس سرہٗ
حضرت سید شاہ اشرف بیابانی قدس سرہٗ
حضرت سید شاہ عبد الملک بیابانی قدس سرہٗ
حضرت سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ
حضرت سید شاہ امین بیابانی قدس سرہٗ
حضرت سید شاہ فاضل بیابانی قدس سرہٗ
حضرت سید شاہ غلام حسین بیابانی قدس سرہٗ
حضرت سید شاہ غلام محی الدین بیابانی قدس سرہٗ
فخرِ خاندانِ بیابانی وزیرِ غوث صمدانی حضرت سید افضل بادشاہ بیابانی قدس سرہٗ

مسند نشین حضرات القدس

سیدی آقائی مولائی سرورِ اقطاب سید شاہ غلام سرور بیابانی قدس سرہٗ
مدتِ سجادگی ——— ۵۸ سال
سیدی آقائی مولائی سید شاہ غلام افضل بیابانی مالک قبلہ قدس سرہٗ
مدتِ سجادگی ——— ۲۹ سال
حضرت سید شاہ ضیاء الدین بیابانی، بیابانی پاشا قدس سرہٗ
مدتِ سجادگی ——— دو سال
حضرت سیدی سید شاہ غلام محی الدین بیابانی، محی الدین پاشا قدس سرہٗ
مدتِ سجادگی ——— ۱۵ سال
حضرت سید شاہ عبد الکریم بیابانی بڑے میاں قدس سرہٗ
مدتِ سجادگی ——— ۱۰ سال
حضرت سیدی ابو محمد سید شاہ غلام افضل بیابانی مرشد میاں قدس سرہٗ
مدتِ سجادگی ——— ۱۰ سال
حضرتُ الکرم سید شاہ غلام سرور بیابانی فاروق پاشا زید مجدہم
سالِ رونق افروزیٔ مسندِ سجادہ و افادہ سنہ ۱۹۷۶ء

•••

مراجع و مصادر

١۔ فصل الکرامات ...... مرتبہ: حضرت سید درویش محی الدین قادریؒ

٢۔ ضیاءے بیابانی ...... مرتبہ: حضرت میر منور علیشاہ صاحبؒ

٣۔ شجرۂ خاندانِ بیابانی .... مرتبہ: میر بشیر الدین علیشاہ بشیرؒ

۴۔ وقائع درگل .... مرتبہ: مولوی محمد سلطان صاحب تعلیمات

۵۔ شجرۃ الاحمدیہ ...... قلمی سید یوسف الرفاعی قدس سرہٗ بروڈہ

٦۔ پنج گنج حضرت شاہ بیابانی قدس سرہٗ، مترجمہ حضرت سید احمد اللہ حسینی صاحب

٧۔ القرآن الحکیم مترجمہ حضرت احمد رضا خاں [illegible] تفسیر حضرت نعیم الدین فاضل بریلوی قدس سرہٗ

٨۔ مسلم شریف دار قطنی

٩۔ انسانِ کامل۔ حضرت ابراہیم جیلیؒ مترجمہ فضل میراں صاحب

١٠۔ انسان کامل۔ محمد بن علوی المالکیؒ مترجمہ سید اسرار بخاری

١١۔ الاربعین حضرت العلامہ صفدر حسین صاحبؒ

١٢۔ تفسیر منہاج القرآن پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب

١٣۔ تبریز سیدی عبدالعزیز دباغ قدس سرہٗ ترجمہ ابریز عاشق الٰہی میرٹھی

١۴۔ غنیۃ الطالبین سرکار غوث پاکؓ مترجمہ امان اللہ خاں صاحب سرحدی

١۵۔ مرصاد العباد مترجمہ اردو نامعلوم مطبوعہ

١٦۔ تفسیر نعیمی جلد اول مفتی احمد یار خاں صاحبؒ

١٧۔ مراۃ المناجیح جلد پنجم شرح مشکوٰۃ شریف حضرت مفتی احمد یار خاں صاحبؒ

١٨۔ تاریخ اسلام جلد اول اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

١٩۔ اٹھارھویں صدی میں ہندوستانی معاشرت ڈاکٹر محمد عمر

٢٠۔ اوراقِ مصور پروفیسر خلیق احمد نظامی

٢١۔ شہر حیدرآباد ہرمز کاوس جی

٢٢۔ نظام الملک آصفجاہ اول۔ مراد علی طالع

٢٣۔ تاریخ دکن حالیہ ڈاکٹر سید یوسف حسین صاحب ١٩۴۴ء

٢۴۔ مشکوٰۃ النبوۃ جلد ششم ہفتم ہشتم حضرت سید شاہ غلام علی قادریؒ مترجمہ سید وحید قادریؒ

٢۵۔ تذکرۂ اولیاءے دکن عبدالجبار خاں ملکاپوری مرحوم

٢٦۔ سیاستِ حیدرآباد عبدالصمد سراج الدین مرحوم

٢٧۔ تاریخِ فرشتہ القاسم فرشتہ مترجمہ

٢٨۔ ملفوظاتِ کشفی بیابانیؒ (قلمی)

٢٩۔ اجزاے ایمان پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب

٣٠۔ فصوص الحکم مترجمہ حضرت عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ

٣١۔ تذکرۃ الاولیاء مترجمہ برکت اللہ فرنگی محلی لکھنو

٣٢۔ تلخیص بہجۃ الاسرار پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب

٣٣۔ حبیب الصوفیہ حضرت سید حبیب علیشاہ صاحب قدس سرہٗ کٹلمنڈی

٣۴۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا سید قاسم محمود کراچی ١٩٨۴ء

٣۵۔ امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے۔ ڈاکٹر حسینی شاہد ١٩٧٣ء

٣٦۔ اخبار الاخیار مترجمہ محمد سبحان صاحب

٣٧۔ مراۃ الاسرار مترجمہ شیخ عبدالرحمان چشتیؒ

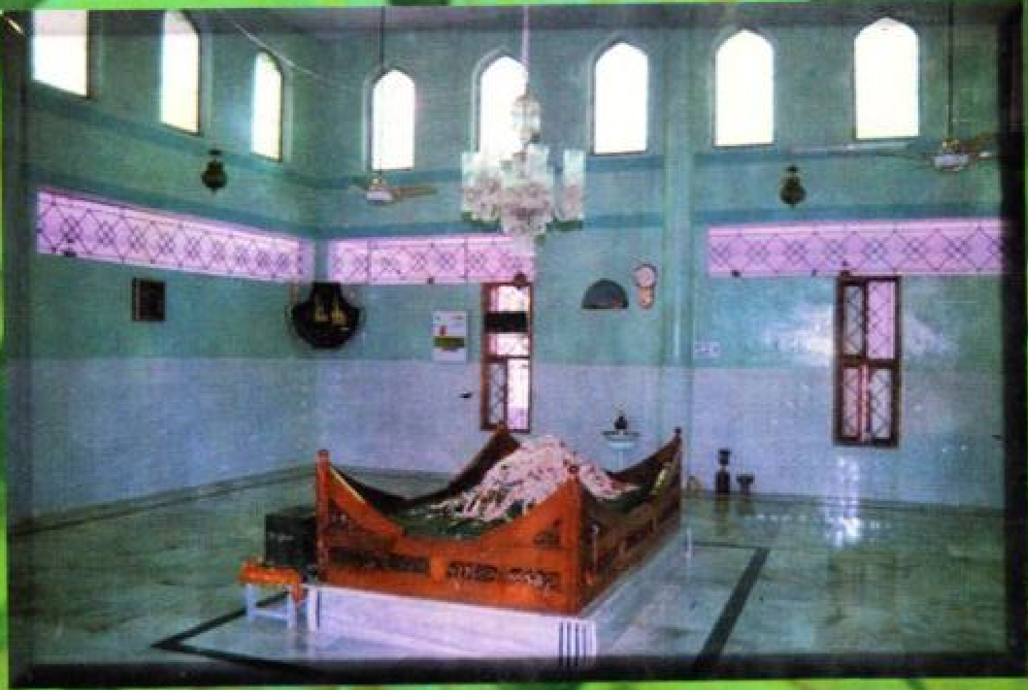
٣٨۔ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ مترجمہ جلد اول

٣٩۔ اسوۂ حسنہ صحابہ عبدالسلام ندوی

۴۰۔ فتوح الغیب (مقالہ ۱۶) سرکار غوث پاک رضؓ مترجمہ
۴۱۔ الیواقیت والجواہر (مترجمہ) امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ
۴۲۔ تجرید بخاری شریف اردو پروفیسر عبدالدایم جلالی
۴۳۔ کتاب اللمع حضرت ابوالنصر سراج قدس سرہٗ مترجمہ سید اسرار بخاری
۴۴۔ فتح الباری حافظ ابن حجرؒ مترجمہ نامعلوم
۴۵۔ نبیٔ خاتم مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب
۴۶۔ لوائح خانقاہِ مظہریہ مترجمہ غلام مصطفےٰ خاں صاحب
۴۷۔ سیرتِ حلبیہ مترجمہ برہان الدین حلبیؒ مطبوعہ دیوبند

رسائل

مجلہ بیابانیہ ۱۹۸۸ء
سب رس (مرقع دکن) ۱۹۳۹ء



مزار شریف حضرت سید شاہ افضل بیابانی علیہ رحمتہ